# وافیہ

شرح اردو

# کافیہ

شارح

مفتی ابوجندل صاحب قاسمی

فاضل دارالعلوم دیوبند

کتب خانہ نعیمیہ دیوبند

بسم اللہ الرحمن الرحیم

النحو فی الکلام کالملح فی الطعام

# وافیہ شرح اُردو کافیہ

حصہ اوّل

## مرفوعات


شارح:

ابو جندل قاسمی

صدر المدرسین مدرسہ بحر العلوم کشن پور ضلع مظفر نگر (یوپی)



ناشر:

کتب خانہ نعیمیہ دیوبند

﴾کتابت کے جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں﴿

# تفصیلات


نام کتاب ——— وافیہ شرح اُردو کافیہ

مصنف ——— مفتی ابوجندل قاسمی

ناشر ——— کُتُب خانہ نعیمیہ دیوبند

کمپوزنگ دیٹنگ ——— محمد جہانگیر دیوبند 9045293126-91+

سن اشاعت ——— ۱۴۳۶ھ بمطابق ۲۰۱۵ء

صفحات ——— 288



**ناشر:**

کُتُب خانہ نعیمیہ دیوبند

فون: 01336-223294-224703

فیکس 0091-1336-222491

E-Mail: naimiabookdepot@yahoo.com

# انتساب

میں اپنی اس علمی کاوش کو اپنے والد محترم جناب جمیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ (جن کے سایۂ شفقت وعاطفت سے بندہ آغاز تعلیم کے پہلے ہی سال محروم ہو گیا تھا) اور اپنی مخدومہ ومکرمہ والدۂ محترمہ مدظلہا العالی کے نام منسوب کرنے کو باعث سعادت سمجھتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ والد محترم کی قبر کو نور سے منور فرمائے اور مغفرت فرما کر اپنے قرب خاص سے نوازے۔ اور والدۂ محترمہ کا سایۂ شفقت ورحمت صحت وعافیت کے ساتھ تادیر قائم رکھے اور آپ کی مخلصانہ سحر گاہی دعاؤں کی بدولت احقر کو بے مثال دینی خدمات کی توفیق خاص عطا فرمائے۔

آمین اللّٰھم آمین۔

# فہرست عناوین


| عنوان | صفحہ نمبر |
|---|---|
| تقریظ: حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری۔ | ۷ |
| اظہار مسرت: حضرت مولانا محمد ایوب صاحب مظفر نگری۔ | ۸ |
| تاثرات: حضرت مولانا حسین احمد صاحب ہری دواری۔ | ۹ |
| رائے گرامی: حضرت مولانا سید اشہد صاحب رشیدی۔ | ۱۰ |
| ارشاد عالی: حضرت مولانا مفتی محمد سلمان صاحب منصور پوری۔ | ۱۱ |
| حرف آغاز | ۱۲ |
| مقدمہ | ۱۵ |
| لغوی تعریف | // |
| اصطلاحی تعریف | ۱۶ |
| علم نحو کا موضوع | // |

| عنوان | صفحہ نمبر |
|---|---|
| علم نحو کی فضیلت | ۱۷ |
| علم نحو کی تدوین اور وجہ تسمیہ | // |
| مصنفؒ کے مختصر حالات | ۱۹ |
| کلام کی تعریف | ۳۰ |
| کلام کی ممکنہ صورتوں کا تفصیلی نقشہ | ۳۲ |
| اسم کی تعریف وخواص | // |
| خاصہ کی تعریف اور اقسام | ۳۴ |
| پہلا خاصہ | // |
| دوسرا خاصہ | // |
| تیسرا خاصہ | ۳۵ |
| چوتھا خاصہ | // |
| پانچواں خاصہ | ۳۶ |
| فائدہ | // |
| اعراب وبناء کے اعتبار سے اسم کی قسمیں۔ | ۳۷ |

| عنوان | صفحہ نمبر |
| --- | --- |
| **اسم متمکن کی قسمیں** | ۴۳ |
| پہلی قسم | // |
| دوسری قسم | ۴۴ |
| تیسری قسم | ۴۵ |
| چوتھی قسم | // |
| پانچویں قسم | ۴۷ |
| چھٹی قسم | ۴۸ |
| باقی تین قسمیں | ۵۰ |
| **غیر منصرف کا بیان** | ۵۲ |
| ضرورت کا بیان | ۵۵ |
| تناسب کا بیان | ۵۶ |
| اسباب منع صرف کا تفصیلی بیان | ۵۹ |
| (۱)عدل | // |
| (۲)الوصف | ۶۴ |
| (۳)تانیث | ۶۷ |
| (۴)معرفہ | ۷۰ |
| (۵)عجمہ | ۷۱ |
| (۶)جمع | ۷۲ |
| (۷)ترکیب | ۷۵ |

| عنوان | صفحہ نمبر |
| --- | --- |
| (۸)الف نون زائدتان | ۷۶ |
| (۹)وزنِ فعل | ۷۸ |
| غیر منصرف کے بارے میں ایک قاعدہ کلیہ۔ | ۸۰ |
| **مرفوعات کا بیان** | ۸۷ |
| (۱)فاعل | ۸۸ |
| فعل کے حذف کا بیان | ۹۳ |
| تنازع فعلین کا بیان | ۹۶ |
| چندفوائد | // |
| (۲)مفعول مالم یسم فاعلہ | ۱۰۵ |
| (۳)مبتدا(۴)خبر | ۱۰۹ |
| نکرہ کے مبتدا بننے کی شکلیں | ۱۱۳ |
| مبتداوخبر کے چنداحکام | ۱۱۷ |
| (۵)حروف مشبہ بالفعل کی خبر | ۱۳۰ |
| (۶)لائے نفی جنس کی خبر | ۱۳۲ |
| (۷)ماولامشابہ بلیس کا اسم | ۱۳۴ |


☆☆☆

| عنوان | صفحہ نمبر |
| --- | --- |
| **دوسرا حصہ** | ۱۳۷ |
| حرف اولیں | ۱۳۸ |
| **منصوبات کا بیان** | ۱۴۰ |
| (۱) مفعول مطلق | ۱۴۱ |
| حذفِ فعل کا بیان | ۱۴۳ |
| فوائد قیود | ۱۵۰ |
| (۲) مفعول بہ | ۱۵۴ |
| حذف فعل کا بیان | ۱۵۵ |
| پہلا موقع سماعی | ۱۵۶ |
| دوسرا موقع منادیٰ | ۱۵۷ |
| منادیٰ کے اعراب کا بیان | ۱۵۸ |
| منادیٰ کے توابع کا بیان | ۱۶۲ |
| ترخیم منادیٰ کا بیان | ۱۷۱ |
| مندوب کا بیان | ۱۷۶ |
| منادیٰ کے بعض اور احکام | ۱۸۰ |
| مفعول بہ کے عامل کے حذف کا تیسرا موقع | ۱۸۲ |
| ما اضمر عاملہ کے اعراب کی صورتیں | ۱۸۶ |
| چوتھا موقع تحذیر | ۱۹۶ |
| (۳) مفعول فیہ | ۱۹۸ |
| (۴) مفعول لہ | ۲۰۲ |
| (۵) مفعول معہ | ۲۰۵ |
| (۶) حال | ۲۰۸ |
| (۷) تمیز | ۲۲۲ |
| (۸) مستثنیٰ | ۲۳۶ |
| (۹) افعالِ ناقصہ کی خبر | ۲۵۰ |
| (۱۰) حروفِ مشبہ بالفعل کا اسم | ۲۵۴ |
| (۱۱) لائے نفی جنس کا اسم | // |
| (۱۲) ماولا مشابہ بلیس کی خبر | ۲۶۶ |
| **مجرورات کا بیان** | ۲۶۸ |

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# تقریظ

## حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری

### سابق نائب مہتمم دار العلوم دیوبند

حامداً ومسلماً!

مسائل نحو کے جامع متون میں علامہ ابن حاجبؒ کے ترتیب دادہ متن ''کافیہ'' کو امتیازی مقام حاصل ہے۔ اور ہر زمانہ کے علماء واساتذہ اس کے درس وتدریس کا اور اس کی شرح لکھنے کا، اہتمام کرتے آئے ہیں جس کی وجہ سے اس کا افادہ عام ہے۔ آج کل بھی بہت سے مدارس میں یہ کتاب داخل نصاب ہے۔

کتاب کی جامعیت کے باوجود، استعداد کی کمزوری کی بناء پر طلبہ عزیز کو اس کا حل کرنا عموماً دشوار معلوم ہوتا ہے۔ اسلئے عزیز گرامی جناب مولانا مفتی ابوجندل صاحب صدر مدرس مدرسہ بحر العلوم کشن پور نے اردو میں اس کی شرح لکھی ہے۔ موصوف تقریباً آٹھ سال سے کافیہ کا درس دے رہے ہیں جس کے دوران طلبہ کو پیش آنے والی دقتیں واُلجھنیں بھی یقیناً موصوف کے سامنے آگئی ہیں۔ انہی کو حل کرنے کے مقصد سے یہ شرح مرتب کی گئی ہے۔

امید ہے کہ یہ شرح طلبہ عزیز کو ''کافیہ'' کے مکمل سمجھنے میں بھرپور مدد کرے گی۔ دلی دعا ہے کہ خداوند کریم آں عزیز کی اس عملی خدمت کو قبولیت سے نوازے۔ آمین

محمد عثمان منصور پوری
خادم تدریس دار العلوم دیوبند
۲۸؍صفر ۱۴۲۵ھ

# اظہار مسرت اور دعا

## حضرت مولانا محمد ایوب صاحب مظفر نگری

### استاذ دار العلوم دیوبند

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم اما بعد!

علوم آلیہ میں علم نحو کی اہمیت سے ہر شخص واقف ہے، کیوں کہ علوم عالیہ کے افہام وتفہیم میں علم نحو کو کلیدی حیثیت حاصل ہے۔ اسی وجہ سے ہر زمانہ میں اس علم کی جانب خصوصی توجہ دی جاتی رہی ہے۔ چنانچہ ہر عہد میں چھوٹی بڑی مختلف کتابیں اس علم میں لکھی گئی، لیکن ساتویں صدی کے مشہور عالم علامہ ابن حاجب رحمۃ اللہ علیہ کی کافیہ کو جو مقبولیت حاصل ہوئی وہ کسی اور کتاب کے حصہ میں نہیں آئی۔ زمانۂ تصنیف سے لیکر آج تک یہ کتاب اپنے مخصوص انداز اور جامعیت کی وجہ سے علماء وطلبہ کی توجہات کا مرکز رہی ہے۔ نیز مدارس عربیہ میں درس نظامی کا ایک اہم جزء ہے۔ کافیہ کی عبارت چونکہ مختصر ہے اس لئے علمائے کرام نے عربی اور اردو میں اس کی شروحات تحریر کی ہیں۔

مجھے یہ سنکر بہت زیادہ مسرت ہوئی کہ عزیز محترم مفتی ابو جندل قاسمی نے بھی اردو زبان میں کافیہ کے مطالب کو مختصر اور سہل انداز میں بیان کیا ہے۔ بندہ نے اس کتاب مسمّی ''وافیہ شرح اردو کافیہ'' کا اکثر حصہ دیکھا ہے۔ واقعی عزیز موصوف نے اس کتاب کی ترتیب میں محنت اور جانفشانی سے کام لیا ہے۔ اور کافیہ کی عبارت کی شرح ووضاحت کرنے میں کامیاب کوشش کی ہے میری دلی دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ موصوف کی سعی کو قبول فرمائے۔ اور مزید دینی خدمات کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین

محمد ایوب غفرلہٗ

استاذ دار العلوم دیوبند

۲۰/۱۲/۱۴۲۴ھ

# تأثرات

## حضرت مولانا حسین احمد صاحب ہری دواری استاذ دار العلوم دیوبند

حامداً ومصلیاً ومسلماً وبعد! فنون آلیہ میں علم نحو کو خصوصی اہمیت اور اساسی حیثیت حاصل ہے۔ محققین نے اس فن لطیف کو اپنی بحث ونظر کے گل بوٹوں سے ایسا سدابہار گلشن بنادیا ہے کہ جس کی عطر بیز خوشبو سے پورا عربی ادب مہک رہا ہے، اور نونہالانِ امت اس چمنستان نحوی سے رنگ برنگ کے پھول چُن رہے ہیں، اسی گلہائے رنگارنگ کی گُل کاریوں نے اس علم کو علماء وطلبہ کے لئے ہر دل عزیز بنادیا ہے۔ مدارس عربیہ میں نحو کی کتب میں سے کافیہ کو بے پناہ مقبولیت حاصل ہے اور یہ کتاب درس نظامی کا جزءِ اہم ہے۔ کافیہ کی عبارت مختصر مگر چونکہ اپنے اندر کثیر معانی کا خزانہ سموئے ہوئے ہے اس لئے یہ ضروری تھا کہ ان عبارتوں کے اختصار وانغلاق کو سہل انداز میں واضح کردیا جائے۔ چنانچہ زیر نظر کتاب اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے، جس کو عزیز محترم جناب مولانا مفتی ابوجندل صاحب نے مرتب کیا ہے، جو ماشاء اللہ روشن دماغ، کشادہ ذہن، ذی استعداد اور کامیاب مدرس ہیں، اور ایک عرصہ سے عربی کتب کی تدریس میں مشغول ہیں۔ احقر نے اس شرح کے مسودہ کو مختلف مقامات سے دیکھا ہے، الحمد للہ نہایت آسان، مختصر اور نوع بنوع فوائد سے آراستہ ہے۔ فاضل شارح نے عبارت کی شرح ووضاحت کرنے میں بھرپور اور کامیاب کوشش کی ہے۔ فاللہ الحمد والمنۃ۔

اور جہاں ترکیب نحوی کو ضروری سمجھا اس کو سپرد قرطاس کردیا۔ لہٰذا بالاستیعاب ترکیب لکھنے اور طلبہ کو اس کے رٹنے کی بھی ضرورت نہیں، اور محض رٹ لینے سے یہ دقیق فن آتا بھی نہیں۔ ترکیب سیکھنے اور ترکیبی نکات اور ضابطوں کو سمجھنے کے لئے آپ حضرات احقر کی تصنیف کردہ ''مشکل ترکیبوں کا حل مع قواعد ونکات'' اور ''آپ ترکیب نحوی کیسے کریں'' کا مطالعہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ مفتی صاحب کی اس شرح کو مفید عام اور مؤلف موصوف کے لئے ذریعہ آخرت بنائے۔ اور قبولیت عامہ سے نوازے۔ آمین

حسین احمد ہری دواری مدرس دار العلوم دیوبند

۲۰/۱۲/۱۴۲۲ھ

# رائے گرامی

## حضرت مولانا سید اشہد رشیدی صاحب

مہتمم جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد (یوپی)

الحمدللہ و کفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ امّا بعد :

علوم عربیہ کے درس وتدریس میں مشغول حضرات کے لئے نحو وصرف کے اصول وقواعد ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ علم کی پختگی، حقیقی مفہوم تک رسائی، عبارت کی صحیح فہم، معانی کی گہرائی اور قرآن وحدیث نیز دیگر کتب عربیہ کی تہہ میں غواصی کر کے علم وآگہی کے ہیرے جواہرات اور گوہر نایاب کا حصول انہی ابتدائی علوم کی مہارت سے ممکن ہے۔

چوں کہ اہل علم ودانش اس حقیقت سے پوری طرح واقفیت رکھتے ہیں اس لئے ہر دور میں مختلف انداز سے علاقائی اور قومی زبانوں میں نحو وصرف کی تسہیل وتشریح، وضاحت اور بیان کے حوالہ سے قابل قدر اور لائق ستائش جدوجہد کی جاتی رہی ہیں۔ زیر نظر شرح بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے جس میں فاضل مؤلف نے علامہ ابن حاجبؒ کی شہرۂ آفاق کتاب ”کافیہ“ کے مالہٗ وماعلیہ کو جامع، سلیس اور سہل انداز میں بیان کرنے کی سعی مشکور کی ہے۔

میں نے ازخود بھی مختلف مقامات سے کتاب کا سرسری جائزہ لیا، اور جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی کے استاذِ نحو جناب مولانا عمران اللہ صاحب قاسمی کو بھی مطالعہ کے لئے دیا۔ موصوف کی نشاندہی پر کچھ حذف واضافہ بھی کیا گیا ہے۔

امید ہے کہ یہ شرح فن نحو کے متعلمین ومعلمین دونوں کے لئے یکساں طور پر مفید اور نفع بخش ثابت ہوگی۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مؤلف کی اس علمی کاوش کو بے حد قبول فرمائے، اور اس کا نفع عام وتام فرمائے۔ آمین

سید اشہد رشیدی

۲۶/۱/۱۴۲۵ھ

# ارشاد عالی

## حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری

### استاذ فقہ وحدیث جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم امابعد!

درس نظامی میں فن نحو کی مشہور کتاب ''کافیہ'' اپنے موضوع پر اختصار اور جامعیت کے اعتبار سے ممتاز مقام رکھتی ہے، اس کے مصنف علامہ ابن حاجب رحمۃ اللہ علیہ نے نحو کے بے شمار مسائل اس میں نہایت عمدہ انداز سے جمع فرمادئے ہیں۔ اس کا متن اگر سمجھ کر یاد کرلیا جائے تو طالب علم فن نحو سے اچھی مناسبت پیدا کرسکتا ہے، اسی لئے یہ کتاب درس نظامی کا اہم جز قرار دی گئی ہے۔

تاہم اس کتاب کے ایجاز واختصار کی وجہ سے طلبہ کو متعلقہ مسائل سمجھنے میں دشواری پیش آتی ہے جس کا دور کرنا ہر استاذ کا فریضہ ہے۔ کامیاب استاذ وہی ہے جو ایجاز واطناب سے بچتے ہوئے کتاب کی عبارت کو ملحوظ رکھ کر اس کے مسائل طلبہ کے ذہن نشین کرادے۔

محب گرامی جناب مولانا ابوجندل صاحب قاسمی (حال استاذ مدرسہ بحرالعلوم کشن پور) نے دارالعلوم ٹانڈہ بادلی ضلع رامپور کے زمانۂ قیام میں متعدد بار کافیہ پڑھانے کی سعادت حاصل کی، اور دوران درس اس بات کا خیال رکھا کہ درسی تقریر صرف حل کتاب اور متعلقہ ضروری مسائل کو شامل ہو۔ اور ایسی بحثوں سے گریز کیا جائے جو اس درجہ کے طلبہ کی فہم سے بالاتر ہوں۔ موصوف نے نہ صرف یہ کہ درس میں یہ بات ملحوظ رکھی بلکہ اس درس کو تحریری شکل میں خود ہی مرتب بھی کرلیا۔ اور اب وہ اسے طبع کراکے اس کا نفع عام کرنے کا ارادہ کررہے ہیں جو ایک مبارک قدم ہے۔

احقر نے اس کا جستہ جستہ مقامات سے مطالعہ کیا، ماشاء اللہ یہ کتاب کافیہ کی تفہیم کی ایک کامیاب کوشش قرار دی جاسکتی ہے، ترجمہ اور تشریحی نوٹ بہت قیمتی اور قابل قدر ہیں، اس سے شائقین نحو، طلبہ واساتذہ کرام انشاء اللہ ضرور فائدہ اٹھائیں گے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مؤلف کی دیگر مفید کتابوں کی طرح اس کتاب کو بھی شرف قبول سے نوازے اور اس کا نفع عام فرمائے۔ آمین

فقط واللہ الموفق

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہٗ ۲/۲/۱۴۲۵ھ

باسمہ تعالیٰ

# حرفِ آغاز

نحمدهٗ ونصلّی علیٰ رسوله الکریم ،امابعد !

عربی کا مشہور مقولہ ہے ''النحو فی الکلام کالملح فی الطعام'' (یعنی علم نحو کی حیثیت عربی کلام میں ایسی ہے جیسی کھانے میں نمک کی حیثیت ہے) یہ مقولہ مبنی بر حقیقت ہے، اگر علم نحو سے کما حقہ واقفیت نہ ہو تو آدمی زبان و بیان کی غلطیوں سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔

چناں چہ اسی کتاب کے مقدمہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ مذکور ہے کہ آپ نے ایک شخص کو ''اِنَّ اللّٰهَ بَرِیْءٌ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ وَرَسُوْلُهٗ'' میں لام پر رفع کے بجائے جر پڑھتے ہوئے سنا، تو آپ نے اسی وجہ سے قواعد نحو جمع کرنے کی طرف ''ابوالاسود دؤلی تابعی'' کو توجہ دلائی، انہوں نے نحو کے کچھ قواعد جمع کئے۔ پھر اس کے بعد ان کے شاگردوں نے بتدریج اس علم کو ترقی دی، کچھ عرصہ کے بعد ابوعمرو بصری اور خلیل بن احمد نے باضابطہ اس علم کو مدون و مرتب کیا۔ بعد ازاں خلیل بن احمد کے تلمیذ رشید سیبویہ'' (متوفی ۱۸۰ھ بعمر ۳۲ رسال) نے علم نحو میں ایک جامع کتاب ''الکتاب'' کے نام سے لکھی، جو علم نحو کی امہات الکتب میں شمار کی جاتی ہے اور بعد کے تمام نحویوں کا ماخذ ہے۔ بعد ازاں متعدد کتابیں مختلف ادوار میں اس علم میں لکھی گئیں، تا آنکہ علامہ ابن حاجب'' (متوفی ۶۴۶ھ) نے علم نحو کی جامع ترین کتاب ''کافیہ'' لکھی، اس کتاب نے اپنی جامعیت اور مسائل نحو پر حاوی ہونے کے باعث علمی حلقوں میں بے پناہ مقبولیت و شہرت حاصل کی۔ اس کی مقبولیت کی اس سے بڑھ کر کیا دلیل ہو سکتی ہے کہ تقریباً آٹھ سو سال سے علماءِ فحول اس کتاب کو اپنی توجہ کا مرکز بنائے ہوئے ہیں۔ اور مدارس عربیہ کے نصاب کا ایک اہم جزو ہے۔ مختلف شکلوں میں اس کتاب کی خدمت کا بے مثال سلسلہ پایا جاتا ہے۔ سو سے زائد اس کے حواشی و شروح لکھے گئے ہیں، جن میں خود مصنف کافیہ کی بھی ایک شرح ہے۔

ہمارے ہندوستانی مدارس کی زبان چونکہ اردو ہے اس لئے علماء کرام نے کافیہ کی اردو زبان میں خدمت کی ضرورت محسوس کر کے اس کی طرف بھی توجہ کی۔ چنانچہ اس وقت اردو میں بھی اس کی کئی شروح دستیاب ہیں۔

آج سے سات سال قبل دار العلوم ٹانڈہ میں تدریس کے دوران کافیہ کا درس جب بندہ سے متعلق کیا گیا، تو مسلسل کئی سال کی تدریس کے بعد مجھ کو اس بات کا احساس ہوا کہ اس کی اردو میں ایسی شرح ہونی چاہئے جس میں اختصار کے ساتھ ساتھ مطلب پوری طرح واضح ہو، چنانچہ اللہ کا نام لے کر مندرجہ ذیل خصوصیات کا لحاظ کرتے ہوئے کام شروع کر دیا گیا۔

(۱) پہلے عبارت کا ترجمہ کیا گیا۔

(۲) پھر تشریح کا عنوان دیکر مطلب لکھا گیا۔

(۳) غیر ضروری تفصیلات سے کنارہ کشی کی گئی۔

(۴) حتی الامکان لفظ اعتراض وجواب کو ترک کر کے فائدہ کے انداز میں بات کو بیان کیا گیا۔

(۵) تشریح کے تحت بعض چیزوں کو مستقلا عنوان لگا کر بیان کیا گیا۔

اس شرح کی ترتیب کے لئے سب سے زیادہ حضرت العلام عارف باللہ قاری صدیق احمد صاحب باندوی نور اللہ مرقدہٗ کی کتاب ''التسہیل السامی'' شرح شرح جامی سے استفادہ کیا گیا۔ مجھے قوی امید ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ علماء وطلباء اس شرح کو پسند فرمائیں گے۔

بندہ اس موقع پر حضرت مولانا سید اشہد رشیدی صاحب دامت فیوضہم مہتمم جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہے کہ آپ نے اپنی رائے گرامی تحریر کرنے سے قبل نظر ثانی کے لئے اس کا مسودہ مدرسہ شاہی کے لائق وفائق استاذ رفیق گرامی مولانا عمران اللہ صاحب قاسمی کو دیا، آپ نے چند غلطیوں کی نشاندہی کی جن کی اصلاح کی گئی۔ فجزاھم اللہ احسن الجزاء.

میں بہت زیادہ ممنون ہوں اپنے تین عزیز طلباء (محمد اقبال ارریاوی، مرغوب عالم

پورنوی اور عبدالخالق امروہوی) کا کہ انہوں نے اس شرح کی تیاری میں بھرپور اور مخلصانہ تعاون کیا، اللہ تعالیٰ ان کے علم وعمل میں برکت عطا فرمائے۔ آمین

آخر میں قارئین ومستفیدین سے مؤدبانہ گذارش ہے کہ کوئی صاحب اس کتاب میں کسی طرح کی کوئی فروگذاشت اور کوتاہی دیکھیں تو احقر کو مطلع فرما کر احسان عظیم فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ اس شرح کو نافع بنائے، طلبہ کو اس سے فیضیاب فرمائے اور بندہ کی شرور وفتن سے حفاظت فرما کر اخلاص کے ساتھ بحسن وخوبی دین متین کی خدمت کے لئے قبول فرمائے۔ آمین یارب العالمین

نوٹ: کتاب (کافیہ) کا مقصود اصلی "نحو" ہے، اس لئے دوسری بحثوں کے مقابلہ میں اسی پر زیادہ توجہ ہونی چاہئے ورنہ کتاب کا مقصد فوت ہو جائے گا۔

ابوجندل قاسمی

دوشنبہ ۱۷/ذی الحجہ ۱۴۲۴ھ

# مقدمہ

کسی بھی کتاب کو شروع کرنے سے پہلے چند چیزوں کا جاننا ضروری ہے، جن کو ''مبادیٰ''یا''مبادیات'' سے تعبیر کرتے ہیں۔

(۱) جس علم میں وہ کتاب ہے اس علم کی لغوی واصطلاحی تعریف (۲) اس علم کا موضوع (۳) غرض وغایت (۴) اس علم کا مرتبہ (۵) تدوین (۶) مصنف کتاب کے مختصر حالات زندگی۔

تعریف① کا جاننا تو اس لئے ضروری ہے تاکہ مجہول مطلق کی طلب لازم نہ آئے۔ موضوع کا جاننا اس لئے ضروری ہے تاکہ ایک فن کے مسائل کو دوسرے فن کے مسائل سے ممتاز کیا جاسکے۔غرض وغایت کا جاننا اس لئے ضروری ہے تاکہ بے کار چیز کا حاصل کرنا لازم نہ آئے۔مرتبہ کا جاننا اس لئے ضروری ہے تاکہ اس علم کی حیثیت کے مطابق اس کے حصول میں محنت کی جائے۔تدوین سے واقفیت اس لئے ضروری ہے تاکہ فن کی تاریخی حیثیت ذہن نشین ہوجائے۔اور مصنف کتاب کے حالات کا جاننا اس لئے ضروری ہے تاکہ مصنف کے مقام اور مرتبہ کے ذریعہ اس کی تصنیف کے علمی مقام ومرتبہ کا اندازہ لگ جاسکے، کیونکہ جس درجہ کا متکلم ہوتا ہے اس کا کلام بھی اسی درجہ کا ہوتا ہے۔مشہور ہے ''كَلَامُ الْمُلُوْكِ مُلُوْكُ الْكَلَامِ'' لہٰذا کہنے والے کی عظمت سے ان کے کلام کی عظمت کا اندازہ ہوتا ہے۔

## لغوی تعریف:

لفظ نحو لغت میں تقریباً سات معانی کے لئے آتا ہے۔

(۱) **قصد وارادہ**: جیسے، نَحَوْتُ هٰذَا نَحْوًا، اَیْ قَصَدْتُ قَصْدًا.

① تعریف کی تعریف: تعریف کہا جاتا ہے''مایبین به حقیقة الشیٔ''کو، یعنی تعریف وہ شئی ہے جس کے ذریعہ کسی چیز کی حقیقت بیان کی جائے۔

(۲) **جہت:** جیسے، ھُنَّ نَحْوَ الْبَیْتِ عَامِدَاتٌ اَیْ جَانِبَ الْبَیْتِ.

(۳) **مثل و مانند:** جیسے، ھٰذَا نَحْوُہٗ اَیْ مِثْلُہٗ .

(۴) **نوع:** جیسے، ھٰذَا عَلٰی اَرْبَعَۃِ اَنْحَاءٍ اَیْ اَنْوَاعٍ .

(۵) **راستہ :** جیسے، ھٰذَا النَّحْوُ السَّوِیُّ اَیِ الطَّرِیْقُ الْمُسْتَوِیُّ.

(۶) **فصاحت:** جیسے، مَا اَحْسَنَ نَحْوَکَ فِی الْکَلَامِ اَیْ فَصَاحَتَکَ فِی الْکَلَامِ.

(۷) **پھرانا:** جیسے، نَحَوْتُ بَصَرِیْ اِلَیْہِ اَیْ صَرَفْتُ بَصَرِیْ اِلَیْہِ .

## اصطلاحی تعریف:

علم نحو وہ علم ہے کہ جس میں کلمات موضوعہ کے آخری حرفوں کے احوال، یعنی اعراب وبنا اور ترکیب وافراد وغیرہ سے بحث کی جائے۔

## علم نحو کا موضوع:

علم نحو کا موضوع کلمہ اور کلام ہے۔ کیونکہ علم نحو میں ان ہی کے احوال سے بحث ہوتی ہے مگر مطلق نہیں، بلکہ "من حیث الاعرب والبناء" کی قید کے ساتھ مقید ہے۔①

**اشکال:** علم نحو کے موضوع پر ایک اشکال ہوتا ہے کہ "تعدد موضوع" تعدد علم پر دلالت کرتا ہے۔ یعنی اگر موضوع کئی ہوں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ کتاب میں علم بھی کئی بیان کئے جائیں گے۔ حالانکہ اس کتاب میں صرف علم نحو کو بیان کیا گیا ہے۔

**جواب:** اس کا جواب یہ ہے کہ تعدد موضوع تعدد علم پر اس وقت دلالت کرتا ہے جب کہ وہ موضوع الگ الگ حیثیت کے ہوں۔ اور کلمہ وکلام کی حیثیت الگ الگ نہیں،

① موضوع کی تعریف مرقات میں ہے۔ "موضوع کل علم مایبحث فیہ عن عوارضہ الذاتیۃ لہ کالکلمۃ والکلام للنحو وکبدن الانسان للطب".

یعنی ہر علم کا موضوع وہ چیز ہے جس کے عوارض ذاتیہ سے اس علم میں بحث کی جائے۔ جیسا کہ کلمہ اور کلام علم نحو کا موضوع ہے۔ اور انسان کا بدن علم طب کا موضوع ہے۔

بلکہ دونوں کی ایک ہی حیثیت ہے۔ معلوم ہوا کہ موضوع کا یہ تعدد حقیقۃً نہیں بلکہ حکماً ہے۔ لہٰذا اب اشکال ختم ہو گیا۔

**علم نحو کی غرض و غایت**①: گفتگو کے وقت معانی وضعیہ پر تراکیب کلام کو تطبیق دینے اور کلمات کو باہم ملا کر تلفظ کرنے میں غلطی واقع ہونے سے بچنا ہے۔

## علم نحو کی فضیلت:

علماء کرام نے لکھا ہے کہ علم نحو کا حاصل کرنا فرض کفایہ ہے۔ کیوں کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سمجھنے اور ان سے استدلال کرنے میں اس علم کی ضرورت پیش آتی ہے۔

حضرت عمرؓ سے منقول ہے کہ "تَعَلَّمُوْا النَّحْوَ كَمَا تَعَلَّمُوْنَ السُّنَنَ وَالْفَرَائِضَ" کہ علم نحو کو تم اس طرح سیکھو جیسے تم فرائض و سنن سیکھتے ہو۔

ایوب سختیانیؒ فرماتے ہیں: "تَعَلَّمُوْا النَّحْوَ فَإِنَّهُ جَمَالٌ لِلْوَضِيْعِ وَتَرْكُهُ هُجْنَةٌ لِلشَّرِيْفِ" کہ تم علم نحو کو سیکھو کیوں کہ یہ رذیل آدمی کے لئے بھی باعثِ جمال ہے، اور شریف آدمی کا اس سے کورا رہنا باعثِ عیب ہے۔

## علم نحو کی تدوین اور وجہ تسمیہ:

جب دین اسلام کو تمام ادیان پر غلبہ حاصل ہوا اور مختلف زبانیں بولنے والے لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہوئے تو عرب وعجم کے اختلاط کی وجہ سے عربی زبان میں فساد آنے لگا اور لوگ غلط سلط بولنے لگے تو سلیم الفطرت لوگوں کو اس کے انسداد کی فکر ہوئی۔

چنانچہ بیان کیا جاتا ہے کہ "ابو الاسود دؤلیؒ" (جو کبار تابعین میں سے ہیں اور حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کے استاذ ہیں) فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کو متفکر پایا، ابو الاسود نے تفکر کا سبب پوچھا،

① غرض وغایت کی تعریف: غرض کہتے ہیں "مایصدر الفعل عن الفاعل لأجله" کو۔ یعنی غرض وہ ارادہ ہے جس کی وجہ سے فاعل سے فعل صادر ہوتا ہے۔ اور "غایت" وہ نتیجہ ہے جو اس پر مرتب ہوتا ہے۔

حضرت علیؓ نے کہا کہ میں نے تمہارے اس شہر میں غلطیاں سنی ہیں اس لئے میں نے عربیت میں ایک کتاب لکھنے کا ارادہ کیا ہے۔

پھر میں تین دن کے بعد آپ کی خدمت میں آیا، تو آپ نے مجھے ایک صحیفہ پیش کیا جس میں "بسم اللّٰہ الخ" کے بعد یہ مضمون تھا۔

"الکلامُ کلہُ إسمٌ وفعلٌ وحرفٌ فالإسم ماانباعن المسمیٰ والفعلُ ما انباعن الفاعل والحرفُ ما انباعن معنیٰ لیس باسمٍ ولا فعلٍ".

حضرت علیؓ نے کہا کہ یہ تو میری معلومات کے مطابق ہیں تم اس میں اور اضافہ کر لینا، اور ابوالاسود سنو! تین چیزیں اور ہیں۔ "ظاھرٌ" "مضمرٌ" "وشئ لیس بظاھرٍ ولا مضمرٍ" ابوالاسود کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علیؓ کی ہدایت کے مطابق کچھ قواعد جمع کئے اور حضرت علیؓ کے سامنے پیش کئے، ان میں حروف ناصبہ کا ذکر بھی تھا، لیکن میں نے "لکنّ" کا ذکر نہیں کیا تھا۔ تو آپ نے فرمایا کہ "لکنّ" کو بھی اس کے ساتھ شامل کرلو! یہاں تک کہ اس طرح جمع کرتے کرتے جب وہ اچھا خاصا مجموعہ تیار ہوگیا تو آپ نے دیکھ کر فرمایا: "مااحسن ھذا النحو الذی قدنحوت" یہ طریقہ جو تم نے اختیار کیا ہے کتنا عمدہ ہے۔ "فلذلک سمي النحو" چنانچہ اسی وجہ سے اس علم کا نام "نحو" ہوگیا۔

روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ عہد فاروقی میں ایک اعرابی نے لوگوں سے کہا کہ کوئی ہے جو مجھے قرآن کریم پڑھائے۔ تو ایک شخص نے اس کو سورہ براءت کی چند آیات پڑھائیں اور آیت "إِنَّ اللّٰهَ بَرِيءٌ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ وَرَسُوْلُهٗ" میں "وَرَسُوْلُهٗ" کو زیر کے ساتھ پڑھایا۔ اعرابی نے کہا کہ کیا اللہ تعالیٰ اپنے رسولؐ سے بری ہے؟ اگر ایسا ہے تو میں بھی اس سے بری ہوں۔ اور اس کے بعد آپ نے ابوالاسود دؤلی کو بلا کر وضع نحو کی طرف توجہ دلائی۔

علم نحو کی فضیلت کے ذیل میں جو حضرت عمرؓ کا قول منقول ہوا اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں تدوین ہو چکی تھی۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ علم نحو کا

مدون اول عبدالرحمٰن بن ہرمزالاعرج ہے، اور بعض نے نصر بن عاصم کو واضع اول مانا ہے۔ مگر صحیح اس کو کہا جاتا ہے کہ موجد اول حضرت علیؓ ہیں۔ واللہ اعلم۔

## مصنف کے مختصر حالات:

**نام ونسب:** نام عثمان، کنیت ابوعمرو، لقب جمال الدین، والدین کا نام عمر ہے۔ علامہ ذہبیؒ نے لکھا ہے کہ آپ کے والد امیر عزالدین موسک صلاحی کے یہاں دربان تھے، اور دربان کو عربی میں ''حاجب'' کہتے ہیں اس لئے آپ ابن حاجب سے مشہور ہیں۔

**پیدائش:** آپ ملک مصر میں ''اسنا'' نام کی ایک چھوٹی سی بستی میں ۵۷۰ھ کے آخر میں پیدا ہوئے۔

**تعلیم وتربیت:** آپ نے ''قاہرہ'' میں تعلیم حاصل کی، صغرسنی ہی میں قرآن پاک حفظ کرلیا تھا۔ علامہ شاطبیؒ جیسے ماہرفن سے قرأت حاصل کی۔ علامہ ابن الجوزیؒ سے قرأت سبعہ پڑھی۔ اور اپنے زمانہ کے متبحر علماء سے مختلف علوم وفنون میں مہارتِ تامہ حاصل کی۔

**درس وتدریس:** جامع دمشق میں ایک زمانہ تک درس وتدریس کے بعد آپ مصر تشریف لائے اور مدرسہ فاضلیہ میں صدر مقرر ہوئے۔ اخیر میں آپ اسکندریہ منتقل ہوگئے۔

**وفات:** اسکندریہ ہی میں ۶؍شوال ۶۴۶ھ کو پنجشنبہ کے دن تقریباً ۷۵؍سال کی عمر میں دن چڑھے وفات پائی۔ اور ''باب البحر'' سے باہر شیخ صالح بن ابی اسامہ کی قبر کے پاس مدفون ہیں۔ رحمه الله تعالىٰ رحمةً واسعةً .

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الکلمة لفظ وضع لمعنیً مفرد.

**اشکال**: یہاں پر اشکال ہوتا ہے کہ حدیث شریف میں آیا ہے ''کُلُّ اَمْرٍ ذِیْ بَالٍ لَمْ یُبْدَأْ بِحَمْدِ اللّٰہِ فَھُوَ اَقْطَعُ''① ہر وہ عظیم الشان کام جس کو اللہ تعالیٰ کی حمد سے شروع نہ کیا جائے وہ ناقص رہتا ہے۔ حالانکہ علامہ ابن حاجب ؒ نے کافیہ میں یہ طریقہ اختیار نہیں کیا۔

**جواب**: جواب یہ ہے کہ حدیث پاک کے اندر ابتداء کو کسی قید کے ساتھ مقید نہیں کیا گیا بلکہ مطلق رکھا گیا ہے۔ جس کے دو فرد ہیں: (۱) ابتداء باللسان (۲) ابتداء بالکتابۃ اور مطلق کے کسی فرد پر بھی عمل کرلیا جائے تو کافی ہے۔ مصنف ؒ نے یہاں ''الحمد للہ'' زبان سے ادا کرلیا ہوگا تاکہ حدیث پر عمل ہوجائے۔ حمد کی ادائیگی کے لئے کتابت ضروری نہیں، کہ اس کے نہ ہونے کی صورت میں حدیث کی مخالفت لازم آئے۔②

دوسرا جواب یہ ہے کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم حمد پر بھی مشتمل ہے، لہٰذا مصنف ؒ نے بسم الخ:

① مشکوٰۃ فی ابن ماجہ: ۱۳۶۔

② **فائدہ مہمہ**: اس سلسلہ میں سب سے بہتر جواب وہ ہے جس کو حضرت علامہ انور شاہ کشمیری ؒ نے فرمایا ہے کہ ابتداء والی حدیث چار طریقہ پر مروی ہے۔ (۱) ''بسم اللہ'' کے لفظ کے ساتھ (۲) ''الحمد للہ'' کے لفظ سے (۳) ''شہادۃ'' کے لفظ سے (۴) ''ذکر اللہ'' کے لفظ سے۔ اور غالب یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لفظ استعمال فرمایا اور وہ ''ذکر اللہ'' کا عام لفظ تھا۔ جس میں ''حمد'' اور شہادت وغیرہ بھی داخل ہوجاتی ہیں۔ کیوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد ''ذکر اللہ'' سے ابتداء تھا۔ اب بعض راویوں نے اس کو ''حمد'' سے تعبیر کردیا اور بعض نے دوسرے الفاظ سے تعبیر کردیا۔ اب حاصل یہ ہوا کہ ہر مہتم بالشان کام کی ابتداء ''ذکر اللہ'' سے ہونی چاہئے۔ خواہ وہ ذکر ''بسم اللہ'' سے حاصل ہو، یا ''الحمد للہ'' سے۔ وغیرہ وغیرہ۔ اس جواب پر ان تکلفات باردہ کی حاجت نہیں رہتی جو اوپر بیان کئے گئے۔ مندرجہ بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ مصنف ؒ نے ''بسم اللہ'' سے شروع فرما کر سنت پر عمل فرمالیا۔ حدیث وقرآن کی مخالفت نہیں ہوئی واللہ اعلم۔ (ابن ماجہ: ۱۳۶، باب خطبۃ النکاح، درس ترمذی: ج۱، ص ۱۴۷-۱۷۰)

لکھ کر حدیث شریف پر عمل کرلیا۔ حدیث کی مخالفت نہیں کی۔ (حضرت الاستاذ مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری دامت برکاتہم)

**ترجمہ عبارت:** "الکلمۃ الخ" کا ترجمہ لفظ "مفرد" کی تشریح کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔

**فائدہ:** (۱) مصنفؒ نے کلمہ اور کلام کے احوال سے پہلے ان کی تعریف اس لئے بیان کی، کیوں کہ جب تک ذات کی معرفت نہ ہو احوال سے بحث نہیں کی جاسکتی ہے۔ احوال اسی وقت سمجھ میں آئیں گے جب ذات کا علم ہو جائے۔

**فائدہ:** (۲) اور کلمہ کو کلام پر اس لئے مقدم کیا کہ کلمہ کا مفہوم کلام کے مفہوم کا جزو ہے اور کلمہ کے افراد کلام کے افراد کا جزو ہیں۔ اور جزو کل پر طبعاً مقدم ہوا کرتا ہے۔ اس لئے کلمہ کو کلام پر وضعاً بھی مقدم کردیا تاکہ وضع اور طبع میں مناسبت رہے۔

**قولہ الکلمۃ:** "الکلمۃ" کے تین جزو ہیں۔ (۱) الف ولام (۲) مادہ: ک، ل، م، (۳) ۃ۔

**پہلا جزو:** الف لام کی دو قسمیں ہیں: (۱) اسمی (۲) حرفی۔ الف لام اسمی اسم فاعل و اسم مفعول پر داخل ہوتا ہے اور الذی کے معنی میں آتا ہے۔ جیسے: اَلنَّاصِرُ وَالْمَنْصُوْرُ اَیْ اَلَّذِیْ نَصَرَ وَالَّذِیْ نُصِرَ۔

اور الف لام حرفی کی بھی دو قسمیں ہیں: (۱) زائد (۲) غیر زائد۔ زائد وہ الف لام ہے جو اعلام پر داخل ہوتا ہے جیسے: الحسن، الحسین، المدینۃ۔ اور الف لام غیر زائد کی چار قسمیں ہیں۔ (۱) جنسی (۲) استغراق (۳) عہد ذہنی (۴) عہد خارجی۔

**(۱) الف و لام جنسی:** وہ الف لام ہے جس کے مدخول سے جنس یعنی ماہیت مراد ہو۔ افراد کا لحاظ نہ کیا جائے۔ جیسے: الرجل خیر من المرأۃ. یعنی ماہیتِ رجل ماہیتِ مرأۃ سے بہتر ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ عورت کے افراد سے مرد کے تمام افراد بہتر ہیں۔ کیونکہ یہ واقع کے خلاف ہے۔ بہت سی عورتیں مردوں سے بہتر ہوتی ہیں۔

(۲)**الف و لام استغراقی**: وہ الف لام ہے جس کے مدخول سے تمام افراد مراد ہوں جیسے: اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ یعنی انسان کے تمام افراد خسارہ میں ہیں۔ ان لوگوں کے علاوہ جن کو آیت میں مستثنیٰ کیا گیا ہے۔ اگر الف لام کو استغراقی نہ مانا جائے تو استثناء صحیح نہ ہوگا۔

(۳)**الف و لام عهد ذهنی**: اس کو کہتے ہیں جس کے مدخول سے فرد غیر معین مراد ہو۔ جیسے: اِنِّیْ اَخَافُ اَنْ یَأْکُلَهُ الذِّئْبُ. اَلذِّئْبُ میں الف لام عہد ذہنی ہے۔ کوئی خاص بھیڑیا مراد نہیں ہے۔ الف لام کی یہ قسم نکرہ کے حکم میں ہے۔ چنانچہ جملہ اس کی صفت واقع ہوسکتا ہے، اور جملہ نکرہ کے حکم میں ہوتا ہے۔ جیسے: حضرت علیؓ کا شعر:

ولقد امرُّ علی اللَّئِیمِ یسبُّنِیْ ۞ فمضیتُ ثمه قلتُ لا یعنینی

اس مثال میں "اللئیم" نکرہ کے حکم میں ہے۔ اس پر الف لام عہد ذہنی کا ہے۔ اور اس کی صفت "یسبّني" جملہ ہے۔

(۴)**الف و لام عهد خارجی**: اس کو کہتے ہیں جس کے مدخول سے کوئی مخصوص فرد مراد ہو، جیسے: فَعَصٰی فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ. یہاں "الرسول" میں الف ولام عہد خارجی ہے۔ اس سے مخصوص فرد حضرت موسیٰ علیہ السلام مراد ہیں۔

یہاں "الكلمة" میں الف لام یا تو جنس کا ہے یا عہد خارجی ہے، جس سے مخصوص کلمہ مراد ہے یعنی جس کو نحویوں کی اصطلاح میں کلمہ کہا جاتا ہے وہی یہاں مراد ہے۔

**دوسرا جزو مادہ "کلم"**: کلم اور کلام دونوں "کَلْمٌ" بتسکین اللام سے مشتق ہیں جس کے معنی ہیں "اَلْجَرْحُ" (زخمی کرنا) اور مشتق و مشتق منہ میں مناسبت یہ ہے کہ جس طرح زخم کی تاثیر جسم میں ہوتی ہے اسی طرح کلمہ اور کلام کی تاثیر دل میں ہوتی ہے۔ **كما قال الشاعر:**

جراحاتُ السنان لها التیامُ ۞ ولا یلتامُ ماجرح اللسانُ

اردو کے شاعر نے کہا ہے:

تیر اور تلوار کا تو زخم بھرا ۞ لگا جو زخم زبان کا رہا ہمیشہ ہرا

**تیسرا جزو "ۃ"**: "الکلمۃ" میں "ۃ" وحدت کی ہے۔

**اشکال**: یہاں پر کوئی یہ اشکال کرسکتا ہے کہ "تاء" وحدت کی ہے اور "الکلمۃ" میں الف لام جنسی ہے۔ حالانکہ ان دونوں میں منافات ہے۔ کیوں کہ جنس کے تحت بہت سے افراد ہوتے ہیں۔ تو آپ نے ان دونوں کو کیسے جمع کر دیا؟

**جواب**: یہ ہے کہ وحدت کی تین قسمیں ہیں: (۱) جنسی (۲) نوعی (۳) شخصی۔ ان تینوں میں سے وحدت شخصی اور جنس میں منافات ہے، اور وحدت جنسی یا نوعی اور جنس کے درمیان کوئی منافات نہیں، دونوں کا ایک دوسرے پر عمل درست ہے۔ چنانچہ "ذٰلک الجنسُ واحدٌ" اور "ذٰلک الواحد جنسٌ" کہا جاتا ہے۔ پہلی مثال میں واحد کا حمل جنس پر اور دوسری مثال میں جنس کا حمل واحد پر ہو رہا ہے۔ اور حمل میں اتحاد ہوتا ہے۔ معلوم ہوا کہ جنس اور وحدت میں کوئی منافات نہیں۔ واللہ اعلم۔

**قولہ لفظ**: لفظ کے لغوی معنی ہیں پھینکنا۔

**اصطلاحی تعریف**: نحویوں کی اصطلاح میں لفظ مَایَتَلَفَّظُ بِهِ الْاِنْسَانُ" کو کہتے ہیں۔ یعنی لفظ وہ ہے جس کو انسان بول سکتا ہو۔ "لفظ" کی اس تعریف میں محذوف، ضمیر، مستتر، کلمات اللہ، کلمات الملائکہ اور کلمات الجن وغیرہ بھی داخل ہو جائیں گے۔ کیونکہ ان سب کا انسان تلفظ کرسکتا ہے نیز موضوع، مہمل اور مفرد و مرکب وغیرہ بھی شامل ہیں۔ البتہ "دوال اربعہ" (عقود، خطوط، نصب اور اشارات) خارج ہی رہے۔

**تنبیہ**: لفظ کو مذکورہ بالا اصطلاحی تعریف یعنی "مَایَتَلَفَّظُ بِهِ الْاِنْسَانُ" کے معنی میں لینے کی وجہ سے وہ ذات بن گیا اور اب اس کا حمل "الکلمۃ" پر درست ہو گیا۔

**اشکال**: "الکلمۃ لفظ الخ" کی ترکیب پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ "الکلمۃ" مؤنث ہے اور "لفظ" مذکر ہے۔ جبکہ مبتدا اور خبر کے درمیان تذکیر و تانیث کے اعتبار سے مطابقت ضروری ہے۔

**جواب**: یہ ہے کہ مبتدا اور خبر کے درمیان مطابقت کے لئے کچھ شرائط ہیں۔ ان

میں سے ایک یہ ہے کہ خبر مشتق ہو۔ اور یہاں خبر مشتق نہیں۔ لہٰذا مطابقت ضروری نہیں۔

**قولہ وُضِعَ:** "وُضِعَ۔ وَضْعٌ" مصدر سے ماضی مجہول ہے باب "فتح" سے ہے، لغوی معنیٰ ہیں، "رکھنا"۔ اور اصطلاحی معنی یہ ہیں: "اَلْوَضْعُ تخصیصُ شيئٍ بشيئٍ بحیث متی اُطلق اواُحسَّ الشیئُ الاولُ فُهِمَ منه الشیئُ الثانی". یعنی "وضع" اصطلاح میں ایک شیٔ کو دوسری شیٔ کے ساتھ اس طرح خاص کرنا کہ جب پہلی شیٔ کا اطلاق یا احساس کیا جائے تو شیٔ ثانی یعنی معنیٰ سمجھ میں آجائے۔ جیسے: لفظ عبداللہ کی وضع ذات عبداللہ کے لئے۔ کاغذ کی وضع مخصوص چیز کے لئے۔

**وضع کی قسمیں:** وضع کی تعریف میں "اطلق اواحس" ان دولفظوں سے وضع کی دو قسموں کی طرف اشارہ ہے (۱) "اطلق" سے وضع لفظی کی طرف اشارہ ہے۔ جیسا کہ تمام الفاظ کی وضع اپنے معانی کے لئے (۲) اور "احس" سے وضع غیر لفظی کی طرف، جیسا کہ دوال اربعہ کی وضع اپنے مدلولات کے لئے۔[①]

**فائدہ:** کلمہ کی تعریف میں "وضع" کی قید سے مہملات جیسے: "جسق" وغیرہ اور بالطبع دلالت کرنے والے الفاظ جیسے: "اح اح" وغیرہ خارج ہوگئے۔ اس لئے کہ ان میں وضع نہیں پائی جاتی۔

**تنبیہ:** وضع کی تعریف میں "اطلاق" کا مطلب یہ ہے کہ اہل لسان اپنے محاورات میں اور اپنے مقاصد کے بیان کرنے میں جس طرح استعمال کرتے ہوں اسی طرح اس کو استعمال کیا جائے تو شیٔ ثانی سمجھ میں آجائے۔ لہٰذا یہ تعریف اب حرف کو بھی شامل رہے گی۔

① فائدہ: موضوع لہ کے اعتبار سے وضع کی چار قسمیں ہیں: (۱) وضع خاص موضوع لہ بھی خاص۔ جیسے: اعلام شخصیہ (۲) وضع عام موضوع لہ بھی عام۔ جیسے: اسمائے مشتقات، ضارب وناصر وغیرہ۔ (۳) وضع خاص موضوع لہ عام۔ جیسے: انسان کی وضع حیوان ناطق کے لئے۔ کہ اس میں وضع خاص ہے۔ کیونکہ اس کا تعلق امر واحد سے ہے اور موضوع لہ عام ہے کیوں کہ وہ امر کلی ہے۔ (۴) وضع عام موضوع لہ خاص۔ جیسے: اسمائے اشارات وموصولات وغیرہ۔

کیونکہ اہل لسان اس کو اپنے محاورات میں بغیر دوسرے کلمہ کے ملائے نہیں کرتے۔ لہٰذا حرف کا اسی طرح اطلاق معتبر ہوگا۔ واللہ اعلم

**قولہ لمعنی:** المعنی "عنایت" سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں قصد کرنا۔ پھر اس میں تین احتمالات ہیں: (۱) یا تو یہ اسم ظرف مکان ہے (۲) یا مصدر میمی ہے (۳) یا اسم مفعول ہے۔ اور معنیٌّ کا خلاف قیاس مخفف ہے، جس کی اصل "معنوي" تھی تعلیل کے بعد "مَعْنِيٌّ" ہوا۔ پھر خلاف قیاس "معنیً" ہوگیا۔ اور پہلی دوصورتوں میں بھی اسم مفعول کے معنی میں مستعمل ہوگا۔ جیسے: مشربٌ عذبٌ میں مشرب بمعنی مشروب ہے۔

**اصطلاحی تفسیر:** معنی کی اصطلاحی تفسیر "مَایُقْصَدُ بِشَيْئٍ" ہے اور اس میں امکان کی قید ملحوظ ہے۔ پوری تفسیر مع قید یہ ہے۔ "مَایُمْكِنُ اَنْ يُقْصَدَ بِشَيْئٍ" (یعنی وہ چیز جس کا قصد کیا جانا کسی چیز سے ممکن ہو) اس صورت میں معنی کی تعریف میں مضمرات اور اسمائے اشارات بھی داخل رہیں گے۔ کیونکہ ان کی وضع مفہوم کلی کے لئے ہے اور استعمال جزئیات میں ہوتا ہے، لیکن مفہوم کلی میں بھی ان کا استعمال ممکن ہے۔

**فائدہ:** (۱) معنی کی قید سے حروف ہجا، مثلاً "الف، ب، ت" نکل گئے۔ کیونکہ ان حروف کی وضع ترکیب کے لئے ہے نہ کہ معنی کے لئے۔

**فائدہ:** (۲) وضع کی تعریف میں اگرچہ معنی بھی داخل تھے۔ کیونکہ اس کی تعریف میں شئی ثانی سے مراد معنی ہیں۔ لیکن پھر بھی معنی کو صراحۃً ذکر کیا گیا اور وضع کی تعریف میں تجرید اختیار کرلی گئی۔ کیونکہ کلمہ کی تعریف میں وضع، معنی اور مفرد یہ تینوں قیود ہیں جو بمنزلہ فصل ہیں، ان سے غیر کلمہ کو خارج کیا گیا ہے۔ اور قیود کو صراحۃً ذکر کرنا چاہئے، ضمنی ذکر کافی نہیں۔

**فائدہ:** (۳) جب ان حروف (الف، ب وغیرہ) کو ان کے نام سے شمار کیا جائے، مثلاً کہا جائے "الباء والجیم والمیم" وغیرہ، تو ان کو "حروف ہجاء" کہیں گے۔ اور جب وہ کسی کلمہ کا جزء ہوں مثلاً "خالد" میں "خاء" تو ان کو "حروف مبانی" کہیں گے۔ اور جب ان کے کوئی معنی ہوں، مثلاً "مررت بزید" میں "باء" اور "تاللہ" میں "تاء" تو ان کو حروف معانی کہیں گے۔ واللہ اعلم۔

**قولہ مفرد:** اس میں اعراب کے اعتبار سے تینوں احتمال ہیں: (۱) مرفوع (۲) منصوب (۳) مجرور۔ مرفوع ہونے کی صورت میں یہ "لفظ" کی دوسری صفت ہے، اس صورت میں لفظ "مفرد" کا مطلب یہ ہوگا کہ ایسا لفظ ہے جس کا جزو اپنے معنی کے جزو پر دلالت نہ کرے۔ جیسے: "کتاب" کہ یہ مفرد لفظ ہے، اس کے اجزاء میں سے مثلاً "ک" کتاب کے معنی کے کسی جزو مثلاً حروف، یا ورق وغیرہ پر دلالت نہیں کرتا۔ اور پوری عبارت کا ترجمہ یہ ہوگا: "کلمہ ایسا لفظ مفرد ہے جو ایک معنی کے لئے وضع کیا گیا ہو"۔

اور مجرور ہونے کی صورت میں "معنی" کی صفت ہوگا۔ اور معنی مفرد کا مطلب یہ ہوگا کہ معنی مفرد وہ ہے جس کے جزو پر اس کے لفظ کا جزو دلالت نہ کرے۔ اور ترجمہ یہ ہوگا: "کلمہ ایسا لفظ ہے جو وضع کیا گیا ہو معنی مفرد کے لئے"۔①

تیسرا احتمال منصوب② ہونے کا ہے۔ اس صورت میں اس کی ترکیب میں دو احتمال ہیں:
(۱) "معنی" سے حال ہو (۲) "وُضِعَ" کی ضمیر سے حال ہو۔

اگر معنی سے حال ہو، تو ترجمہ ہوگا: "کلمہ ایسا لفظ ہے جو معنی کے لئے وضع کیا گیا ہو حال یہ کہ وہ معنی ایک ہوں"۔ اور "وضع" کی ضمیر سے حال ہونے کی صورت میں ترجمہ یوں ہوگا: "کلمہ ایسا لفظ ہے جو وضع کیا جائے مفرد ہونے کی حالت میں ایک معنی کے لئے"۔

**فائدہ:** (۱) "وضع" کی ضمیر نائب فاعل ہے جو حکماً فاعل ہی ہے اس لئے اس سے

---

① اشکال: یہاں وہم ہوتا ہے کہ اس صورت میں وضع سے پہلے ہی معنی کا مفرد یا مرکب ہونا لازم آتا ہے، حالانکہ افراد یا ترکیب کے ساتھ معنی کا اتصاف وضع کے بعد ہوتا ہے۔

**جواب:** جواب یہ ہے کہ مجاز مایؤل کے اعتبار سے معنی کو مفرد کہہ دیا گیا، کیوں کہ وضع کے بعد اس کو فراد یا ترکیب کے ساتھ متصف ہونا ہی ہے۔ جیسے: من قتل قتیلاً الخ میں۔

② اشکال: یہاں یہ اشکال ہوتا ہے کہ "ۃ" کے علاوہ کسی اور حرف پر آخر میں اگر زبر کی تنوین ہو تو وہاں خر میں الف لکھا جاتا ہے، اور یہاں ایسا نہیں؟

**جواب:** جواب یہ ہے کہ (۱) متاخرین کے نزدیک الف ہونا ضروری نہیں (۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ الف ں وقت لکھا جاتا ہے جب کہ نصب کے علاوہ وہاں اور کوئی احتمال نہ ہو، حالانکہ کہ یہاں دو احتمال اور بھی ہیں۔

لفظ مفرد کا حال بننا صحیح ہے۔ اسی طرح "معنیً" چونکہ لام کے واسطے سے مفعول بہ ہے اس لئے اس سے بھی حال واقع ہونا صحیح ہے۔

**فائدہ:** (۲) "مفردٌ" کی قید کے ذریعہ کلمہ کی تعریف سے مرکبات کلامیہ وغیر کلامیہ سب نکل گئے۔

---

وهي إسم وفعل وحرف . **ترجمہ:** اور وہ اسم ہے اور فعل ہے اور حرف ہے۔

**تشریح:** کلمہ کی تعریف کے بعد اب یہاں سے اس کی قسمیں بیان کررہے ہیں کہ کلمہ کی تین قسمیں ہیں: "اسم، فعل، حرف"۔ "هی" ضمیر کا مرجع "الکلمة" ہے۔ اب یہاں دو سوال ہوتے ہیں۔

**سوال:** (۱) "هی" ضمیر کی خبر "اسم وفعل وحرف" ہے جو مذکر ہے اور مرجع "الکلمة" ہے جو مؤنث ہے۔ اور قاعدہ ہے کہ مبتدا کی ضمیر جب اپنے مرجع اور خبر کے درمیان دائر ہو اور ان دونوں میں سے ایک مذکر ہو اور ایک مونث، تو ضمیر کو تذکیر و تانیث میں خبر کے مطابق لانا اولیٰ ہے۔ تو اس قاعدہ کے تحت ضمیر مذکر لانی چاہئے تھی نہ کہ مؤنث، کیونکہ خبر مذکر ہے۔

**جواب:** یہ ہے کہ "هی" کی خبر "اسم وفعل وحرف" نہیں، بلکہ اس کی خبر "مُنْقَسِمَةٌ اِلٰی ثَلاثَةِ أَقْسَامٍ" محذوف ہے اور وہ مؤنث ہے۔ اور "اسم وفعل وحرف" کا مبتدا "احدها، ثانيها، ثالثها" محذوف ہے۔

**سوال:** (۲) دوسرا اعتراض یہ ہے کہ "اسم وفعل وحرف" تینوں کو واؤ حرف عطف کے ذریعہ جمع کیا گیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کلمہ تینوں کے مجموعے کا نام ہے، تنہا تنہا نہیں۔ حالانکہ یہ صحیح نہیں، بلکہ اسم وفعل اور حرف تینوں الگ الگ کلمہ ہیں۔

**جواب:** یہ ہے کہ تقسیم کی دو قسمیں ہیں: (۱) تَقْسِيْمُ الْكُلِّيِّ اِلَى الْجُزْئِيَّاتِ. (۲) تَقْسِيْمُ الْكُلِّ اِلَى الْاَجْزَاءِ . تَقْسِيْمُ الْكُلِّيِّ اِلَى الْجُزْئِيَّاتِ. (کلی کی تقسیم جزئیات کی طرف) کا مطلب یہ ہے کہ کلی کا حمل الگ الگ ہر ہر جزئی پر بھی ہو جائے اور

مجموعہ پر بھی، جیسے: انسان، کہ زید، عمر، بکر، خالد وغیرہ الگ الگ بھی انسان ہیں اور ساری دنیا کے انسانوں کو بھی انسان کہنا صحیح ہے۔ اور تَقْسِيْمُ الْكُلِّ اِلَى الْاَجْزَاءِ. کا مطلب یہ ہے کہ کل کا حمل ہر ہر جزو پر نہ ہو، بلکہ مجموعہ پر ہو۔ جیسے: چائے۔ کہ پانی، دودھ، شکر اور چائے کی پتی کے مجموعے کو چائے کہیں گے، الگ الگ جزو کو چائے نہیں کہا جائے گا۔

اور تَقْسِيْمُ الْكُلِّيِّ اِلَى الْجُزْئِيَّاتِ میں ربط مقدم ہوتا ہے عطف پر۔ یعنی حکم پہلے ہوتا ہے اور عطف بعد میں ہوتا ہے، اور یہاں تقسیم کی یہی قسم ہے۔ لہٰذا ترجمہ اس طرح کریں گے کہ "کلمہ اسم ہے اور فعل ہے، اور حرف ہے"۔ جبکہ تَقْسِيْمُ الْكُلِّ اِلَى الْاَجْزَاءِ میں عطف مقدم ہوتا ہے ربط پر۔ مثلاً یوں کہیں گے کہ "چائے پانی، دودھ، شکر اور چائے کی پتی ہے"۔ یعنی ان سب کا مجموعہ ہے۔ آسان الفاظ میں یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ پہلی صورت میں "ہے" کو مقدم کریں گے "اور" حرف عطف پر۔ اور دوسری صورت میں "اور" کو مقدم کریں گے "ہے" پر۔ اب کوئی اشکال نہیں رہا۔

**قوله**: أنّها إمّا أن تدل على معنى في نفسها أو لا الثاني الحرف، والأول إما أن يقترن باحد الأزمنة الثلاثة أو لا، الثاني الإسم والأول الفعل.

**ترجمہ**: اس لئے کہ یا تو وہ (کلمہ) دلالت کرے گا ایسے معنی پر جو اس کی ذات میں ہوں، یا دلالت نہیں کرے گا، دوسرا حرف ہے۔ اور پہلا (یعنی جو کلمہ معنی فی نفسہا پر دلالت کرے) یا تو ملا ہوا ہوگا تینوں زمانوں میں سے کسی ایک زمانہ کے ساتھ یا نہیں ملا ہوا ہوگا۔ دوسرا (یعنی جو کلمہ معنی فی نفسہا پر دلالت کرے اور تینوں زمانوں میں سے کسی زمانہ کے ساتھ ملا ہوا نہ ہو) اسم ہے۔ اور پہلا (یعنی جو کلمہ معنی فی نفسہا پر دلالت کرے اور تینوں زمانوں میں سے کسی زمانہ کے ساتھ ملا ہوا ہو) فعل ہے۔

**تشریح**: یہاں سے مصنفؒ کلمہ کی تین قسموں یعنی اسم، فعل اور حرف میں منحصر ہونے کی دلیل بیان فرماتے ہیں کہ کلمہ معنی مستقل پر دلالت کرے گا یا نہیں کرے گا، اگر معنی

مستقل پر دلالت نہیں کرے گا تو یہ حرف ہے۔ اور اگر معنی مستقل پر دلالت کرے گا تو پھر دو حال سے خالی نہیں، یا تو وہ معنی مستقل زمانہ کے ساتھ مقترن ہوگا یا نہیں، اگر زمانہ کے ساتھ مقترن ہو تو یہ فعل ہے، اور اگر مقترن نہ ہو تو یہ اسم ہے۔

**فائدہ:** (۱) اس سے پہلے "ھی" کی جو خبر محذوف ہے یعنی "مُنقسمةٌ إلیٰ ثلاثة أقسامٍ" اس کے بعد "ومنحصرةٌ فیها" (اور وہ انہی تین قسموں میں منحصر ہے) بھی محذوف ہے، تو مصنفؒ نے اس محذوف عبارت میں کلمہ کی تین قسموں میں منحصر ہونے کا دعویٰ کیا ہے، اسی دعویٰ کی مصنفؒ نے یہ دلیل فرمائی ہے۔

**فائدہ:** (۲) "لأنها" میں "ھا" ضمیر کا مرجع "الکلمة" ہے جو ذات ہے، اور "أن تدل" مصدر ہے۔ یہ "ھا" کی خبر بن رہا ہے۔ اور خبر کا مبتدا پر حمل ہوتا ہے، جب کہ مصدر جو وصف ہے اس کا ذات پر حمل صحیح نہیں ہوتا، لیکن یہاں چوں کہ "ان تدل" مصدر تاویلی ہے، مصدر صریحی نہیں اس لئے اس کا حمل "ھا" پر صحیح ہے۔ مصدر صریحی کا مبتدا پر حمل صحیح نہیں ہوا کرتا۔ جبکہ مصدر تاویلی مبتدا پر محمول ہوسکتا ہے۔

---

**قوله: وقد علم بذلک حد کل واحدٍ منها.**

---

**ترجمہ:** اور اس کے ذریعہ (یعنی دلیل حصر کے ذریعہ) جان لی گئی ان میں سے (یعنی کلمہ کی تینوں قسموں میں سے) ہر ایک کی تعریف۔

**تشریح:** مصنفؒ نے کلمات ثلاثہ (اسم، فعل، حرف) کی معرفت کے سلسلہ میں طلبہ کی طبیعتوں کا لحاظ رکھا ہے کہ طلبہ تین قسم کے ہیں: (۱) ذکی (۲) متوسط (۳) غبی۔ جو ذکی ہیں وہ دلیل حصر سے ہی کلماتِ ثلاثہ کی معرفت حاصل کرلیں گے۔ اور جو متوسط درجہ کے ہیں ان کے لئے "وقد علم الخ" سے تنبیہ کردی کہ وہ اس وقت (دلیل حصر میں دوبارہ غور کرکے) جان لیں گے۔ اور جو غبی و کند ذہن ہیں ان کے لئے آگے تفصیلاً تینوں کو بیان کردیا ہے۔ شفیق و مہربان حضرات کا یہی طرز ہوتا ہے تاکہ کوئی محروم نہ رہے۔

**فائدہ:** "ذٰلک" سے مصنفؒ نے دلیل حصر کی طرف اشارہ کیا ہے۔ حالانکہ

"ذٰلک" سے محسوس کی طرف نیز مشار الیہ بعید کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے، اور دلیل حصر نہ محسوس ہے اور نہ بعید۔ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ دلیل حصر بہت زیادہ واضح ہے، اس لئے اس کو محسوس کا درجہ دے دیا۔ نیز مرتبہ کے اعتبار سے بہت بلند ہے تو اس بعد رتبی کو بعد مکانی کا درجہ دے کر اسم اشارہ " ذٰلک " استعمال کیا گیا۔ واللہ اعلم۔

## کلام کی تعریف:

**الکلامُ ماتضمّن کلمتین بالإسناد.**

**ترجمہ:** کلام وہ لفظ ہے جو دو کلموں کو شامل ہو (دو کلموں میں سے ایک کی دوسرے کی طرف) اسناد کے ذریعہ۔

**تشریح:** مصنفؒ جب کلمہ کی تعریف، اور اس کی تقسیم سے فارغ ہو گئے تو اب کلام کی تعریف کرتے ہیں۔ کیوں کہ کلمہ کی تعریف جانے بغیر کلام کی تعریف نہیں جانی جاسکتی اس لئے کہ کلمہ کلام کا جزو ہے۔ اسی وجہ سے مصنفؒ نے کلام کو مؤخر کیا۔ چنانچہ فرمایا کہ "کلام وہ لفظ ہے جو دو کلموں کو اسناد کے ذریعہ شامل ہو"۔ خواہ وہ دو کلمے حقیقۃً ہوں۔ جیسے: "زید قائمٌ، عمرو جالسٌ" وغیرہ۔ یا حکماً دو کلمے ہوں۔ جیسے: "إضرب، إفتح، لاتجلس، لاتلعب" وغیرہ، کہ ان میں "اَنت" ضمیر پوشیدہ ہے جو مسند الیہ ہے۔

**فائدہ:** یہاں مصنفؒ نے کم سے کم تعداد لکھی ہے کہ کلام وہ ہے جو کم از کم دو کلموں سے مرکب ہو، زیادہ سے بھی مرکب ہوسکتا ہے۔

اسی طرح "جسق مهل" یا "دیز مقلوب زید" بھی کلام ہوا، حالانکہ پہلا لفظ تو مہمل ہے۔ لیکن چونکہ اس کو "هٰذا اللفظ" کی تاویل میں کرلیا جائے گا، اس لئے یہ بھی حکماً کلمہ ہوگیا۔ چنانچہ اس طرح کہا جائے گا۔ هٰذا لفظ جسق مهمل.

**فوائد قیود:** لفظ "ما" موصولہ ہے اور جنس کے مرتبہ میں ہے جو مہملات، مفردات، مرکبات کلامیہ اور غیر کلامیہ سب کو شامل ہے، اور "تضمن کلمتین" سے

مہملات اور مفردات خارج ہو گئے، اور "بالاسناد" سے مرکبات غیر کلامیہ خارج ہو گئے۔ اب صرف مرکبات کلامیہ باقی رہے۔

**فائدہ:** اسناد کے معنی یہ ہیں کہ ایک کلمہ کی دوسرے کلمہ کی طرف اس طور پر نسبت کی جائے کہ مخاطب کو پورا فائدہ حاصل ہو، اور پورا فائدہ یہ ہے کہ اس سے کوئی خبر یا طلب معلوم ہو۔

**ولا يتأتىٰ ذٰلک إلا في إسمين أو إسم وفعل .**

**ترجمہ:** اور وہ (کلام) حاصل نہیں ہوتا مگر دو اسموں کے ضمن میں یا ایک اسم اور ایک فعل کے ضمن میں۔

**تشریح:** مصنفؒ نے کلام کی تعریف یہ کی ہے کہ جو دو کلموں کو شامل ہو، تو اس تعریف کی رو سے کلام کی ترکیب میں عقلاً چھ صورتیں نکلتی ہیں: (۱) دو اسموں سے مرکب ہو (۲) دو فعلوں سے مرکب ہو (۳) دو حرفوں سے مرکب ہو (۴) ایک اسم اور ایک فعل سے (۵) ایک اسم اور ایک حرف سے (۶) ایک فعل اور حرف سے۔

تو مصنفؒ نے اس عبارت میں بتایا کہ ہماری عبارت میں اسناد سے مراد اسناد تام ہے جو مسند الیہ اور مسند کے بغیر وجود میں نہیں آسکتی۔ اس لئے کلام کی ترکیب کی چھ ممکن صورتوں میں سے صرف دو صورتیں صحیح ہیں (۱) دو اسموں سے مرکب ہو، تا کہ ایک مسند الیہ ہو جائے، اور ایک مسند۔ کیوں کہ اسم مسند الیہ اور مسند دونوں بن سکتا ہے (۲) ایک اسم اور ایک فعل سے مرکب ہو، تا کہ اسم مسند الیہ ہو جائے اور فعل مسند۔ کیوں کہ فعل صرف مسند بن سکتا ہے اور باقی چار صورتیں باطل ہیں۔ کیوں کہ ان میں سے کسی میں مسند الیہ نہیں، کسی میں مسند نہیں اور کسی میں دونوں نہیں۔

# کلام کی ممکنہ صورتوں کا تفصیلی نقشہ

| اسم واسم | فعل وفعل | حرف وحرف | اسم وفعل | اسم وحرف | فعل وحرف |
|---|---|---|---|---|---|
| صحیح، کیوں کہ ایک اسم مسندالیہ اور ایک مسند ہو جائیگا۔ | باطل، کیونکہ مسندالیہ نہیں ہے۔ | باطل، کیونکہ نہ تو مسندالیہ ہے اور نہ مسند۔ | صحیح، کیونکہ اسم تو مسندالیہ ہوگا فعل نہ مسند | باطل، کیونکہ صرف مسندالیہ ہے یا مسند ہے۔ | باطل، کیونکہ صرف مسند ہے مسندالیہ نہیں۔ |

## تمرین:

ذیل کی مثالوں میں بتلایئے کہ کون کلام ہے اور کون نہیں، اور کیوں۔

اولٰئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ. فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَرَضٌ. نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ. هُمُ السُّفَهَاءُ. اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَؤُفٌ رَّحِیْمٌ. نَعْبُدُ. اِهْدِنَا. اٰمَنَ النَّاسُ. سَیَقُوْلُ السُّفَهَاءُ. عَلٰی هُدًی. مِنْ رَّبِّهِمْ. فِیْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ. لَاتَبَرَّجْنَ. یُرِیْدُ اللّٰهُ. عَنْکُمْ.

## اسم کی تعریف وخواص:

**الأسم مادل علىٰ معنیً في نفسهٖ غیر مقترن بأحد الأزمنة الثلاثة.**

**ترجمہ**: اسم وہ لفظ ہے جو دلالت کرے ایسے معنی پر جو اس کی ذات میں موجود ہوں، تینوں زمانوں میں سے کسی زمانہ کی ساتھ ملنے والا نہ ہو۔

**تشریح**: مصنفؒ نے پہلے کلمہ اور کلام کی تعریف اور ان کے اقسام بیان کئے تھے، اب حسب وعدہ غبی لوگوں کے واسطے اسم کی تعریف وغیرہ تفصیلاً بیان فرمارہے ہیں۔ چونکہ اقسام میں اسم عمدہ ہے کیونکہ وہ مسندالیہ اور مسند دونوں بن سکتا ہے، اس لئے اس کو پہلے

بیان کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ اسم ایسا کلمہ ہے جو ایسے معنی پر دلالت کرے جو معتبر فی نفسہ ہوں یعنی اس میں اور کسی کلمہ کے اعتبار کرنے کی ضرورت نہ ہو، خود اس کی ذات ہی ایسی ہو، جو معنی پر دلالت کرتی ہو۔ تینوں زمانوں میں سے کوئی زمانہ اس کے اندر نہ پایا جاتا ہو۔

**ترکیب:** "دل" میں ضمیر کا مرجع "ما" ہے جو لفظ کے اعتبار سے مذکر ہے، اور "ما" سے مراد کلمہ ہے، جو مؤنث ہے۔ تو "ما" لفظاً مذکر ہے اور معنیً مؤنث۔ "فی نفسه" میں "ہ" ضمیر کا مرجع "معنی" ہے۔ "غیر مقترن" میں غیر پر تینوں اعراب پڑھ سکتے ہیں۔ رفع کی صورت میں "هو" مبتداء محذوف کی خبر ہوگا۔ نصب کی صورت میں "معنیً" سے حال ہوگا۔ اور جر کی صورت میں "معنیً" کی دوسری صفت واقع ہوگا۔

**عدم اقتران کا مطلب:** زمانہ کے ساتھ نہ ملنے کا مطلب یہ ہے کہ وضع کے وقت اس میں زمانہ نہ پایا جائے۔ لہٰذا اب تعریف اسمائے افعال کو بھی شامل رہے گی۔ کیونکہ وضع کے وقت ان میں زمانہ نہیں پایا جاتا۔ اور افعال مقاربہ نکل جائیں گے، کیونکہ اب اگرچہ ان میں زمانہ نہیں مگر وضع کے وقت موجود تھا۔

**فوائد قیود:** "لفظ" جنس کے درجہ میں ہے، جو تمام کلمات کو شامل ہے۔ "دل علی معنیً فی نفسه" کے ذریعہ حرف نکل گیا، "غیر مقترن" کے ذریعہ فعل خارج ہوگیا، اب اسم کی تعریف جامع اور مانع ہوگئی۔

ومن خواصه دخول اللام والجر والتنوین والا ضافة والاسناد الیه.

**ترجمہ:** اور اسم کے خواص میں سے (بعض) لام تعریف کا اور جر کا اور تنوین کا داخل ہونا ہے، اور مضاف ہونا ہے اور مسند الیہ ہونا ہے۔

**تشریح:** اسم کی تعریف کرنے کے بعد اب مصنفؒ اسم کے خواص کو بیان کر رہے ہیں، اس سے اسم کی اچھی طرح وضاحت ہو جائے گی۔ اس لئے کہ خواص بھی تعریف کا تتمہ ہوتے ہیں۔ چنانچہ اسم کی خواص تو بہت ہیں، یہاں تک کہ بعض حضرات نے بیس خاصے ذکر کئے ہیں۔ لیکن مصنفؒ نے پانچ خاصے بیان کئے ہیں۔ (۱) لام تعریف کا داخل ہونا

(۲) جر کا داخل ہونا (۳) تنوین کا داخل ہونا (۴) مضاف بننا (۵) مسند الیہ بننا۔

## خاصہ کی تعریف اور اقسام:

خَاصَّةُ الشَّيْئِ مَايُوْجَدُ فِيْهِ وَلَا يُوْجَدُ فِي غَيْرِهٖ. یعنی کسی چیز کا خاصہ وہ چیز ہے جو اسی میں پایا جائے اس کے علاوہ میں نہ پایا جائے۔ خاصہ کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) خاصہ شاملہ۔ (۲) خاصہ غیر شاملہ۔ خاصہ شاملہ وہ خاصہ ہوتا ہے جو تمام افراد کو شامل ہو۔ جیسے: کتابت بالقوۃ انسان کے لئے۔ اور خاصہ غیر شاملہ وہ خاصہ ہے جو اپنے تمام افراد کو شامل نہ ہو۔ کتابت بالفعل انسان کے لئے۔

**پہلا خاصہ**: پہلا خاصہ لام تعریف کا داخل ہونا۔[۱] حرفِ تعریف کے سلسلہ میں نحویوں کے تین مذہب ہیں (۱) سیبویہ کا مذہب یہ ہے کہ حرف تعریف صرف لام ہے، اور ہمزۂ وصل کو ابتدا بالساکن کی دشواری کی وجہ سے لایا گیا ہے۔ (۲) خلیل نحوی کا مذہب یہ ہے کہ حرف تعریف الف ولام دونوں ہیں (۳) مبرد کا مذہب یہ ہے کہ حرف تعریف صرف ہمزہ ہے۔ اور لام کا اضافہ ہمزۂ تعریف اور ہمزۂ استفہام کے درمیان فرق کرنے کے لئے لایا گیا ہے۔ مصنف ؒ نے سیبویہ کا مذہب اختیار کیا ہے۔ اور وجہ اس کی یہ ہے کہ حرف تنکیر واحد ہے یعنی تنوین، تو حرف تعریف بھی واحد ہی ہونا چاہئے اور وہ لام ہے۔ اور ہمزہ اگر چہ واحد ہے مگر وہ درمیان کلام میں ساقط ہو جاتی ہے۔ جب کہ علامت کو ساقط نہ ہونا چاہئے اور الف ولام واحد نہیں۔

**دوسرا خاصہ**: اسم کا دوسرا خاصہ جر کا داخل ہونا ہے۔ جر کا داخل ہونا اسم کا خاصہ اس وجہ سے ہے کہ جر حرفِ جر کا اثر ہے۔ یعنی جو بھی مجرور ہوگا وہ حرفِ جر کی وجہ سے ہوگا۔

---

[۱] نیز لام تعریف اسم کا خاصہ اس لئے ہے کہ لام تعریف کی وضع اس کام کے واسطے ہے کہ وہ ایسے معنی کو متعین کر دے جس پر لفظ مطابقۃً دلالت کرتا ہو اور یہ بات صرف اسم میں پائی جاتی ہے کیونکہ حرف تو مستقل معنی پر دلالت ہی نہیں کرتا، اور فعل دلالت تو کرتا ہے مگر اس کی دلالت مطابقۃً نہیں بلکہ تضمنی یعنی معنی مصدری کے ضمن میں ہے۔

خواہ لفظاً ہو جیسے "مررت بزید" میں، یا تقدیراً ہو، جیسے: "غلام زید" میں کہ اصل میں غلام لزید تھا۔ اور نحویوں کا اس پر اتفاق ہے کہ حرف جر خواہ لفظوں میں ہو یا پوشیدہ، اس کا دخول اسم ہی کے ساتھ خاص ہے۔ تو جب حرف جر اسم کے ساتھ خاص ہے تو اس کا اثر یعنی جر بھی اسم کے ساتھ خاص ہوگا، ورنہ اثر کا بغیر موثر کے ہونا لازم آئے گا، جو باطل ہے۔ اور حرف جر کا دخول اسم کے ساتھ خاص اس لئے ہے کہ حرف جر کی وضع اس مقصد سے ہے تا کہ فعل کے معنی اسم تک پہنچادے، اور یہ کام اسم پر داخل ہو کر ہی ہو سکتا ہے۔

**تیسرا خاصہ**: تیسرا خاصہ تنوین ہے۔ تنوین کی پانچ قسمیں ہیں: (۱) تمکن (۲) تنکیر (۳) عوض (۴) مقابلہ (۵) ترنم۔ تنوین تمکن اسم کو منصرف بنانے کے لئے آتی ہے۔ اور منصرف وغیر منصرف ہونا اسم کا خاصہ ہے۔ تنوین تنکیر اسم کو نکرہ بنانے کے لئے آتی ہے، اور نکرہ یا معرفہ ہونا بھی اسم کا خاصہ ہے۔ تنوین عوض مضاف پر مضاف الیہ کے بدلہ میں آتی ہے جیسے: "حینئذٍ" وغیرہ، اور مضاف ہونا اسم کا خاصہ ہے۔ تنوین مقابلہ جمع مؤنث سالم کے آخر میں جمع مذکر سالم کے نون کے مقابلہ میں آتی ہے۔ اور جمع بھی اسم ہی ہوتا ہے۔ رہی تنوین ترنم جو آواز کو بڑھانے کے لئے اشعار کے آخر میں آتی ہے۔ وہ اسم، فعل اور حرف تینوں پر آسکتی ہے۔ یہ اسم کے ساتھ خاص نہیں تو چونکہ تنوین کی چار قسمیں اسم کے ساتھ خاص ہیں۔ اس لئے مصنفؒ نے "للأکثر حکم الکل" کے قاعدے کے تحت فرمایا کہ تنوین اسم کا خاصہ ہے۔

**چوتھا خاصہ**: اسم کا چوتھا خاصہ مضاف ہونا ہے، اور اضافت اسم کا خاصہ اس لئے ہے کیونکہ اضافت کے تین لوازم ہیں۔ (۱) تعریف (۲) تخصیص (۳) تخفیف۔ اور یہ تینوں اسم کے ساتھ خاص ہیں۔ لہٰذا ان کا ملزوم یعنی اضافت بھی اس کے ساتھ خاص ہوگی۔ ورنہ لازم کا ملزوم سے جدا ہونا لازم آئے گا۔① تعریف و تخصیص اضافت معنوی میں

① فائدہ: صرف مضاف ہونا اسم کا خاصہ ہے یا مضاف الیہ ہونا بھی اسم کا خاصہ ہے؟ اس سلسلہ میں نحویوں کے دو قول ہیں: (۱) ایک قول تو یہ ہے کہ صرف مضاف ہونا اسم کا خاصہ ہے، مضاف الیہ ہونا (بقیہ صفحہ آئندہ)

حاصل ہوتی ہے، اور تخفیف اضافت لفظی میں۔اس کا تفصیلی بیان اضافت ہی کے بیان میں آئے گا۔

**پانچواں خاصہ:** پانچواں خاصہ مسندالیہ ہونا ہے، مسندالیہ ہونا اسم کا خاصہ اس لئے ہے کہ مسندالیہ بننے کے لئے ایسا کلمہ ہونا ضروری ہے جو مستقل معنی رکھتا ہو۔اور ایسا کلمہ اسم ہے۔اور فعل بھی اگرچہ مستقل معنی رکھتا ہے لیکن واضع نے اس کو مسند بننے کے لئے وضع کردیا، اب اگر اس کو مسندالیہ بنادیں تو واضع کی وضع کے خلاف لازم آئے گا اور یہ صحیح نہیں۔اور دوسری وجہ یہ ہے کہ مسندالیہ بننے کے لئے ایسا کلمہ ہونا ضروری ہے جو مستقل معنی مطابقۃً رکھتا ہو، اور ایسا کلمہ اسم ہے۔کیوں کہ فعل مستقل معنی تو رکھتا ہے مگر مطابقت نہیں بلکہ تضمناً یعنی معنی مصدری کے ضمن میں رکھتا ہے۔

**فائدہ:** یہاں اسم کے جتنے خواص ذکر کئے گئے ہیں وہ خواص شاملہ نہیں بلکہ غیر شاملہ ہیں۔

❁ ❁ ❁

(بقیہ صفحہ گذشتہ) اسم کے ساتھ خاص نہیں۔فعل اور جملہ بھی مضاف الیہ بنتے ہیں۔جیسے: "یوم ینفع الصادقین"۔(۲) اس کے برخلاف دوسرا قول یہ ہے کہ مضاف الیہ ہونا بھی اسم کا خاصہ ہے۔اور فعل وجملہ اگر مضاف الیہ ہوں تو ان کو مصدری کی تاویل میں کرلیا جائے گا۔جیسے مذکورہ مثال میں "ینفع" کو "نفع" مصدر کی تاویل میں کیا جائے گا۔

# اعراب و بناء کے اعتبار سے اسم کی قسمیں

**وھو معربٌ ومبنیٌ.** **ترجمہ**: اور وہ (اسم) معرب ہے اور مبنی ہے۔

**تشریح**: مصنفؒ اسم کی تعریف اور اس کے تتمہ یعنی خواص سے فارغ ہونے کے بعد اس کی تقسیم کر رہے ہیں۔ کہ اسم کی دو قسمیں ہیں: (۱) معرب (۲) مبنی۔ اسم کی یہ تقسیم "تَقْسِیْمُ الْکُلّیٰ اِلیٰ الْجُزْئِیَّاتْ" کے قبیل سے ہے۔

**دلیل حصر**: ان دو قسموں یعنی معرب اور مبنی میں اسم کے منحصر ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اسم دو حال سے خالی نہیں، یا تو غیر کے ساتھ مرکب ہوگا یا نہیں۔ اگر غیر کے ساتھ مرکب نہ ہو تو مبنی ہے۔ جیسے: اسمائے معدودہ زید، عمر، بکر وغیرہ، کہ ترکیب سے پہلے یہ مبنی علی السکون ہیں۔ اور اگر غیر کے ساتھ مرکب ہو تو پھر دو حال سے خالی نہیں، یا تو عامل کے ساتھ مرکب ہوگا یا غیر عامل کے ساتھ، اگر غیر عامل کے ساتھ مرکب ہو تو یہ بھی مبنی ہے۔ جیسے: "غلام زید" میں "غلام" مبنی ہے۔ اور اگر عامل کے ساتھ مرکب ہو تو پھر دو حال سے خالی نہیں، یا تو مبنی الاصل کے ساتھ مشابہت رکھے گا یا نہیں، اگر مبنی الاصل سے مشابہت رکھے تو وہ بھی مبنی ہے۔ جیسے: "جاء نی ھؤلاء" میں "ھؤلاء" مبنی ہے۔ اور اگر عامل کے ساتھ مرکب ہو اور مبنی الاصل سے مشابہت بھی نہ رکھے تو وہ معرب ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ چار حالتوں میں سے تین حالتیں مبنی کی ہیں اور ایک حالت معرب کی ہے۔

**معرب ومبنی کی وجہ تسمیہ**: معرب کا مشتق منہ اعراب ہے، اور اعراب کے دو معنی ہیں۔ دونوں معنی کے اعتبار سے معرب کی دو وجہ تسمیہ ہیں (۱) ایک معنی تو "اظہار" کے ہیں۔ اور معرب اسم ظرف یا اسم مفعول کا صیغہ ہے۔ چونکہ معرب پر اعراب کی وجہ سے معنی مقتضی یعنی فاعلیت، مفعولیت اور اضافت واضح ہو جاتے ہیں، یعنی رفع کے ذریعہ فاعل کا نصب کی وجہ سے مفعول کا اور جر کی وجہ سے اضافت کا علم ہو جاتا ہے۔ اس لئے معرب کو معرب کہتے ہیں۔ (۲) دوسرے معنی "ازالہ فساد" کے ہیں، مجرد میں "عرب

یعرب" کے معنی "فساد" کے آتے ہیں۔ باب افعال کی ایک خاصیت سلب ماخذ ہے اس لئے اعراب کے معنی "ازالہ فساد" کے ہوگئے۔ اب چونکہ معرب پر جب اعراب آتا ہے تو بعض معانی کا بعض سے التباس کا فساد دور ہوجاتا ہے اور پتہ چل جاتا ہے کہ فاعل ہے یا مفعول۔ یا اس میں اضافت کے معنی ہیں اس لئے معرب کو معرب کہتے ہیں۔

اور مبنی کو مبنی کہنے کی وجہ یہ ہے کہ مبنی "بناء" سے مشتق ہے، اور "بناء" کے معنی "قرار" اور "سکون" کے آتے ہیں۔ اور مبنی چونکہ اختلاف عوامل سے بدلتا نہیں ہے بلکہ ایک ہی حالت پر برقرار رہتا ہے اس لئے مبنی کو مبنی کہتے ہیں۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

معرب آں باشد کہ گردد بار بار ❁ مبنی آں باشد کہ ماند برقرار

فالمعرب المركب الذي لم يشبه مبني الأصل.

**ترجمہ:** پس معرب ایسا اسم مرکب ہے جو مبنی اصل کے ساتھ مشابہت نہ رکھے۔

**تشریح:** مصنفؒ یہاں سے معرب کی تعریف کررہے ہیں کہ معرب وہ اسم مرکب ہے جو مبنی اصل کے ساتھ مشابہت[①] ومناسبت نہ رکھے۔

① **اشکال:** یہاں یہ اشکال ہوتا ہے کہ مصنفؒ نے اس تعریف میں مشابہت کی نفی کی ہے اور مشابہت اشتراک فی الکیف کو کہا جاتا ہے، لہٰذا جو اسما مبنی اصل کے ساتھ کیف میں شریک نہ ہوں بلکہ کمیت میں شریک ہوں وہ معرب ہونے چاہئے، حالانکہ وہ مبنی ہوتا ہے، جیسے: کاف اسمی جو کاف حرفی کے ساتھ کمیت میں شریک ہے وہ معرب ہونا چاہئے، حالانکہ وہ مبنی ہے۔

**جواب:** یہ ہے کہ "لم يشبه" سے مراد "لم يناسب" ہے۔ یعنی مشابہت کی نفی نہیں بلکہ مناسبت کی نفی ہے، اور مناسبت عام ہے جو اشتراک فی الکیف اور اشتراک فی الکم دونوں کو شریک اور عام ہے۔ لہٰذا اب کاف اسمی (ضمیر) مبنی رہے گا۔

**فائدہ:** مناسبت عام ہے اس کے تحت چار چیزیں داخل ہیں (۱) مجانست (۲) مماثلت (۳) مشابہت (۴) مشاکلت۔ مجانست دو چیزوں کے ایک جنس میں شریک ہونے کو کہتے ہیں۔ جیسے: انسان اور فرس۔ مماثلت دو چیزوں کا ایک نوع میں شریک ہونا۔ جیسے: زید اور عمر۔ مشابہت دو چیزوں کا کسی وصف لازم میں شریک ہونا۔ جیسے: زید اور اسد۔ دونوں وصف شجاعت میں شریک ہیں۔ مشاکلت دو چیزوں کا شکل وصورت میں شریک ہونا۔ جیسے: گھوڑا اور اس کی تصویر۔

**فائدہ:** مصنفؒ نے معرب کو مبنی پر مقدم کیا۔ اس کی دو وجہ ہیں (۱) کلام عرب میں معرب کے افراد زیادہ ہیں اور مبنی کے کم (۲) اسماء میں اصل اعراب ہے اور بناء فرع ہے۔ اور اصل فرع پر مقدم ہوتی ہی ہے۔ ان دو وجہوں سے معرب کو مقدم کر دیا۔

**وحكمه أن يختلف آخره باختلاف العوامل لفظا أو تقديراً.**

**ترجمہ:** اور اس (معرب) کا حکم یہ ہے کہ اس کا آخر عوامل کے اختلاف سے لفظاً یا تقدیراً بدل جائے۔

**تشریح:** یہاں سے مصنفؒ معرب پر معرب ہونے کی حیثیت سے جو حکم اور اثر مرتب ہوتا ہے اس کو بیان فرماتے ہیں کہ معرب کا حکم اور اثر یہ ہے کہ اس کا آخر اختلاف عوامل سے مختلف ہو جائے① خواہ وہ اختلاف اور تبدیلی لفظی ہو، جیسے: "جاء نی زیدٌ ورأیت زیداً ومررت بزیدٍ" میں، یا اختلاف تقدیری ہو، جیسے: جاء نی فتیً ورأیت فتیً ومررت بفتیً میں۔

**لفظاً أو تقديراً کی ترکیب:** لفظاً أو تقديراً" میں ترکیب کے اعتبار سے تین احتمال ہیں۔ (۱) یا تو یہ تمیز ہے اس نسبت سے جو "یختلف" کی فاعل کی طرف ہے۔

(۲) یا یہ مفعول مطلق ہے اور اصل میں "اختلاف لفظٍ او تقدیرٍ" تھا۔ مضاف کو حذف کر کے مضاف الیہ کو اس کا قائم مقام کر دیا اور جو اعراب مفعول مطلق کا تھا وہ مضاف الیہ کو دے دیا۔

(۳) یا یہ "کان" محذوف کی خبر ہے۔ اصل عبارت اس طرح ہے۔ "کان

① اشکال: یہاں پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ مصنفؒ نے کہا ہے کہ عوامل کے اختلاف سے معرب کا آخر مختلف ہو جاتا ہے، حالانکہ "إن زیداً مضروبٌ، ضربتُ زیدًا، أنا ضاربٌ زیداً" ان مثالوں میں عامل مختلف ہے پھر بھی "زیداً" کے آخر میں اختلاف نہیں ہوا، وہ ہر حال میں منصوب ہی ہے۔

**جواب:** یہ ہے کہ اختلاف عوامل کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ ہر عامل کا عمل بھی مختلف ہوا، اور یہاں عامل تو مختلف ہے لیکن ان کا عمل مختلف نہیں سب کا مقتضی نصب ہے۔ اس لئے "زیداً" کے آخر میں اختلاف نہیں ہوا۔

الاختلاف لفظياً أو تقديرياً". "لفظياً او تقديرياً" کی تاویل میں اس لئے کیا کہ یہ خبر ہے۔ جو "کان" کے اسم پر محمول ہے۔ اور مصدر کا حمل وصف ہونے کی وجہ سے ذات پر درست نہیں۔ اس لئے اس کو "لفظياً" کی تاویل میں کر کے وصف مع الذات بنالیا اب حمل صحیح ہو گیا۔

**فائدہ:** معرب کے آخر میں اعراب کو اس وجہ سے رکھا کہ اعرب صفت کے مانند ہے، اور معرب موصوف کے مانند ہے۔ اور صفت موسوف کے بعد ہوتی ہے۔

**الإعراب مااختلف آخره به ليدل علىٰ المعاني المعتورة عليه.**

**ترجمہ:** اعراب وہ (حرکت یا حرف) ہے جس کے ذریعہ معرب کا آخر بدل جائے تا کہ وہ دلالت کرے ان معانی پر جو اس (اسم معرب) پر پے در پے آنے والے ہیں۔

**تشریح:** یہاں سے مصنفؒ اعراب کی تعریف کرتے ہیں کہ اعراب وہ حرکت یا حرف ہے جس کی وجہ سے معرب کا آخر بدل جائے، تا کہ یہ اختلاف اور تبدیلی ان معانی پر دلالت کرے جو اسم معرب پر یکے بعد دیگرے آنے والے ہیں۔ لفظ "ما" موصولہ ہے۔ جس سے حرف یا حرکت مراد ہے اور حرف سے حرف مبانی مراد ہے تو اب اعراب کی تعریف سے عامل اور معنیٰ مقتضی (فاعلیت، مفعولیت، اضافت) خارج رہیں گے۔ کیونکہ عامل اور معنیٰ مقتضی حرف یا حرکت نہیں۔ اگر چہ ان کی وجہ سے بھی معرف کا آخر بدل جاتا ہے۔

**مختلف اعراب وضع کرنے کا مقصد:** "ليدل الخ". سے مصنفؒ نے تین قسم کے اعراب وضع کرنے کے مقصد کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ان کا مقصد یہ ہے تا کہ ان سے مختلف معنیٰ (یعنی فاعلیت، مفعولیت، اضافت) پر دلالت ہو جائے۔ اگر اعراب مختلف نہ ہوتے تو مختلف معنیٰ پر دلالت نہ ہو پاتی۔

**فائدہ:** اعراب مشتق منہ ہے اور معرب مشتق ہے، اور مشتق منہ مشتق سے مقدم ہوتا ہے، حالانکہ یہاں مؤخر ہے۔ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ معرب محل ہے اور اعراب حال، اور محل حال پر مقدم ہوتا ہے، اس لئے معرب کو اعراب پر مقدم کر دیا۔

وانواعه رفعٌ ونصبٌ وجرٌّ.

**ترجمہ:** اور اعراب کی انواع رفع، نصب اور جر ہے۔

**تشریح:** مصنفؒ نے اس عبارت میں اعراب کی انواع واقسام بیان کی ہیں کہ اعراب کی انواع تین ہیں۔(۱) رفع (۲) نصب (۳) جر۔

**انواع کہنے کی وجہ:** مصنفؒ نے لفظ "انواع" اس لئے کہا کیونکہ نوع ایسی کلی کو کہتے ہیں جو ایک حقیقت کے افراد پر بولی جائے۔ تو "انواع" کہنے کا فائدہ یہ ہوا کہ مصنفؒ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ رفع، نصب اور جر تین نوع ہیں جن کے تحت افراد ہیں، چنانچہ رفع کے تحت "ضمہ، واؤ، الف" اور نصب کے تحت "فتحہ، کسرہ، الف اور یا" اور جر کے تحت "کسرہ، فتحہ اور یا" ہیں۔

**فائدہ:** رفع، نصب اور جر کا اطلاق حرکت اعرابیہ پر ہوتا ہے، اور ضمہ، فتحہ، کسرہ کا اطلاق حرکت بنائیہ پر ہوتا ہے۔ اور دوسرے الفاظ میں یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ جو حرکت عامل کی وجہ سے آئے اس کو حرکت اعرابیہ، اور جو پہلے سے موجود ہو اس کو حرکت بنائیہ کہتے ہیں۔ مثلاً: رفع اس کو کہیں گے جو عامل رافع کی وجہ سے آئے۔ جیسے: "جاء نی زیدٌ" میں دال پر رفع ہے۔ وھکذا.

فالرفع علم الفاعلية والنصب علم المفعولية والجر علم الاضافة.

**ترجمہ:** پس رفع فاعل ہونے کی، نصب مفعول ہونے کی اور جر مضاف الیہ ہونے کی علامت ہے۔

**تشریح:** مصنفؒ اس عبارت میں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اعراب (رفع نصب اور جر) کہاں آتا ہے۔ تو فرماتے ہیں کہ رفع تو فاعل ہونے کی نشانی ہے، فاعل حقیقی ہو یا حکمی۔ فاعل حقیقی تو فاعل ہی ہے، اور فاعل حکمی اس کے ملحقات ہیں یعنی مبتدا و خبر، افعال ناقصہ کا اسم، لاء نفی جنس کی خبر اور ما ولا مشابہ بلیس کا اسم وغیرہ۔ اور نصب مفعول ہونے کی نشانی ہے، مفعول حقیقی ہو یا حکمی۔ مفعول حقیقی تو مفعول ہی ہے اور مفعول حکمی حال، تمیز اور مستثنیٰ وغیرہ کو

کہتے ہیں۔اور جر مضاف الیہ ہونے کی علامت ہے، اضافت چونکہ مصدر ہے اس لئے اس میں یاء مصدری کولاحق نہیں کیا گیا ہے۔

**والعاملُ مابه يتقوم المعنى المقتضى للاعرابِ .**

**ترجمہ**: اور عامل وہ شئی ہے جس کے ذریعہ ایسے معنی حاصل ہوں جو اعراب کو چاہنے والے ہیں۔

تشریح: یہاں سے مصنفؒ عامل کی تعریف بیان کرتے ہیں جو معرب کے آخر کو بدلنے میں سبب بعید کا درجہ رکھتا ہے، فرماتے ہیں کہ عامل وہ چیز ہے جس کے ذریعہ اعراب کو چاہنے والے معنی حاصل ہو جائیں، اور وہ معنی فاعلیت ومفعولیت اور اضافت ہیں۔ مثلاً: "جاء زیدٌ" میں "جاء" عامل ہے، کیونکہ اس کے سبب زید میں فاعلیت کے معنی حاصل ہو گئے۔

**عامل کی قسمیں**: عامل کی اولاً دو قسمیں ہیں: (۱) عامل لفظی (۲) عامل معنوی۔ پھر عامل لفظی کی تین قسمیں ہیں: (۱) حروف عاملہ (۲) افعال عاملہ (۳) اسمائے عاملہ۔ اور عامل معنوی کی دو قسمیں ہیں: (۱) ابتداء (اسم کا عوامل لفظیہ سے خالی ہونا) (۲) مضارع کا ناصب وجازم سے خالی ہونا۔

# اسم متمکن کی قسمیں

## پہلی قسم:

**فالمفرد المنصرف والجمع المكسر المنصرف بالضمّةِ رفعاً والفتحة نصبًا والكسرةِ جرًّا.**

**ترجمہ:** پس مفرد منصرف اور جمع مکسر منصرف دونوں کا اعراب رفعی حالت میں ضمہ کے ساتھ ہوتا ہے، اور نصبی حالت میں فتحہ کے ساتھ اور جری حالت میں کسرہ کے ساتھ۔

**تشریح:** جب مصنفؒ اعراب کی تعریف اور اس کی تقسیم سے فارغ ہوگئے تو اب اعراب کے اعتبار سے اسم کی قسمیں بیان کرتے ہیں۔ اعراب کی دو قسمیں ہیں: (۱) اعراب بالحرکت (۲) اعراب الحرف۔ ان میں اعراب بالحرکت اصل ہے۔ پھر اس میں بھی اصل یہ ہے کہ رفعی، نصبی اور جری تینوں حالتوں میں علیحدہ علیحدہ اعراب آئے۔ اس لئے پہلے اصل اعراب والی قسموں کو بیان کرتے ہیں۔ ایسی تین قسم کے اسماء ہیں۔ (اور اعراب کے اعتبار سے یہ ایک ہی قسم ہے) (۱) مفرد منصرف صحیح (۲) مفرد منصرف جار مجری صحیح (۳) جمع مکسر منصرف۔ ان تینوں قسموں کا اعراب رفعی حالت میں ضمہ کے ساتھ، نصبی حالت میں فتحہ کے ساتھ، اور جری حالت میں کسرہ کے ساتھ ہوتا ہے۔ جیسے: "وَحَرَامٌ عَلٰى قَرْيَةٍ. فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ. بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا. كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلَامًا. وَجَعَلْنَا فِيْهَا فِجَاجًا سُبُلًا. أَضْغَاثُ اَحْلَامٍ. وغیرہ۔

**ان تینوں قسموں کو اصل اعراب دینے کی وجہ:** ان تینوں قسموں کو اصل اعراب اس لئے دیا گیا ہے کہ یہ تینوں قسمیں اصل ہیں، تو اصل کو اصل اعراب دیدیا۔ چنانچہ مفرد، تثنیہ وجمع کے مقابلہ میں اصل ہے، اور منصرف، غیر منصرف کے مقابلہ میں اصل ہے، اور جمع مکسر، جمع سالم کے مقابلہ میں اصل ہے، کیوں کہ جمع مکسر میں

واحد کا وزن سلامت نہیں رہتا تو وہ مفرد ہی کی طرح ہوتا ہے۔

**فائدہ:** (۱) مفرد تین چیزوں کے مقابلہ میں بولا جاتا ہے۔ (۱) مرکب (۲) تثنیہ وجمع (۳) جملہ۔ یہاں مفرد، تثنیہ وجمع کے مقابلہ میں ہے۔

**فائدہ:** (۲) "المفرد المنصرف" کے اندر مفرد منصرف صحیح اور مفرد منصرف جار مجری صحیح دونوں داخل ہیں۔

**ترکیب:** "بالضمة والفتحة والكسرة" معطوف علیہ معطوف سے مل کر "یعربان" محذوف کے متعلق ہوگا۔ اور "رفعاً ونصباً وجراً" کی ترکیب میں تین احتمال ہیں۔ (۱) مفعول فیہ (۲) حال (۳) مفعول مطلق۔ مفعول فیہ ہونے کی صورت میں مضاف محذوف ہوگا۔ "أى حالة الرفع حالة النصب حالة الجر" حال ہونے کی صورت میں ن کو اسم مفعول یعنی "مرفوعين ، منصوبين ، مجرورين" کے معنی میں کیا جائے گا۔ اور مفعول مطلق ہونے کی صورت میں فعل مجہول محذوف نکلے گا۔ "أى رفع رفعاً ونصب نصباً الخ" یا اختلاف لفظ" کی طرح "اعرابَ رفعٍ الخ" کی تاویل میں ہوگا۔

## دوسری قسم:

جمع المؤنث السالم بالضمة والكسرة .

**ترجمہ:** مؤنث کی جمع سالم (کا اعراب رفعی حالت میں) ضمہ کے ساتھ ہوتا ہے ور (نصبی وجری حالت میں) کسرہ کے ساتھ۔

**تشریح:** اس عبارت میں جمع مؤنث سالم کا اعراب بیان کیا گیا ہے۔ جمع مؤنث سالم سے مراد وہ جمع ہے جو الف اور تاء کے ساتھ آتی ہے چاہے وہ مذکر کی جمع ہو جیسے: "اصطبل" کی جمع "اصطبلات" یا مؤنث کی جیسے "مسلمة" کی جمع "مسلمات" اس کا اعراب رفعی حالت میں ضمہ کے ساتھ اور نصبی وجری حالت میں کسرہ کے ساتھ ہوگا۔

**نوٹ:** جمع مؤنث سالم کی تفصیلی تعریف آئندہ آئے گی۔

**فرعی اعراب دینے کی وجہ:** جمع مؤنث سالم کو فرعی اعراب (تین حالتوں میں دو اعراب) اس لئے دیا گیا کیونکہ جمع سالم، جمع مکسر کی فرع ہے، تو فرع کو فرعی اعراب دیدیا۔ اور نصبی حالت کو جری کے تابع اس لئے کیا گیا کیونکہ جمع مذکر سالم جو اس کی اصل ہے اس میں بھی نصبی حالت جری کے تابع ہے، تاکہ دونوں میں مطابقت رہے۔ اور جمع مذکر سالم کی فرع ہونے کے باوجود اعراب بالحرف اس لئے نہیں دیا گیا کیونکہ اس میں اعراب بالحرف قبول کرنے کی صلاحیت نہیں۔ اعراب بالحرف وہاں آتا ہے جہاں آخر میں حرف علت ہو۔

## تیسری قسم:

غير المنصرف بالضمة والفتحة .

**ترجمہ:** غیر منصرف (کا اعراب رفعی حالت میں ضمہ کے ساتھ ہوگا اور نصبی و جری حالت میں) فتحہ کے ساتھ ہوگا۔

**تشریح:** اس عبارت میں مصنفؒ غیر منصرف کا اعراب بیان کرتے ہیں کہ رفعی حالت میں ضمہ کے ساتھ ہوگا اور جری حالت نصبی حالت کے تابع ہوگی۔ غیر منصرف کو فرعی اعراب دینے کی وجہ یہ ہے کہ یہ منصرف کے مقابلہ میں فرع ہے۔ اور جری کو نصبی کے تابع اس لئے کیا گیا کیوں کہ غیر منصرف پر کسرہ نہیں آتا۔ (اس کی وجہ عنقریب معلوم ہوجائیگی)

## چوتھی قسم:

أبوك وأخوك وحموك وهنوك وفوك وذومال مضافة إلى غيرياء المتكلم بالواو والألف والياء .

**ترجمہ:** ابوک، اخوک، حموک، ہنوک اور ذومال اس حال میں کہ یہ (چھ اسماء) یاء متکلم کے علاوہ کی طرف مضاف ہوں تو ان کا اعراب (رفعی حالت میں) واؤ کے ساتھ، اور (نصبی حالت میں) الف کے ساتھ، اور (جری حالت میں) یاء کے ساتھ ہوگا۔

**تشریح:** اس سے پہلے ایسی تین قسمیں بیان کی گئیں جن کا اعراب بالحرکت ہوتا

ہے، اب یہاں سے ایسی قسموں کا بیان ہے جن کا اعراب بالحروف ہوتا ہے۔ سب سے پہلے "اسماء ستہ مکبرہ" کا اعراب بیان کر رہے ہیں کہ ان کا اعراب چار شرطوں کے ساتھ رفعی حالت میں واؤ اور نصبی حالت میں الف اور جری حالت میں یاء کے ساتھ ہوتا ہے۔ وہ چار شرطیں یہ ہیں۔(۱) یہ اسماء مکبرہ ہوں، مصغرہ نہ ہوں، کیونکہ تصغیر کی صورت میں ان کا اعراب پہلی قسم کی طرح اعراب بالحرکت ہوگا (۲) واحد ہوں، تثنیہ یا جمع نہ ہوں۔ اگر تثنیہ یا جمع ہوں گے تو تثنیہ وجمع جیسا اعراب ہوگا۔(۳) مضاف ہوں۔ اگر مضاف نہ ہوں گے تو بھی پہلی قسم کی طرح اعراب بالحرکت ہوگا (۴) یاء متکلم کے علاوہ کی طرف مضاف ہوں۔ اگر یاء متکلم کی طرف مضاف ہوں گے تو "علامی" کی طرح تقدیری اعراب ہوگا، ان میں سے پہلی دو قیدیں مصنفؒ نے ذکر نہیں کی، صرف مثالوں پر اکتفاء کیا ہے۔

**ذو کی اسم ظاہر کی طرف اضافت کی وجہ:** ذو کی اضافت ہمیشہ اسم ظاہر کی طرف ہوتی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ذو کی وضع اس لئے ہوئی ہے کہ وہ اسم جنس کو کسی دوسرے اسم کی صفت بنائے۔ اور صفت موصوف کے ساتھ قائم ہوتی ہے جب کہ اسم جنس موصوف کے ساتھ قائم نہیں رہتا۔ اس لئے ذو کی اضافت اسم جنس کی طرف کر کے صفت بنایا گیا تا کہ اسم جنس موصوف کے ساتھ قائم ہو جائے۔ لہٰذا "رجلٌ مالٌ" نہیں کہیں گے بلکہ "رجلٌ ذو مالٍ" کہیں گے۔

**ان اسماء کو اعراب بالحروف دینے کی وجہ:** اسماء ستہ مکبرہ کو مفرد ہونے کے باوجود اعراب بالحروف اس لئے دیا گیا کہ تمام تثنیہ اور جمع کا اعراب بالحروف ہوتا ہے۔ اور تثنیہ وجمع کا مفرد سے تعلق ہوتا ہے، تو اگر تمام مفردات کا اعراب بالحرکت ہوتا تو تثنیہ وجمع اور مفردات کے درمیان وحشت پیدا ہو جاتی، اس لئے کچھ مفردات کو اعراب بالحروف دے دیا، تا کہ یہ قباحت لازم نہ آئے۔ اور انہی چھ اسموں کو اختیار کرنے کی وجہ یہ ہے کہ انہی اسموں کے آخر میں ایسا حرف ہے جس میں اعراب بالحروف قبول کرنے کی صلاحیت ہے۔

## پانچویں قسم:

**والمثنى و كلا مضافاً إلى مضمرٍ واثنان وَاِثنتان بالألف والياء .**

**ترجمه:** تثنیہ اور "کلا" حال یہ کہ "کلا" ضمیر کی طرف مضاف ہو اور "اثنان واثنتان" کا اعراب (رفعی حالت میں) الف کے ساتھ اور (نصبی وجری حالت میں) یاء (ماقبل مفتوح) کے ساتھ ہوگا۔

**تشریح:** مصنفؒ اس عبارت سے تثنیہ اور اس کے ملحقات کا اعراب بیان کررہے ہیں، کہ ان کا اعراب رفعی حالت میں الف کے ساتھ اور نصبی وجری حالت میں یاء ماقبل مفتوح کے ساتھ ہوگا۔ لیکن "کلا" میں یہ شرط ہے کہ ضمیر کی طرف مضاف ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ "کلا" لفظ کے اعتبار سے مفرد ہے اور معنی کے اعتبار سے تثنیہ ہے۔ اور لفظ اصل ہے جب کہ معنی فرع ہے۔ اور اضافت کے اعتبار سے بھی دو صورتیں ہیں (۱) اسم ظاہر کی طرف اضافت ہو (۲) اسم ضمیر کی طرف اضافت ہو۔ اور اسم ظاہر کی طرف اضافت اصل ہے، جبکہ اسم ضمیر کی طرف اضافت فرع ہے۔ اور "کلا" کا استعمال بغیر اضافت کے نہیں ہوتا۔ تو جب "کلا" اسم ظاہر کی طرف مضاف ہو جو اصل ہے تو لفظ کی رعایت کی جائے گی اور یہ بھی اصل ہے۔ لہٰذا اعراب بھی اصل یعنی اعراب الحرکت دیا جائے گا۔ البتہ آخر میں الف ہونے کی وجہ سے اعراب ظاہر نہیں ہو سکتا اس لئے تقدیری ہوگا۔ جیسے: "کلتا الجنتین" اور جب "کلا" اسم ضمیر کی طرف مضاف ہو جو فرع ہے تو معنی کی رعایت کی جائے گی، اور یہ بھی فرع ہے۔ لہٰذا اعراب بھی فرعی یعنی اعراب بالحروف دیا جائے گا۔ جیسے: "اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَا اَوْ كِلَاهُمَا" حاصل یہ ہے کہ استعمال میں اگر اصل کی رعایت کی گئی تو اعراب بھی اصل ہوگا اور اگر استعمال میں فرع کی رعایت کی گئی تو اعراب بھی فرعی ہوگا۔

**فائده:** "کلا" کے ساتھ "کلتا" کو ذکر نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ "کلتا" مؤنث

ہے اور مونث مذکر کے تابع ہوتی ہے۔ اور "اِثنان" کے ساتھ "اِثنتان" کو مؤنث ہونے کے باوجود اس لئے ذکر کیا کہ یہ عدد ہے اور عدد میں کوئی تابع و متبوع نہیں ہوتا واضع نے دونوں کو مستقلاً وضع کیا ہے۔

## چھٹی قسم:

**جمع المذكر السالمُ واو لو وعشرون واخواتها بالواو والياء .**

**ترجمہ:** جمع مذکر سالم "اُولو، عشرون" اور اس کے اِخوات (کا اعراب رفعی حالت میں) واوٗ (ماقبل مضموم) کے ساتھ اور (نصبی وجری حالت میں) یاء (ماقبل مکسور) کے ساتھ ہوگا۔

**تشریح:** مصنفؒ یہاں سے جمع مذکر سالم اور اس کے ملحقات یعنی "اُولو، عشرون، ثلاثون" وغیرہ کا اعراب بیان کر رہے ہیں۔ ان کا اعراب رفعی حالت میں واوٗ ماقبل مضموم کے ساتھ اور نصبی وجری حالت میں یاء ماقبل مکسور کے ساتھ ہوگا۔

"جمع المذکر السالم" میں "المذکر" مضاف الیہ اور "السالم" جمع کی صفت ہے۔ اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ اعراب جب ہوگا جب کہ مذکر کی جمع ہو، حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ بلکہ جمع مذکر سالم سے مراد اصطلاحی جمع ہے یعنی جس کے آخر میں واوٗ اور نون ہو، چاہے اس کا مفرد مذکر ہو یا مؤنث۔ جیسا کہ "سنة" مؤنث لفظی ہے اور اس کی جمع "سنون" آتی ہے اور "أرض" مونث سماعی ہے اور اس کی جمع "ارضون" آتی ہے اور ان کا اعراب بھی یہی ہے۔

**تثنیہ وجمع کو فرعی اعراب دینے کی وجہ:** تثنیہ وجمع کو فرعی اعراب دینے کی وجہ یہ ہے کہ یہ واحد کی فرع ہیں اور فرع کو فرعی اعراب دینا ہی مناسب ہے۔

**تثنیہ وجمع میں نصبی حالت کو جری کے تابع کرنے کی وجہ:** اس کی وجہ یہ ہے کہ تثنیہ وجمع کی تین تین کل چھ حالتیں ہیں۔ اور اعراب بالحروف کل

تین ہیں۔ واؤ، الف اور یاء۔ اب ان تین کو چھ حالتوں میں تقسیم کرنا ہے۔ تو الف کو تثنیہ میں رفع کی علامت قرار دیا کیونکہ وہ فعل میں بھی رفع کی علامت ہے۔ اور واؤ کو جمع میں رفع کی علامت قرار دیا۔ کیونکہ وہ فعل میں بھی رفع کی علامت ہے۔ اب صرف ایک حرف یعنی یاء باقی ہے اور چار حالتیں باقی ہیں۔ تثنیہ کی نصبی وجری اور جمع کی بھی نصبی وجری۔ تو یاء ان سب کو دیدی گئی اور نصبی کو جری کے تابع کردیا گیا۔ کیونکہ اعراب بالحروف میں نصبی حالت کے لئے اصل الف ہے جو تثنیہ کی رفعی حالت کو دیدیا۔ اور یاء جری حالت کے لئے ہے۔ اس لئے نصبی ہی کو جری کے تابع کیا گیا۔ اور تثنیہ وجمع میں فرق اس طرح کیا گیا کہ تثنیہ میں یاء کا ماقبل مفتوح اور جمع میں یاء کا ماقبل مکسور کردیا گیا۔ تو اگر نصبی کو جری کے تابع نہ کیا جاتا تو تقسیم دشوار ہوجاتی۔

**فائدہ:** "أولو" من غیر لفظہ "ذو" کی جمع ہے۔ اور "عشرون" اور اس کے اخوات جمع نہیں۔ کیونکہ مثلاً "عشرون" اگر جمع ہو تو "عشرۃ" کی جمع ہوگی۔ اور جمع کا اطلاق کم سے کم تین پر ہوتا ہے۔ تو "عشرۃ" کو تین میں ضرب دینے سے تیس ہوں گے تو "عشرون" تیس کے لئے آنا چاہئے، حالانکہ ایسا نہیں۔ اسی طرح دوسرے اخوات کو سمجھنا چاہئے۔

# باقی تین قسمیں

التقدير فيما تعذر كعصا وغلامی مطلقاً أو استثقل كقاضٍ رفعاً وجراً ونحو مسلمی رفعاً، واللفظی فيما عداه .

**ترجمہ**: اعراب تقدیری اس صورت میں ہوتا ہے جب کہ (اعراب لفظی) متعذر ہو۔ جیسا کہ عصا اور غلامی مطلقاً، یا (اعراب لفظی) ثقیل ہو، جیسا کہ قاضٍ رفعی اور جری حالت میں، اور جیسا کہ مسلمی رفعی حالت میں۔ اور اعراب لفظی ان صورتوں میں ہوگا جو ان کے علاوہ ہیں۔

**تشریح**: اس سے پہلے مصنفؒ نے اعراب کی تقسیم اعراب بالحرکت اور اعراب بالحرف کی طرف کی تھی۔ اور چونکہ ان دونوں کے اعراب کبھی لفظی ہوتے ہیں اور کبھی تقدیری۔ اس لئے اب ان دونوں کے مواقع کو بیان کررہے ہیں۔ اور بیان کی یہ صورت اختیار کی کہ اعراب تقدیری کو تو متعین طور سے بیان کردیا۔ اور اعراب لفظی کو "واللفظی فيما عداه" کہہ کر بیان کردیا۔ تاکہ بات بھی مختصر رہے اور مقصد بھی حاصل ہوجائے۔

چنانچہ فرماتے ہیں کہ اعراب تقدیری کے دو موقعے ہیں۔ (۱) جہاں اعراب لفظی متعذر ہو یعنی اعراب لفظی وہاں نہ آسکتا ہو (۲) جہاں اعراب لفظی ثقیل ہو یعنی اعراب تو آسکتا ہو مگر دشوار ہو۔

**تعذر کے مواقع**: جہاں اعراب لفظی متعذر ہوتا ہے اس کے دو موقعے ہیں۔ (۱) اسم مقصور، یعنی جس کے آخر میں الف مقصورہ ہو، خواہ الف لفظوں میں باقی رہے یا حذف ہوجائے۔ جیسے: "العصا" اور "عصاً" (۲) غیر جمع مذکر سالم مضاف بیاء متکلم۔ جیسے: "غلامی" تعذر کی ان دونوں قسموں میں رفع، نصب، جر تینوں حالتوں میں اعراب تقدیری ہوگا، مطلقاً کا یہی مطلب ہے۔

**ثقیل ہونے کے مواقع**: اور جہاں اعراب لفظی ثقیل ہو، اس کے بھی

دو موقعے ہیں۔(۱) اسم منقوص، یعنی جس کے آخر میں یاء ہو اور ماقبل مکسور ہو، خواہ یاء موجود ہو۔ جیسے: ''القاضی'' میں، یا یاء محذوف ہو جائے۔ جیسے: ''قاضٍ'' میں۔ اس صورت میں صرف رفعی اور جری حالت میں اعراب تقدیری ہوگا۔ نصبی حالت میں اعراب تقدیری نہیں ہوگا۔ کیونکہ یاء پر صرف ضمہ اور کسرہ ثقیل ہوتا ہے فتحہ ثقیل نہیں ہوتا۔

(۲) جمع مذکر سالم مضاف بیاء متکلم۔ اس میں صرف رفعی حالت میں اعراب تقدیری ہوتا ہے، نصبی و جری میں نہیں۔ کیونکہ جب جمع کی اضافت یاء متکلم کی طرف کریں گے تو اضافت کی وجہ سے نونِ جمع گر جائے گا، تو مثلاً: ''ملسموي'' ہو جائے گا۔ اس کے بعد واؤ اور یاء کے جمع ہونے کی وجہ سے واؤ کو یاء سے بدل کر یاء کا یاء میں ادغام کر دیں گے اور ماقبل کے ضمہ کو یاء کی مناسبت سے کسرہ سے بدل دیں گے ''مسلمیَّ'' ہو جائے گا۔ تو اب چونکہ واؤ کا وجود ہی ختم ہو گیا تو اعراب کس پر آئے گا۔ اس لئے اعراب تقدیری ہو گیا۔ اور نصبی و جری حالت میں جمع مذکر سالم کا اعراب یاء ماقبل مکسور ہوتا ہے اور یاء موجود ہے، ادغام ہونے کی وجہ سے یاء کا وجود ختم نہیں ہوا۔ اس لئے ان دونوں حالتوں میں اعراب تقدیری نہیں ہوگا، بلکہ لفظی ہوگا۔

اعراب تقدیری کے ان دو موقعوں کے علاوہ تمام مواقع اعراب لفظی کے ہیں۔ اس طرح مختصر الفاظ میں مقصد حاصل ہو جانے کی وجہ سے مصنف نے اعراب کی بحث کو ختم کر دیا۔

**''ونحو مسلمی'' کہنے کی وجہ:** مصنفؒ نے ''نحو مسلمی'' کہہ کر اس مثال کو الگ سے بیان کیا ''قاضٍ'' پر عطف نہیں کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ لفظ ''نحو'' زیادہ کر کے اس طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ تعذر کی وجہ سے اعراب تقدیری صرف اعراب بالحرکت میں ہوتا ہے۔ اور ثقل کی وجہ سے اعراب تقدیری کبھی اعراب بالحرکت میں ہوتا ہے اور کبھی اعراب بالحرف میں، گویا دونوں میں ہوتا ہے۔ اعراب بالحرکت میں رفعی و جری حالت میں اور اعراب بالحرف میں صرف رفعی حالت میں۔ اور اگر کہیں اعراب بالحرف تینوں حالتوں میں تقدیری ہو جائے تو یہ شاذ ہے۔

**فیما عداہ میں "ہ" ضمیر کا مرجع:** "ہ" ضمیر کا مرجع "ما" ہے جس سے مراد تعذر و ثقل کی دونوں صورتیں ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اعراب تقدیری تو وہاں ہوگا جہاں اعراب لفظی متعذر ہو یا ثقیل ہو، اور ان دونوں کے علاوہ میں اعراب لفظی ہوگا۔ واللہ اعلم۔

# غیر منصرف کا بیان

غیر المنصرف مافیه علتان من تسع أو واحدة منها تقوم مقامهما.

**ترجمہ:** غیر منصرف وہ اسم ہے جس میں نو (۹) علتوں میں سے دو علتیں ہوں یا نو علتوں میں سے ایک ایسی علت ہو جو دو علتوں کے قائم مقام ہو۔

**تشریح:** یعنی غیر منصرف وہ اسم معرب ہے کہ جس میں نو علتوں میں سے ایسی دو علتیں موجود ہوں جو کسی اسم میں شرائط کے ساتھ اکٹھی ہوں نیز وہ منع صرف میں موثر ہوں۔ یا ایک ہی علت ایسی ہو جو دو کے قائم مقام ہو، یعنی تنہا ہی منع صرف میں موثر ہو۔

وهي شعر.

عدل ووصف وتانيث ومعرفة ۞ وعجمة ثم جمع ثم تركيب

والنون زائدة من قبلها ألف ۞ ووزن الفعل وهذا القول تقريب

**ترجمہ:** اور وہ (نو علتیں) اس شعر کا مجموعہ ہیں۔ "عدل و وصف الخ" (شعر کا ترجمہ یہ ہے) عدل اور وصف اور تانیث اور معرفہ، اور عجمہ پھر جمع پھر ترکیب، اور نون حال یہ کہ اس سے پہلے الف زائد ہو۔ اور وزن فعل اور یہ قول تقریبی ہے۔

**تشریح:** یہاں سے مصنف "غیر منصرف کی نو علتوں (اسباب منع صرف) کو بیان فرمارہے ہیں۔ اس عبارت میں "ثم جمع، ثم تركيب" میں "ثم" صرف وزن شعری کی وجہ سے لایا گیا ہے، اور وہ واؤ کے معنی میں ہے، "تراخی" کے لئے نہیں ہے۔ شعر میں "عدل" سے "ووزن الفعل" تک "تقسيم الكل الى الأجزاء" ہے۔ جس

میں عطف مقدم ہوتا ہے ربط پر، یعنی وہ نو علتیں ان سب کا مجموعہ ہیں، ایسا نہیں کہ وہ نو علتیں عدل ہیں، اور وہ نو علتیں وصف ہیں الخ، یہ تو غلط ہو جائے گا۔

اس شعر میں "النون" ذوالحال ہے، اور "زائدة" صیغہ اسم فاعل، "من قبلها" اس کے متعلق، اور الف "زائدة" کا فاعل، اس کے بعد "النون" کا حال۔ اس ترکیب میں بظاہر صرف الف کی زیادتی معلوم ہوتی ہے حالانکہ الف اور نون دونوں ہی زیادہ ہوتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ عبارت "جاء نی زیدٌ راکباً من قبلہٖ اخوہٗ" (آیا میرے پاس زید اس حال میں کہ اس سے پہلے اس کا بھائی سوار ہو کر آیا) کی طرح ہے۔ جس طرح اس عبارت کا مطلب کلام عرب میں یہ لیا جاتا ہے کہ دونوں سوار ہو کر آئے البتہ بھائی پہلے آیا اور زید بعد میں۔ اسی طرح اعبارت میں "الف ونون" دونوں ہی کی زیادتی معلوم ہوئی۔ البتہ الف پہلے ہے اور نون بعد میں۔

**تقریب کا مطلب:** اس کے تین مطلب ہو سکتے ہیں۔ (۱) "تقریب" میں "یاء" نسبتی محذوف ہے۔ یعنی اصل میں "تقریبیٌّ" تھا، جس کے معنی مجازی کے ہیں۔ یعنی ان نو علتوں میں سے ہر ایک کو علت کہنا یہ قول مجازی ہے، حقیقی نہیں ہے۔ کیونکہ علت تو اس کو کہتے ہیں جس کے پائے جانے سے معلول پایا جائے، اور معلول یہاں غیر منصرف ہے، جو ان نو علتوں میں سے کسی ایک کے پائے جانے سے نہیں پایا جاتا، بلکہ دو کے پائے جانے سے پایا جاتا ہے۔ لہٰذا علت درحقیقت دو ملکر ہوئے نہ کہ ہر ایک الگ الگ (۲) دوسری صورت یہ ہے کہ "تقریب" مصدر کو "مقرِّب" اسم فاعل کے معنی میں لیا جائے۔ اس صورت میں دو مطلب ہوں گے۔ (۱) "مقرب الی الحفظ" یعنی یہ قول (اسبابِ منع صرف کو نظم میں بیان کرنا) یاد کرنے کے زیادہ قریب کرنے والا ہے۔ کیونکہ نظم کو یاد کرنا بہ نسبت نثر کے زیادہ آسان ہے (۲) "مقرب الی الصواب" (درستگی کے قریب کرنے والا) ہے کیونکہ اسباب منع صرف کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض گیارہ کہتے ہیں، بعض نو کہتے ہیں، اور بعض لوگ صرف دو کہتے ہیں۔ پہلے قول میں افراط ہے، تیسرے میں

تفریط ہے اور دوسرا درمیانی ہے۔ اور ''خير الأمور أوساطها'' کے قاعدے سے درمیانی قول جونوں کا ہے وہ زیادہ بہتر ہے۔ واللہ اعلم

**مثل عمر واحمر وطلحة وزينب وابراهيم ومساجد ومعديكرب وعمران واحمد.**

اس عبارت میں مصنف غیر منصرف کے نو اسباب میں سے ہر ایک کی ترتیب وار مثال بیان فرما رہے ہیں۔ جس کو ''لف ونشر مرتب'' کہتے ہیں، ترجمہ وتشریح ظاہر ہے۔

**وحكمه أن لا كسرة ولا تنوين.**

**ترجمہ:** اور غیر منصرف کا حکم یہ ہے کہ اس پر نہ تو کسرہ آئے گا اور نہ تنوین۔

**تشریح:** یہاں سے مصنف غیر منصرف پر دو علتوں کے پائے جانے سے جو اثر مرتب ہوتا ہے، اس کو بیان فرماتے ہیں۔ کہ غیر منصرف کا حکم یہ ہے کہ اس پر نہ تو کسرہ آتا ہے اور نہ تنوین، تنوین سے مراد تنوین تمکن ہے۔ جو اسم کے منصرف ہونے پر دلالت کرتی ہے۔

**غیر منصرف پر کسرہ اور تنوین نہ آنے کی وجہ:** غیر منصرف پر کسرہ اور تنوین نہ آنے کی وجہ یہ ہے کہ غیر منصرف فعل کے مشابہ ہے اور فعل پر کسرہ اور تنوین نہیں آتی، لہٰذا غیر منصرف پر بھی کسرہ اور تنوین نہیں آئے گی۔

اور غیر منصرف فعل کے مشابہ اس طرح ہے کہ فعل کے اندر دو فرعیتیں پائی جاتی ہیں۔ (۱) ایک تو یہ کہ وہ مشتق ہونے میں مصدر کا محتاج ہوتا ہے (۲) اور دوسری یہ ہے کہ وہ فاعل کا محتاج ہوتا ہے۔ اسی طرح غیر منصرف میں بھی دو فرعیتیں پائی جاتی ہیں۔ کیونکہ اس میں اسباب منع صرف میں سے دو سبب پائے جاتے ہیں، اور ہر سبب اپنی اصل کی فرع ہے۔ چنانچہ ''عدل'' معدول عنہ کی فرع ہے۔ اور ''وصف'' موصوف کی فرع ہے۔ اور ''تانیث'' تذکیر کی فرع ہے۔ اور ''تعریف'' تنکیر کی فرع ہے۔ اور ''عجمہ'' کلام عرب میں عربیت کی فرع ہے۔ اور ''جمع'' واحد کی فرع ہے۔ اور ''ترکیب'' افراد کی فرع

ہے۔اور"الف ونون زائد تان" مزید علیہ (جس پر یہ دونوں زائد ہوتے ہیں) کی فرع ہے۔اور"وزن فعل"وزن اسم کی فرع ہے۔

**ترکیب:**"حکمه" مبتدا۔"أن" مخففه من المثقله،"لا" لائے نفی جنس، "کسرة" معطوف علیہ،تنوین معطوف۔معطوف علیہ معطوف سے ملکر"لا" کا اسم،دوسرا لا زائد ہے۔"فيه"لا کی خبر محذوف ہے۔پھر"حکمه"کی خبر ہے۔

**ويجوز صرفه للضرورة أو للتناسب مثل سلاسلاً وأغلالًا.**

**ترجمه:** اور جائز ہے غیر منصرف کو منصرف (کے حکم میں) کر دینا،ضرورت کی وجہ سے یا تناسب کی وجہ سے۔جیسے:"سلاسلاً وأغلالاً"

**تشریح:** اوپر عبارت میں مصنفؒ نے یہ بیان کیا تھا کہ غیر منصرف پر کسرہ اور تنوین نہیں آتی، یہاں سے یہ بیان فرماتے ہیں کہ اگر غیر منصرف پر کسرہ اور تنوین آتی ہے تو کب آتی ہے۔تو فرماتے ہیں کہ اگر غیر منصرف پر کسرہ اور تنوین آئے گا تو دو وجہوں سے آئیگا۔
(۱)ضرورت کی وجہ سے (۲) تناسب کی وجہ سے۔

**ضرورت کا بیان:** ضرورت شعری کی تین قسمیں ہیں:(۱)وزن ٹوٹ جائے، جس کو"انکسار" کہتے ہیں۔اس کی مثال حضرت فاطمہؓ کا یہ شعر ہے:

صُبَّتْ عَلَیَّ مَصَائِبٌ لو اَنَّهَا ۞ صُبَّتْ عَلَی الْایامِ صِرْنَ لَیالِیًا

اس شعر میں اگر"مصائب"کو غیر منصرف پڑھا جائے تو وزن ٹوٹ جائے گا۔کیونکہ اس شعر کا وزن چھ مرتبہ"مُتَفَاعِلُنْ" ہے،تو اگر"مصائب" پر تنوین داخل نہ کی جائے تو "متفاعِلُنْ" کا وزن باقی نہ رہے۔اس لئے اس کو منصرف پڑھا گیا۔(مشکل ترکیبوں کا حل)(۲)اس اسم کو غیر منصرف پڑھنے کی صورت میں وزن تو باقی رہے البتہ سلاست باقی نہ رہے۔اس کو"انزحاف" کہتے ہیں۔اس کی مثال امام شافعیؒ کا یہ شعر ہے:

أعد ذكرَ نعمانٍ لنا اَنَّ ذِكْرَهُ
هُوَ المسكُ مَا كَرَّرْتَهُ يَتَضَوَّعُ

**ترجمہ:** نعمان یعنی امام ابوحنیفہؒ کا ذکر ہم سے بار بار کرو، کیوں کہ وہ مشک ہے جتنا اس کو رگڑو گے اتنا ہی وہ خوشبو دے گا۔

اس شعر میں نعمان پر اگر تنوین نہ پڑھی جائے تو وزن تو نہ ٹوٹے گا، البتہ سلاست باقی نہ رہے گی۔

(۳) کبھی قافیہ کی رعایت کی وجہ سے غیر منصرف کو منصرف پڑھا جاتا ہے۔ اس کی مثال یہ شعر ہے:

سلامٌ علیٰ خیرِ الْانامِ وسیّدٖ ۞ حبیبِ اِلٰہ العالمین محمَّدٖ

بشیر نَذِیرِ ھاشمیٍّ مُکرَّمٍ ۞ عَطوفٍ رؤفٍ من یُسمّٰی باحمدٖ

اس شعر میں "احمد" غیر منصرف ہے مگر قافیہ کی رعایت میں (کہ پورے شعر میں آخر کے لفظ پر زیر ہے) اس پر کسرہ پڑھا گیا۔

**تناسب کا بیان:** کبھی منصرف کی مناسبت سے غیر منصرف پر تنوین اور کسرہ پڑھا جاتا ہے۔ جیسے: "سلاسلاً و أغلالاً" اس میں "سلاسلاً" پر غیر منصرف ہونے کے باوجود تنوین پڑھی گئی۔ کیونکہ اس کو "اغلال" کے ساتھ مناسبت لفظی اور معنوی دونوں ہیں۔ کیونکہ اس کو "اغلال" کے ساتھ مناسبت لفظی اور معنوی دونوں ہیں۔ لفظی تو یہ ہے کہ دونوں ایک ساتھ مذکور ہیں۔ اور معنوی یہ ہے کہ "سلاسلا، سلسلة" کی جمع ہے اور "سلسلة" کے معنی زنجیر کے ہیں۔ اور "اغلالاً، غلّ" کی جمع ہے اور "غلّ" کے معنی طوق کے ہیں، زنجیر اور طوق میں مناسبت ظاہر ہے۔

**فائدہ:** (۱) قرآن کریم میں "سورۂ دہر" میں اگرچہ غیر منصرف ہی پڑھا جاتا ہے، مگر یہاں مراد کتابت ہے۔ اور اس لفظ کی کتابت لام الف کے ساتھ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کتابت کے اعتبار سے اس پر تنوین ہے۔

**فائدہ:** (۲) ضرورت شعری کی وجہ سے کسرہ اور تنوین غیر منصرف پر پڑھنا ضروری ہے اور تناسب کی وجہ سے جائز ہے، حالانکہ مصنفؒ نے دونوں کو "یجوز" سے بیان کیا

ہے۔تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں "یجوز" "لایمتنع" کے معنی میں ہے یعنی ممتنع اور منع نہیں، خواہ ضروری ہو۔ جیسے: ضرورت شعری کی وجہ سے، خواہ جائز ہو، جیسے: تناسب کی وجہ سے۔ واللہ اعلم

**ومایقوم مقامهما الجمع وألفا التانيث.**

**ترجمہ:** اور وہ ایک علت جو دو علتوں کے قائم مقام ہے جمع ہے اور تانیث کے دو الف ہیں۔

**تشریح:** مصنفؒ نے غیر منصرف کی یہ تعریف کی تھی کہ اس میں نو علتوں میں سے دو علت ہوں یا ایک ایسی علت ہو جو دو علتوں کے قائم مقام ہو۔ اس عبارت سے مصنفؒ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ وہ ایک علت جو دو کے قائم مقام ہے، وہ کون کون ہیں، فرماتے ہیں کہ ایسی دو علتیں ہیں: (۱) جمع یعنی جمع منتہی الجموع (۲) تانیث بالالف، الف مقصورہ ہو یا ممدودہ۔

**جمع منتهی الجموع کی تعریف:** جمع منتہی الجموع وہ جمع ہے کہ اس کے بعد اس جمع کی کوئی اور جمع تکسیر نہ آسکے۔ خواہ جمع سالم آجائے، جیسے: "صواحب" کی جمع "صواحبات"۔

**جمع منتهی الجموع کی علامت:** جمع منتہی الجموع کی علامت یہ ہے کہ اس کا پہلا حرف مفتوح ہو اور تیسرا حرف الف ہو اور الف کے بعد یا تو دو حرف ہوں جن میں پہلا مکسور ہو جیسے: "مساجد" اور یا تین حرف ہوں جن میں سے درمیانی حرف یاء ساکن ہو۔ جیسے: "مصابیح" یا ایک حرف مشدد ہو۔ جیسے: "دوابّ"۔

**جمع منتهی الجموع کی قسمیں:** جمع منتہی الجموع کی دو قسمیں ہیں: (۱) حقیقی (۲) حکمی۔ حقیقی کا مطلب یہ ہے کہ اس کو دو مرتبہ جمع بنایا گیا ہو۔ جیسے: "أکالِبُ" یہ "أکلُبٌ" کی جمع ہے، اور "أکلُب" "کلبٌ" کی جمع ہے۔ "أناعیم" یہ "أنعام" کی جمع ہے، اور "أنعام" "نَعَمٌ" کی جمع ہے۔ اور حکمی کا مطلب یہ ہے کہ وہ جمع اس جمع کے وزن پر

ہو جس کو دو مرتبہ جمع بنایا گیا ہو۔ جیسے: "مساجد" جو "مسجد" کی جمع ہے، یہ "أکالب" کے وزن پر ہے۔ اور "مصابیح" جو "مصباح" کی جمع ہے، یہ "أناعیم" کے وزن پر ہے۔

ان دونوں قسموں (حقیقی و حکمی) کا ایک ہی حکم ہے کہ وہ دو سبب کے قائم مقام ہے۔

**جمع منتهی الجموع کی وجه تسمیه :** اس جمع کو منتہی الجموع اس لئے کہتے ہیں کیوں کہ اس وزن پر جو جمع ہوگی اس کی جمع تکسیر کا سلسلہ آگے نہیں چلے گا، تو گویا اس کی جمع کی حد ختم ہوگئی۔ اسی لئے اس کو منتہی الجموع کہتے ہیں۔

**جمع منتهی الجموع کے دوسبب کے قائم مقام ہونے کی وجه:**

جمع منتہی الجموع دو سبب کے قائم مقام اس وجہ سے ہوتی ہے کہ اس میں تکرار جمع پایا جاتا ہے۔ تو اس تکرار جمع کی وجہ سے گویا اس میں دو فرعیتیں پائی گئیں۔ اور فعل کے مشابہ ہوگئی۔ لہٰذا اس پر کسرہ اور تنوین نہیں آئے گا۔

**تانیث بالالف کے دوسبب کے قائم مقام ہونے کی وجه:**

اور الف مقصورہ والف ممدودہ دو علتوں کے قائم مقام اس وجہ سے ہیں کہ ان کے اندر تانیث وضع کے وقت پائی جاتی ہے۔ اس لئے وہ کلمہ کے لئے لازم ہوجائے گی، اور لزوم کی وجہ سے وہ دوسری تانیث کے درجہ میں سمجھی جائے گی، تو اس تکرار تانیث کو دو فرعیتوں کے قائم مقام کردیا گیا۔ اور یہ دو فرعیتوں میں فعل کے مشابہ ہوگئی، لہٰذا اس پر کسرہ اور تنوین نہیں آئے گا۔

# اسباب منع صرف کا تفصیلی بیان

## (۱) عدل:

**فالعدل خروجه عن صيغته الأصلية تحقيقاً كثلٰث ومثلث وأخر وجُمع، أو تقديراً كعمر.**

**ترجمہ:** چنانچہ عدل اس (یعنی مادہ) کا نکلا ہوا ہونا ہے اپنے اصلی صیغہ (یعنی صورت) سے تحقیقی طور پر۔ جیسے: "ثلٰث" اور "مثلث" اور "أخر" اور "جمع" یا تقدیری طور پر۔ جیسے: "عمر"۔

**تشریح:** اوپر مصنفؒ نے اسباب منع صرف کو اجمالاً بیان کیا تھا، اب یہاں سے تفصیلاً بیان فرمارہے ہیں۔ سب سے پہلے عدل کو بیان فرماتے ہیں کہ عدل کا مطلب یہ ہے کہ کسی اسم کا مادہ اپنی اصلی صورت سے نکل کر دوسری صورت اختیار کرلے۔ اس تعریف کے علاوہ اس میں دو شرطیں اور ہیں۔ (۱) بغیر قاعدۂ صرفی کے نکلا ہو (۲) مادہ اور اصلی معنی باقی رہے۔ اب پوری تعریف اس طرح ہوئی کہ "عدل" وہ کسی اسم کے مادہ کا اپنی اصلی صورت سے بغیر کسی قاعدۂ صرفی کے نکلنا ہے اس شرط کے ساتھ کہ مادہ اور اصل معنی باقی رہیں۔

**عدل کی قسمیں:** عدل کی دو قسمیں ہیں: (۱) تحقیقی (۲) تقدیری۔ یہ تقسیم معدول عنہ کے اعتبار سے ہے ورنہ عدل تو تقدیری اور فرضی ہی ہوتا ہے۔ تفصیل یہ ہے کہ عدل کا حال باقی اسباب سے الگ ہے۔ دوسرے اسباب تو ایسے ہیں کہ غیر منصرف کے سبب بننے کے علاوہ بھی وہ استعمال ہوتے ہیں اور ضرورت پڑنے پر غیر منصرف کا سبب بھی بن جاتے ہیں۔ عدل ایسا نہیں ہے کہ غیر منصرف کے علاوہ بھی وہ استعمال ہوتا ہو۔ بلکہ وہ تو صرف غیر منصرف کی ضرورت کی بنا پر فرض کرلیا جاتا ہے۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ عدل کا کوئی معدول عنہ ہو، جس کو عدل کی اصل قرار دیا جائے۔ اب معدول عنہ کے وجود پر یا تو غیر منصرف کے علاوہ بھی دلیل موجود ہوگی یا نہیں، یعنی غیر منصرف کے علاوہ بھی اس کا استعمال

ہوتا رہتا ہے یا نہیں بلکہ صرف غیر منصرف کی بنا پر عدل کی وجہ سے اس کو فرض کیا جاتا ہے۔ پہلی قسم کا معدول عنہ تحقیقی ہے اور دوسری قسم کا فرضی ہے۔ تو تحقیقی اور تقدیری معدول عنہ کی قسمیں ہیں۔ اس کے واسطے سے عدل کی بھی قسمیں ہو جاتی ہیں۔ جس عدل کی اصل محقق ہو اس کو عدل تحقیقی اور جس کی اصل مقدر ہو اس کو عدل تقدیری کہتے ہیں۔ اور خود عدل دونوں صورتوں میں فرضی ہی ہے۔

**عدل تحقیقی کی مثالیں**: عدل تحقیقی کی مصنفؒ نے چار مثالیں دی ہیں: (۱) ثُلٰث (۲) مثلث (۳) اُخر (۴) جمع۔ یہ عدل تحقیقی کی مثالیں اس وجہ سے ہیں کہ ان کی اصل محقق ہے یعنی اس کے وجود پر غیر منصرف کے علاوہ بھی دلیل پائی جاتی ہے۔ مثلاً: "ثُلٰث" اس کے معنی میں تکرار ہے کیونکہ اس کے معنی ہیں (تین تین) اور تکرارِ معنی تکرارِ لفظ پر دلالت کرتا ہے۔ حالانکہ "ثُلٰث" مکرر نہیں، اس سے معلوم ہوا کہ اس کی اصل ایسا لفظ ہے جو مکرر ہے اور وہ "ثلٰثۃ، ثلٰثۃ" ہے۔ "مثلث" کی اصل بھی "ثلٰثۃٌ، ثلٰثۃٌ" ہے۔ ایسے ہی "احاد، موحد، ثناء، مثنی، رباع، مربعٌ"۔ یہاں تک تمام نحاۃ کا اتفاق ہے۔ اور "خماس، مخمس، سداس، مسدس، سباع، مسبع، ثمان، مثمن، تساع، متسع، عشار، معشَر" ان میں اختلاف ہے۔ ان سب کا حال بھی "ثلٰث و مثلث" کی طرح ہے یعنی ان سب کی اصل، لفظ مکرر ہے۔ اور دلیل، معنی میں تکرار کا ہونا ہے۔ ①

"اُخر" اس میں بھی عدل تحقیقی ہے۔ کیونکہ اس کی اصل پر بھی غیر منصرف کے علاوہ دلیل موجود ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ "اُخر" اُخریٰ کی جمع ہے، جو "آخر" کی مؤنث ہے۔ اور "آخر" اسم تفضیل ہے۔ اور اسم تفضیل کے استعمال کے تین طریقے ہیں: (۱) الف لام کے ساتھ

① فائدہ: یہاں پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ دوسرا سبب ان میں وصف ہے حالانکہ اعداد میں وصف عارضی ہوتا ہے اور غیر منصرف کا سبب وصف اصلی بنتا ہے تو جواب یہ ہے کہ عدل کے وقت ان میں وصفیت کا اعتبار کر لیا گیا اور عدل وضع ثانی کے درجہ میں ہے، تو وضع کے وقت ان میں وصفیت موجود ہوئی، لہٰذا یہ وصف اصلی کے درجہ میں ہو گیا۔

(۲) اضافت کے ساتھ (۳) "مــن" کے ساتھ۔ اور یہاں ان تینوں صورتوں میں سے کوئی صورت نہیں ہے، اس سے معلوم ہوا کہ "أخـــر" ان تینوں صورت میں سے کسی ایک سے معدول ہے۔ البتہ اضافت والی صورت سے عدول کر کے نہیں آسکتا۔ کیونکہ مضاف کو جب اضافت سے قطع کیا جاتا ہے تو تین صورتوں میں سے کوئی ایک صورت ہوتی ہے۔ (۱) یا تو مضاف کو ضمہ پر مبنی کیا جاتا ہے۔ جیسے: "قبل، بعد، حیث" وغیرہ (۲) یا اس تنوین آتی ہے۔ جیسے: "حینئذٍ، یومئذٍ" (۳) یا اضافت مکرر لائی جاتی ہے۔ جیسے: "یاتیم تیم عدیٍ" اور یہاں ان تین صورتوں میں سے کوئی صورت نہیں ہے، اس لئے یہ احتمال درست نہیں، اس لئے اس کو "الأخر" یا "آخر من" سے معدول مانا جائے گا۔

بعض لوگوں نے "الآخـــر" معرف باللام سے معدول مانا ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ "آخـــر" افراد، تثنیہ، جمع، تذکیر و تانیث وغیرہ میں ہمیشہ موصوف کے مطابق ہوتا ہے، اور ان امور میں مطابقت اسم تفضیل معرف باللام میں ہی ہوتی ہے۔

اور بعض لوگوں نے "آخـــر مــن" یعنی اس اسم تفضیل سے معدول مانا ہے جس کا استعمال "من" کے ساتھ ہوتا ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ اس صورت میں معدول اور معدول عنہ میں مطابقت باقی رہتی ہے۔ کیونکہ معدول یعنی "أخـــر" بھی نکرہ ہے اور معدول عنہ یعنی "آخـــر مــن" بھی نکرہ ہے، اور معرف باللام والی صورت میں معدول اور معدول عنہ میں مطابقت نہیں رہتی۔ معدول نکرہ ہے اور معدول عنہ معرفہ ہے۔

جُـمَـعُ: یہ بھی عدل تحقیقی کی مثال ہے کیونکہ اس کی اصل یعنی معدول عنہ کے وجود پر غیر منصرف پڑھنے کے علاوہ بھی دلیل پائی جاتی ہے۔ تفصیل یہ ہے کہ "جمع، جمعاء" کی جمع ہے جو "أجـــمـــع" کی مونث ہے۔ اور "أفـــعـــل" کی مؤنث ہے اس کے استعمال کی دو صورتیں ہیں۔

(۱) کبھی تو اس میں معنی وصفی کا لحاظ کیا جاتا ہے، اس صورت میں اس کی جمع "فُـعْـلٌ" کے وزن پر آتی ہے۔ جیسے: "حَمْرَاءُ" کی جمع "حُمْرٌ" ہے۔

(۲) اور کبھی معنی اسمی کا لحاظ ہوتا ہے، اس صورت میں اس کی جمع "فَعَالٰی" یا "فَعْلَاوَات" کے وزن پر آتی ہے۔ جیسے: "صحراء" کی جمع "صَحَارىٰ" یا "صحراوات" آتی ہے اس قاعدہ کی بنا پر "جمعاء" کی جمع یا تو "جُمْعٌ" آنی چاہئے۔ یا "جَماعىٰ" یا "جَمْعَاوات" آنی چاہئے۔ اور جب ان تینوں میں سے کوئی صورت نہیں تو معلوم ہوا کہ انہی تینوں میں سے کسی ایک سے معدول ہے۔

**فائدہ:** یہی حال جو "جُمع" کا بیان کیا گیا ہے "اجمع" کے اخوات "اکتع، أبتع، أبصع" کا بھی ہے کہ ان کی مؤنث "کتعاء، بتعاء، بصعاء" آتی ہے۔ اور قاعدہ کے مطابق ان کی جمع یا تو "كُتْعٌ، بُتْعٌ، بُصْعٌ" آنی چاہئے، یا "كَتَاعىٰ وَكَتْعَاوَات، بَتَاعىٰ وَبَتْعَاوَات، بَصَاعىٰ وَبَصْعَاوَات" آنی چاہئے، لیکن جب ایسا نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ انہیں تینوں میں سے کسی ایک سے معدول ہے۔ واللہ اعلم

**عدل تقدیری کی مثالیں:** عدل تقدیری کی مثال "عمر" ہے کہ اس کو غیر منصرف پڑھا جاتا ہے، لیکن غیر منصرف کے لئے دو سبب کی ضرورت ہے، اور "عمر" میں صرف علمیت ہے، غیر منصرف کے اسباب میں سے کوئی اور سبب اس میں نہیں ہے۔ اس لئے مجبوراً دوسرا سبب عدل مانا گیا، اور چونکہ عدل کے معنی ہیں اپنی اصلی صورت سے نکلنا، اس لئے اس کی اصل بھی فرض کرنی پڑی کہ اس کی اصل "عامر" ہے، اس سے عدول کر کے "عمر" کیا گیا۔ اسی طرح "زفر" ہے۔

---

وباب قطام في تميم.

---

**ترجمہ:** اور جیسا کہ قطام کا باب بنوتمیم کے نزدیک۔

**تشریح:** "قطام" سے مراد ہر ایسا کلمہ ہے جو "فَعَالِ" کے وزن پر ہو، مؤنث کا علم ہو، آخر میں راء نہ ہو، تو ایسے کلمہ میں بھی اکثر بنوتمیم کے نزدیک عدل تقدیری ہوتا ہے۔ عدل تقدیری کیوں ہوتا ہے اس کی وجہ سمجھنے کے لئے تھوڑی سی تفصیل سمجھنی چاہئے۔ تفصیل یہ ہے کہ "فَعَالِ" کی چار قسمیں ہیں۔

(۱) وہ "فَعَالِ" جو امر کے معنی میں ہو، جیسے: "نزالِ" بمعنی "اِنزِل" یہ تو مبنی ہے کیونکہ یہ مبنی اصل کے معنی میں ہے۔

(۲) وہ "فَعَالِ" جو مصدر معرفہ کے معنی میں ہو، جیسے: "فجار" بمعنیٰ "الفجور".

(۳) وہ "فَعَالِ" جو مؤنث کی صفت ہو، جیسے: "فَسَاقِ" "فَاسِقَةٌ" کے معنی میں ہے۔ جس کے معنی بدکار عورت کے ہیں۔ یہ دونوں "فَعَالِ" بھی مبنی ہیں۔ کیونکہ ان دونوں کو اس "فَعَالِ" کے ساتھ جو امر کے معنی میں ہوتا ہے وزن اور عدل میں مشابہت ہے۔

(۴) وہ "فَعَالِ" جو مؤنث کا علم ہو خواہ ذات الراء ہو یا نہ ہو، اس میں اختلاف ہے، اہل حجاز دونوں کو مبنی پڑھتے ہیں۔ اور اس کو عدل و وزن میں "فَعَالِ" بمعنی امر کے مشابہ قرار دیتے ہیں۔
اور اکثر بنوتمیم ذات الراء اور غیر ذات الراء میں فرق کرتے ہیں۔ ذات الراء کو وہ بھی مبنی پڑھتے ہیں اور اہل حجاز کی طرح عدل اور وزن میں "فَعَالِ" بمعنی امر کے مشابہ قرار دیتے ہیں۔ جیسے: "حَضَارِ" لیکن غیر ذات الراء کو یہ لوگ مبنی نہیں پڑھتے بلکہ غیر منصرف پڑھتے ہیں اور غیر منصرف پڑھنے کے لئے دو سبب علمیت اور تانیث اس میں پہلے سے موجود ہیں لیکن پھر بھی محض نظائر پر حمل کرنے کے لئے اس میں عدل مانا گیا۔ تاکہ ذات الراء اور غیر ذات الراء دونوں کا حکم ایک ہو جائے۔ اور اقل بنوتمیم دونوں کو غیر منصرف پڑھتے ہیں علمیت اور تانیث کی وجہ سے، لہٰذا ان کے نزدیک عدل کی ضرورت نہیں۔

**فائدہ:** (۱) مصنفؒ نے اس کو یہاں سے اس لئے ذکر فرمایا ہے تاکہ عدل کی تمام صورتوں کا احاطہ ہو جائے کہ عدل کا اعتبار کبھی غیر منصرف کا سبب بننے کے لئے کیا جاتا ہے۔ جیسے: "عمر، زفر" میں۔ اور کبھی مبنی ہونے کے لئے، جیسے: ذات الراء میں مثلاً: "حَضَارِ" اور کبھی محض نظائر پر حمل کرنے کے لئے۔ جیسے: "قطام"۔

**فائدہ:** (۲) عدل کے چھ اوزان ہیں: (۱) فُعَالُ، جیسے: ثُلٰثُ (۲) مَفْعَلُ، جیسے: "مَثْلَثُ (۳) فُعَلُ، جیسے: اُخَرُ، عُمَرُ (۴) فَعَلِ، جیسے: اَمْسِ (۵) فَعَالِ، جیسے: قَطَامِ۔
(۶) فَعَلُ، جیسے: سَحَرُ۔

## (۲) الوصف:

**ألوصف شرطه أن يكون في الأصل فلاتضره الغلبة.**

**ترجمہ:** وصف اس کی شرط یہ ہے کہ وہ اصلی ہو، لہٰذا اس کے لئے (اسمیت کا) غلبہ مضر نہیں ہے۔

**تشریح:** مصنفؒ یہاں سے اسباب منع صرف میں سے دوسرے سبب کی تفصیل بیان کررہے ہیں کہ وصف غیر منصرف کا سبب اس وقت بنے گا جب کہ وہ اصلی ہو یعنی وضع کے وقت موجود ہو۔ اگر وضع کے وقت وصف نہ ہو بلکہ بعد میں استعمال کے وقت اس کے اندر وصفیت آگئی ہو تو اس کا اعتبار نہیں، اس سے کلمہ غیر منصرف نہیں بنے گا۔ اور اگر وضع کے وقت ہو اور بعد میں اسمیت کے غلبہ کی وجہ سے وصفیت زائل ہوگئی ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں، وہ وصف بدستور غیر منصرف کا سبب بنے گا۔

**وصف کی تعریف اور قسمیں:** وصف کی تعریف یہ ہے: "كَوْنُ الإسمِ دالاعلى ذاتٍ مُبهمةٍ ماخوذةٍ مَعَ بعضِ صفاتها" یعنی وصف وہ اسم ہے جو ایسی ذات مبہمہ پر دلالت کرے جس میں بعض صفات کا لحاظ کیا جائے۔

**وصف کی قسمیں:** وصف کی دو قسمیں ہیں: (۱) وصف اصلی (۲) وصف عارضی۔ وصف اصلی کا مطلب یہ ہے کہ واضع نے جب اس کو وضع کیا ہو تو اس میں وصفیت کے معنی موجود ہوں۔ جیسے: "أحمر"۔ کہ یہ ایسی ذات پر دلالت کررہا ہے جس میں حمرت یعنی سرخی پائی جارہی ہے۔ وصف عارضی کا مطلب یہ ہے کہ وضع کے وقت اس میں وصفیت کے معنی نہ ہوں بلکہ استعمال کی وجہ سے اس میں وصفیت کے معنی پیدا ہوگئے ہوں۔ جیسے: "مررت برجالٍ ثلاثةٍ" کہ یہاں "ثلاثة" میں وصفیت عارضی ہے، اصلی نہیں۔ کیونکہ "ثلاثة" عدد معین پر دلالت کرتا ہے اور وصف میں تعین نہیں ہوتی۔

**وصف کا اصلی ہونا شرط کیوں؟:** وصف کے اصلی ہونے کی شرط

اس وجہ سے ہے کہ اسماء میں اصل انصراف ہے، لہٰذا وصف اصلی ہی میں یہ قوت ہے کہ وہ اصل یعنی منصرف کو غیر اصل یعنی غیر منصرف کی طرف راجع کردے۔ عارضی میں اصلی کو راجع کرنے کی قوت نہیں۔

**اسمیت کے غلبہ کا مطلب:** اسمیت کے غلبہ کا مطلب یہ ہے کہ وہ اسم اپنے بعض افراد کے ساتھ اس طرح خاص ہو جائے کہ اس فرد پر دلالت کرنے میں کسی قرینہ کی ضرورت نہ ہو۔ جیسے: لفظ "أسود" کہ یہ لفظ کالے سانپ کے ساتھ اس طرح خاص ہو گیا کہ جب بھی لفظ اسود بولیں گے تو کالے سانپ ہی کی طرف ذہن جائے گا۔ اور خلاف کے قرینہ کی صورت میں قرینہ کے مطابق بھی معنی ہو سکتے ہیں۔ مثلاً: فلاں آدمی کے سر پر عمدہ "اسود" کا مطلب سیاہ ٹوپی یا سیاہ عمامہ ہوگا۔

**فلذلک صرف أربع فی مررت بنسوة أربع وامتنع أسود وأرقم للحية وأدهم للقيد.**

**ترجمہ:** چنانچہ اسی وجہ سے "مررت بنسوة أربع" میں "أربع" منصرف ہے اور "أسود" اور "أرقم" جو دونوں سانپ کے لئے ہیں اور "أدهم" جو بیڑی کے لئے ہے غیر منصرف ہیں۔

**تشریح:** ماقبل میں بیان کیا گیا ہے کہ غیر منصرف کے سبب بننے میں وصف کا اصلی ہونا شرط ہے۔ (۱) اگر اصلی وضع میں وصف نہ ہو بعد میں استعمال کے وقت عارضی طور پر وصفیت پیدا ہو گئی ہو تو ایسے وصف کا کوئی اعتبار نہ ہوگا۔ (۲) لیکن اگر اصل میں یعنی وضع کے وقت وصف ہو اور بعد میں اسمیت کے غلبہ کی وجہ سے وصفیت زائل ہو جائے تو اس کا کوئی اثر نہ پڑے گا۔ وصف اصلی کا اعتبار کر کے بدستور وہ اسم غیر منصرف رہے گا۔ انہی دونوں باتوں پر تفریع کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ چونکہ وصف اصلی کا اعتبار ہے عارضی کا نہیں، لہٰذا "مررت بنسوة أربع" میں "أربع" منصرف ہے غیر منصرف نہیں، کیونکہ استعمال کے وقت عارضی طور پر "أربع" میں وصفیت آگئی ہے۔ اس میں وضع کے وقت وصفیت نہیں تھی۔

اور چونکہ وصف اصلی کا اعتبار ہوگا چاہے اسمیت کا غلبہ اس وضعی وصفیت کو ختم بھی کردے اس لئے "اسود وأرقم" اور "أدھم" غیر منصرف ہوں گے۔ کیونکہ ان میں وضع کے وقت وصفیت تھی، بعد میں اسمیت کے غلبہ کی وجہ سے اگر چہ وصفیت زائل ہوگئی۔ ان کلمات میں اسمیت کا غلبہ اس طرح ہوا ہے کہ "اسود" کالے سانپ کا، اور "أرقم" چتکبرے سانپ کا، اور "أدھم" بیڑی کا نام ہوگیا ہے۔ ان میں دوسرا سبب وزن فعل ہے۔

وضعف منع أفعیٰ للحیة وأجدل للصقر وأخیل للطائر .

**ترجمہ:** اور ضعیف ہے "أفعیٰ" کو غیر منصرف پڑھنا جو سانپ کے لئے ہے، اور "أجدل" کو غیر منصرف پڑھنا جو شکرے کے لئے ہے، اور "أخیل" کو غیر منصرف پڑھنا جو پرندہ کے لئے ہے۔

**تشریح:** مصنفؒ یہاں سے ایک سوال کا جواب دے رہے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ آپ نے ابھی فرمایا کہ وصف اصلی کا اعتبار ہوگا اور اسمیت کا غلبہ مضر نہیں ہے۔ اس وجہ سے "أفعیٰ، أجدل اور أخیل" کو غیر منصرف پڑھنا چاہئے۔ کیونکہ ان میں وصف اصلی ہے اگر چہ اسمیت غالب آگئی ہے۔ چنانچہ "أفعیٰ" سانپ کا اور "أجدل" شکرے کا، اور "أخیل" ایک پرندہ کا نام ہوگیا ہے۔ جس کے پروں میں تلوں جیسا نشان ہوتا ہے۔

مصنفؒ نے جواب دیا کہ وصف اصلی ہونے کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ اس میں وصفیت اصلیہ کا یقین ہو۔ اور ان کلمات میں وصفیت کا یقین نہیں ہے بلکہ صرف وہم اور گمان ہے، لہٰذا ان اسماء کا غیر منصرف پڑھنا ضعیف ہے۔ اور وہ وہم یہ ہے کہ "أفعیٰ" کے معنی خبیث سانپ کے ہیں، تو گمان یہ ہے کہ یہ کلمہ "فُعُوَّۃ" سے بنا ہے جس کے معنی خباثت کے ہیں۔ اسی طرح "أجدل" میں گمان یہ ہے کہ یہ کلمہ "جدل" سے مشتق ہے، جس کے معنی قوت کے ہیں۔ اور "أخیل" میں گمان یہ ہے کہ یہ "خال" سے بنا ہو، جس کے معنی تل کے ہیں۔ بہر حال معانی وصفیہ کا گمان ہونے کی وجہ سے ان اسماء کو غیر منصرف پڑھنے کی گنجائش ہے، لیکن یقین نہ ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

## (۳) تانیث:

**التانیث بالتاء شرطه العلمية والمعنوي كذلك .**

**ترجمہ:** تانیث بالتاء اس کی شرط علمیت ہے اور تانیث معنوی بھی اسی طرح ہے (اس میں بھی علمیت شرط ہے)

**تشریح:** تانیث کی دو قسمیں ہیں: (۱) تانیث لفظی (۲) تانیث معنوی۔ پھر تانیث لفظی کی دو قسمیں ہیں: (۱) تانیث بالتاء (۲) تانیث بالالف (مقصورہ ہو یا ممدودہ)

تانیث کی یہ سب قسمیں غیر منصرف کا سبب بنتی ہیں۔ تانیث بالالف کو مصنفؒ نے اوپر بیان کر دیا ہے کہ وہ دو سبب کے قائم مقام ہوتی ہے۔ اور اس میں کسی قسم کی شرط نہیں، البتہ تانیث بالتاء اور تانیث معنوی کے غیر منصرف کا سبب بننے کے لئے شرائط ہیں۔ لیکن دونوں کی شرائط میں فرق ہے۔ اس عبارت سے مصنفؒ اسی کو بیان کر رہے ہیں۔

**تانیث بالتاء کی شرط:** تانیث بالتاء کے غیر منصرف کا سبب بننے کی شرط علم ہونا ہے، چاہے وہ مذکر کا علم ہو یا مؤنث کا، جیسے: "طلحة" اور "فاطمة"۔

تانیث بالتاء میں علم ہونے کی شرط دو وجہوں سے ہے (۱) پہلی وجہ یہ ہے کہ جب کلمہ علم ہو جائے گا تو اس میں کسی قسم کا تغیر نہ ہو سکے گا اور تانیث کلمہ کے لئے لازم ہو جائے گی، زائل نہ ہو سکے گی (۲) علمیت کلمہ کے لئے وضع ثانی کا درجہ رکھتی ہے۔ اور وضع کے وقت جتنے حروف ہوتے ہیں وہ سب محفوظ رہتے ہیں، ان میں تغیر نہیں ہوتا اس طرح تانیث کے اندر قوت پیدا ہو جائے گی، جس کی وجہ سے وہ غیر منصرف کا سبب بنے گی۔

**تانیث معنوی کی شرط:** جس طرح تانیث لفظی بالتاء میں علمیت شرط ہے، اسی طرح تانیث معنوی کے اندر بھی علمیت شرط ہے، لیکن دونوں میں فرق یہ ہے کہ تانیث لفظی میں شرط وجوبی ہے، اور تانیث معنوی میں شرط جوازی ہے۔ یعنی اگر علمیت تانیث لفظی کے ساتھ پائی جائے گی تو اس کا غیر منصرف پڑھنا ضروری ہوگا، اور اگر تانیث

معنوی کے ساتھ پائی جائے گی تو اس کا غیر منصرف پڑھنا جائز ہوگا، واجب نہیں۔ ''کـذلک'' سے منصفؒ نے اسی فرق کی طرف اشارہ کیا ہے ورنہ عبارت اس طرح ہوتی ''التانیثُ بالتاءِ والمعنویُ شرطُهما العلميَّةُ''۔

**وشـرط تـحتّم تـاثير ه الزيادة على الثلاثة أوتحرك ألاوسط أو العجمة .**

**تـرجـمـه:** اوراس (تانیث معنوی) کے اثر کرنے کے وجوب کی شرط تین حرفوں سے زیادہ ہونا ہے، یا درمیانی حرف کا متحرک ہونا ہے یا عجمی ہونا ہے۔

**تشـریح:** اوپر بیان کیا گیا کہ تانیث معنوی کے لئے علمیت شرط جوازی ہے۔اب یہاں سے اس کی شرط وجوبی بیان کررہے ہیں کہ تانیث معنوی کے اثر کرنے کی شرط وجوبی علی سبیل منع الخلو تین باتوں میں سے کوئی ایک ہے۔یعنی ایسا ہوسکتا ہے کہ ان میں سے دو شرطیں یا تینوں کسی اسم میں اکٹھی ہوجائیں لیکن ایسا نہیں ہوگا کہ کوئی بھی شرط نہ ہو۔اگر ایسا ہوگا تو اس کا غیر منصرف پڑھنا واجب نہ ہوگا۔وہ شرطیں یہ ہیں (۱) تین حروف سے زیادہ ہونا (۲) اگر تین حرف ہوں تو بیچ والے حرف کا متحرک ہونا (۳) عجمی ہونا۔یہ امور ایسے ہیں کہ ان کی وجہ سے کلمہ کے اندر ثقل پیدا ہوجائے گا اور یہی ثقل غیر منصرف کے سبب بننے کی وجہ ہوگا۔چنانچہ ''زيادت على الثلاثة''اور''متحرك الأوسط''کا ثقیل ہونا تو ظاہر ہے، کہ تین حروف سے زائد کلمہ بہ نسبت تین حرف والے کلمہ کے ثقیل ہے اور اسی طرح ''متحرك الأوسط ، ساكن الأوسط'' کے مقابلہ میں ثقیل ہے۔عجمی کلمہ میں ثقل اس وجہ سے ہے کہ ہر زبان والے پر دوسری زبان کا کلمہ ثقیل ہوتا ہے، اس لئے اہل عرب پر عجمی کلمہ ثقیل ہوگا۔

**فهند يجوز صرفه وزينب وسقر وماه وجور ممتنع .**

**تـرجمه:** چنانچہ ''هند''کو منصرف پڑھنا بھی جائز ہے اور زینب، سقر، ماہ اور جور کو غیر منصرف پڑھنا واجب ہے۔

**تشریح:** یہاں سے شرائط مذکورہ پر تفریع کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ "هند" میں غیر منصرف کے جواز کی شرط پائی جاتی ہے یعنی تانیث اور علمیت، اس لئے غیر منصرف پڑھنا بھی جائز ہے اور منصرف پڑھنا بھی۔ اور اس میں شرط وجوبی (یعنی زیادة علی الثلاثة، یا تحرک الاوسط، یا عجمہ) نہیں پائی جاتی اس وجہ سے غیر منصرف پڑھنا واجب نہیں۔

اور "زینب، سقر، ماہ، جور" میں شرط جواز یعنی تانیث وعلمیت کے ساتھ ساتھ شرط وجوبی بھی پائی جاتی ہے، اس لئے ان کو غیر منصرف پڑھنا واجب ہے۔ "زینب" میں زیادت علی الثلاثة ہے، اور "سقر" میں تحریک الاوسط ہے، "ماہ" اور "جور" میں عجمہ ہے۔

---

**فإن سمي به مذكر فشرطه الزيادة على الثلاثة .**

**ترجمہ:** پس اگر تانیث معنوی کے ساتھ کسی مذکر کا نام رکھ دیا جائے تو پھر اس کی شرط تین حروف سے زیادہ ہونا ہے۔

**تشریح:** یہاں سے منصفؒ یہ بیان کررہے ہیں کہ تانیث بالتاء میں تو علمیت شرط ہے خواہ وہ مذکر کا علم ہو یا مؤنث کا، دونوں صورتوں میں غیر منصرف کا سبب بنے گی۔ لیکن اگر تانیث معنوی کے ساتھ کسی مذکر کا نام رکھ دیا جائے تو پھر اس کے غیر منصرف بننے کے لئے یہ شرط ہے کہ تین حروف سے زیادہ ہوں۔ کیوں کہ چوتھا حرف تانیث کے قائم مقام ہو جائے گا، جس کی وجہ سے حکماً اس کی تانیث باقی رہے گی۔

---

**فقدم منصرف وعقرب ممتنع .**

**ترجمہ:** پس "قدم" منصرف ہے اور "عقرب" غیر منصرف ہے۔

**تشریح:** ماقبل کی شرط پر تفریع ہے کہ تانیث معنوی کے ساتھ مذکر کا نام رکھنے کی صورت میں اس کا تین حروف سے زیادہ ہونا ضروری ہے۔ اور یہ شرط "قدم" میں نہیں پائی جاتی، اس لئے وہ منصرف ہے۔ اور "عقرب" کے اندر پائی جاتی ہے اس لئے وہ غیر منصرف ہے۔

## چوتھے حرف کے تانیث کے قائم مقام ہونے کی دلیل:

اب یہاں یہ سوال ہوتا ہے کہ اس کی کیا دلیل ہے کہ چوتھا حرف تانیث کے قائم مقام ہے؟ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ تصغیر کی صورت میں تمام حروف اصلی موجود ہو جاتے ہیں، اگر حروف اصلی میں سے کوئی حرف نہ آئے تو سمجھا جائے گا کہ اس کا کوئی قائم مقام ہے جس کی وجہ سے تصغیر میں حرف اصلی لانے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ اس قاعدہ کی بناء پر جب دیکھا گیا کہ "قدم" کی تصغیر "قدیمة" آتی ہے اور "عقرب" کی "عقیرب" ہے، تو اس سے معلوم ہوا کہ "قدم" کے اندر کوئی ایسا حرف نہیں جو تاء تانیث کے قائم مقام ہو، ورنہ تصغیر میں تاء نہ آتی۔ اور "عقرب" کے اندر قائم مقام ہے اسی وجہ سے "عقیرب" میں تاء تانیث نہیں آئی۔

## (۴) معرفہ:

**المعرفة شرطها أن تكون علمية .**

**ترجمہ:** معرفہ اس کی شرط یہ ہے کہ وہ علم ہو۔

**تشریح:** مصنفؒ نے معرفہ کے لئے علمیت کو شرط قرار دیا ہے، معرفہ کی باقی قسموں کا اعتبار نہیں کیا۔ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ متقدمین کے نزدیک معرفہ کی پانچ قسمیں ہیں۔ ان میں سے مضمرات، اسماء اشارات اور موصولات مبنی ہیں، لہٰذا وہ غیر منصرف کا سبب نہیں بن سکتے۔ اور باقی دو قسمیں یعنی معرف باللام اور معرف باضافت یہ غیر منصرف کو منصرف بنا دیتی ہیں یا منصرف کے حکم میں کر دیتی ہیں، اس لئے یہ دونوں بھی غیر منصرف کا سبب نہیں بن سکتی۔ علم باقی رہ گیا۔ اس لئے صرف اسی کا اعتبار کیا گیا۔

**سوال:** یہاں پر یہ سوال ہوتا ہے کہ جب معرفہ کی قسموں میں علم ہی کا اعتبار ہے تو پھر اتنی طویل عبارت کیوں لائے، یوں کہہ دیا جاتا کہ اسباب منع صرف میں سے ایک علمیت ہے۔

**جواب:** اس کا جواب یہ ہے کہ غیر منصرف کے تمام اسباب اپنی اصل کی فرع ہیں۔ تو یہاں معرفہ کو نکرہ کی فرع کہنا زیادہ ظاہر ہے، بہ نسبت اس کے کہ علمیت کو نکرہ کی فرع کہا جائے، اس لئے مصنفؒ نے معرفہ ذکر کیا اور علمیت کو اس کی شرط قرار دیا۔

## (۵) عجمہ:

**العجمة شرطها ان تكون علمية وتحرك الأوسط او الزيادة على الثلاثة.**

**ترجمہ:** عجمہ اس کی شرط یہ ہے کہ وہ علم ہو اور درمیانی حرف متحرک ہو یا تین حروف پر زیادہ ہو۔

**تشریح:** مصنفؒ نے عجمہ کی دو شرطیں بتائی ہیں: (۱) پہلی شرط یہ ہے کہ وہ کلمہ لغتِ عجم میں کسی کا علم ہو۔ کیونکہ عجمی لفظ کا ادا کرنا اہلِ عرب پر دشوار ہوگا اس لئے ہوسکتا ہے کہ وہ آسانی کے لئے اس میں کچھ تبدیلی کرنا چاہیں۔ تو علم ہونے کی وجہ سے اس میں کچھ تبدیلی نہ کرسکیں گے، اور کلمہ کے اندر ثقل بدستور رہے گا، جو غیر منصرف کے سبب بننے کی وجہ ہوگا۔

عجمہ میں علم کی دو قسمیں ہیں: (۱) حقیقۃً علم ہو۔ جیسے: "ابراھیم" کہ یہ لغت عجم میں بھی علم ہے اور عربی میں استعمال کے بعد بھی علم ہے (۲) یا حکماً علم ہو۔ یعنی عجمہ میں تو علم نہ ہو، لیکن جب اس کو نقل کیا گیا ہو تو اہل عرب نے اس کو علم ہی کے لئے نقل کیا ہو۔ اس میں کوئی تغیر نہ کیا ہو۔ جیسے: "قالون" قالون عجم میں ہر اچھی چیز کو کہتے ہیں۔ لیکن اہل عرب نے نقل کرنے کے بعد ایک قاری صاحب کا نام رکھ دیا۔ کیونکہ وہ بہت عمدہ قاری تھے۔

(۲) دوسری شرط دو چیزوں میں سے کوئی ایک ہے۔ متحرک الاوسط ہو، یا زائد علی الثلاثۃ ہو۔ یہ دونوں ہی ایسے ہیں جن کی وجہ سے کلمہ ثقیل ہوتا ہے جو غیر منصرف کا سبب بننے کی وجہ ہے۔

**فنوح منصرف وشتر وإبراهيم ممتنع.**

**ترجمہ:** پس "نوح" منصرف ہے، "شتر" اور "إبراهيم" غیر منصرف ہیں۔

**تشریح:** "نوح" چونکہ نہ تو متحرک الاوسط ہے اور نہ "زائد علی الثلاثة" ہے، اس لئے یہ منصرف ہے اور "شتر" میں علمیت کے ساتھ ساتھ "تحرک الاوسط" ہے اور "ابراھیم" میں "زیادة علی الثلاثة" ہے، اس لئے یہ دونوں غیر منصرف ہیں۔

**فائدہ:** (۱) انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ناموں میں سے چھ نام منصرف ہیں، باقی سب غیر منصرف ہیں۔ ان چھ اسموں کو کسی فارسی شاعر نے نظم کیا ہے:

گرہمی خواہی کہ دانی اسم ہر پیغمبرے ۞ تا کدام ست اے برادر نزد نحوی منصرف
صالح وہود ومحمد باشعیب ونوح ولوط ۞ منصرف دان وباقی ہمہ لاینصرف

ان چھ ناموں کو بعض حضرات نے "مص نهشل" میں جمع کر دیا ہے۔ م سے محمد، ص سے صالح، ن سے نوح، ہ سے ہود، ش سے شعیب، ل سے لوط علیہم الصلوٰۃ والسلام۔

**فائدہ:** (۲) مذکورہ چھ ناموں کے علاوہ جو ان کے وزن پر ہو گا وہ بھی منصرف ہی ہوگا۔ جیسے: "عزیر" بروزن "شعیب" ہے۔ اور ساکن الاوسط ہونے میں "شیث" بروزن "نوح" ہے۔

## (٦) جمع:

**الجمع شرطه صيغة منتهى الجموع بغيرهاء كمساجد ومصابيح وأما فرازنة فمنصرف .**

**ترجمہ:** جمع اس کی شرط منتہی الجموع کا صیغہ ہے بغیر ہاء کے۔ جیسا کہ "مساجد" اور "مصابیح" بہرحال "فرازنة" تو یہ منصرف ہے۔

**تشریح:** ماقبل میں یہ بات گذر چکی ہے کہ جمع تنہا دوسببوں کے قائم مقام ہے۔ یہاں سے یہ بات بیان کی جارہی ہے کہ یہ دوسببوں کے قائم مقام جب ہوگی جب کہ دوشرطیں پائیں جائیں۔ (۱) منتہی الجموع کا صیغہ ہو (۲) دوسری شرط یہ ہے کہ اس کے آخر میں ایسی تاء نہ ہو جو وقف کی حالت میں ہاء ہو جاتی ہے۔

منتہی الجموع کی قسمیں، وجہ تسمیہ، علامت اور اس کے دوسببوں کے قائم مقام ہونے کی وجہ ماقبل میں گذر چکی ہے۔ فتطالع ثمہ .

اور دوسری شرط یعنی "بغیر ھاء" کی وجہ یہ ہے کہ ایسی تاء کی وجہ سے کلمہ مفرد کے وزن پر ہو جائے گا، جس کی وجہ سے اس کی جمعیت میں فتور پیدا ہو جائے گا، لہٰذا وہ دوسببوں کے قائم مقام نہیں ہو سکے گا۔ جیسے: "فرازنة" جو "فرزان" یا "فِرْزِیْنٌ" کی جمع ہے۔ یہ "کراھیة" کے وزن پر ہے جو "کراھة" کے معنی میں ہے۔

**وحصاجر علما للضبع غير منصرف لأنه منقول عن الجمع .**

**ترجمہ:** اور "حضاجر" حال یہ کہ وہ علم ہے بجو کا، غیر منصرف ہے۔ اس لئے کہ یہ جمع سے منقول ہے۔

**تشریح:** یہ ایک سوال کا جواب ہے، سوال یہ کہ مصنفؒ نے جمع کو غیر منصرف کا سبب اور صیغہ منتہی الجموع کو اس کی شرط قرار دیا ہے۔ حالانکہ "حضاجر" (جو بجو کا علم جنس ہے) جمع نہیں ہے۔ تو جب یہ جمع نہیں تو شرط ہی کیا فائدہ دے گی۔ لہٰذا یہ غیر منصرف نہ ہونا چاہئے۔ حالانکہ اس کو غیر منصرف پڑھا جاتا ہے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ فی الحال اگر چہ جمع نہیں ہے لیکن جمع سے منقول ہے، کیونکہ یہ اصل میں "حضجر" کی جمع ہے جس کی معنی "عظیم البطن" (بڑے پیٹ والا) کے ہیں۔ تو حاصل یہ ہوا کہ اگر چہ یہ اس وقت جمع نہیں لیکن جمعیتِ اصلیہ کا اعتبار کر کے اس کو غیر منصرف پڑھا گیا ہے۔

اور بجو کا نام یہ اس لئے رکھا گیا کیونکہ اس کا پیٹ بہت بڑا ہوتا ہے۔ گویا کہ کئی بڑے پیٹ والوں کے برابر اس کا تنہا کا پیٹ ہے۔

**وسراويل إذا لم يصرف وهو الأكثر فقد قيل أعجمي حمل على موازنه وقيل عربي جمع سروالة تقديراً وإذا صرف فلا إشكال.**

**ترجمہ:** اور سراویل جب کہ غیر منصرف پڑھا جائے اور یہی استعمال میں زیادہ

ہے تو کہا گیا ہے کہ یہ عجمی لفظ ہے اس کو جمع منتہی الجموع کے وزنوں پر حمل کرلیا گیا، اور کہا گیا کہ عربی لفظ ہے "سـروالة" کی جمع ہے تقدیراً اور جب منصرف پڑھا جائے تو کوئی اشکال نہیں۔

**تشریح:** یہ بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ "حضاجر" میں تو آپ نے یہ کہدیا کہ یہ جمع سے منقول ہے یعنی یہ اصلاً جمع ہے۔ لیکن "سراویل" میں نہ تو اصلاً جمع ہے نہ حالاً جمع ہے۔ پھر بھی یہ غیر منصرف ہے۔ جواب یہ ہے کہ اس میں دو مذہب ہیں۔ بعض لوگ تو یہ کہتے ہیں کہ یہ منصرف ہے، اس صورت میں تو کوئی اشکال ہی نہیں۔ اس بات کو مصنفؒ نے "وإذا صرف فلا إشكال" سے بیان کیا ہے۔

اور بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ غیر منصرف ہے۔ پھر غیر منصرف کہنے والوں میں دو فریق ہو گئے۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ عجمی لفظ ہے لیکن عربی کلمات جو اس وزن پر ہیں وہ غیر منصرف ہیں ان پر حمل کر کے اس کو بھی غیر منصرف پڑھا جاتا ہے۔

اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ عربی کلمہ ہے اور اس کو "سـروالة" کی جمع مان لیا گیا، پائجامہ کا ہر ٹکڑا "سروالة" ہے اور پورا پائجامہ "سراویل" ہے۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ جمع منتہی الجموع جو غیر منصرف کا سبب ہے وہ عام ہے خواہ جمع حقیقی ہو یا فرضی۔ اور "سراویل" میں جمع فرضی ہی ہے۔

ونحو جوار رفعاً وجراً كقاضٍ.

**ترجمہ:** اور "جوار" جیسا کلمہ رفعی و جری حالت میں "قاضٍ" کی طرح ہے۔

**تشریح:** "سراویل" کے منصرف اور غیر منصرف پڑھنے میں اختلاف ہے، تو چونکہ "جـوار" جیسے لفظ کے منصرف اور غیر منصرف پڑھنے میں بھی اختلاف ہے، اس مناسبت سے "سراویل" کے بعد "جوار" جیسے لفظ کو بیان کر رہے ہیں۔

"جـوار" جیسے لفظ سے مراد ہر وہ جمع ہے جو "فـواعـل" کے وزن پر ہو، خواہ ناقص واوی ہو یا ناقص یائی ہو۔ جیسے: "الـدواعـی، الـجـواری، الـغـواشی" وغیرہ۔ مصنفؒ

فرماتے ہیں کہ اس قسم کی جمع کا حکم رفعی اور جری حالت میں "قاضٍ" کی طرح ہے۔ یعنی یاء حذف ہوکر آخر میں تنوین آئے گی۔

لیکن حالتِ نصبی میں یاء سلامت رہے گی تنوین نہیں آئے گی بلکہ فتحہ آئے گا، اور اس حالت میں بالاتفاق یہ کلمہ غیر منصرف ہے، اس وجہ سے کہ منتہی الجموع کا صیغہ اپنے حال پر باقی ہے۔

البتہ حالت رفعی اور جری میں غیر منصرف پڑھنے نہ پڑھنے کے سلسلہ میں اختلاف ہے۔ اور اس بارے میں تین مذہب ہے:

(۱) زجاج اور سیبویہؒ کا مذہب یہ ہے کہ قبل تعلیل وبعد تعلیل یہ کلمہ منصرف ہے۔

(۲) کسائی اور ابوعمرو بصریؒ کہتے ہیں کہ دونوں حالتوں میں غیر منصرف ہے۔

(۳) اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ قبل تعلیل منصرف اور بعد تعلیل غیر منصرف۔

## (۷) ترکیب:

**التركيب شرطه العلمية وأن لايكون بـا ضافة ولا اسناد مثل بعلبك.**

**ترجمہ:** ترکیب، اس کی شرط علم ہونا ہے اور یہ کہ ترکیب اضافی واسنادی نہ ہو۔ جیسے: بعلبک۔

**تشریح:** اسباب منع صرف میں سے ساتواں سبب ترکیب ہے۔ اس کے اثر کرنے کے لئے دو قسم کی شرطیں ہیں (۱) وجودی (۲) عدمی۔ وجودی یہ ہے کہ وہ کلمہ علم ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ترکیب ایک عارضی شئی ہے۔ اس لئے کہ ہر کلمہ کی وضع علی الانفراد ہوئی ہے۔ تو جب وہ کلمہ علم ہوگا تو ترکیب میں استحکام اور مضبوطی آجائے گی اور اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی۔ "لأن الأعلامَ لا تتغيّرُ"۔

اور عدمی شرطیں دو ہیں: (۱) ترکیب اضافی نہ ہو۔ کیونکہ اضافت، مضاف کو یا تو منصرف کے حکم میں کر دیتی ہے یا منصرف بنا دیتی ہے۔ لہٰذا اضافت غیر منصرف کا سبب نہیں

بن سکتی۔(۲) اور ترکیب اسنادی نہ ہو۔ کیونکہ ترکیب اسنادی جو علم کو شامل ہو وہ مبنی ہوتی ہے۔لہٰذا وہ بھی غیر منصرف کا سبب نہیں بن سکتی۔ کیونکہ غیر منصرف معرب ہے۔ جیسے: "بعلبک"، "بعل" ایک بت کا نام ہے، اور "بک" اس شہر کے بنانے والے کا نام ہے۔ دونوں کو ملا کر ایک شہر کا نام رکھدیا۔

## (۸) الف نون زائدتان:

الألف والنون إن كانتا في إسم فشرطه العلمية كعمران أو صفة فانتفاء فعلانة وقيل وجود فعلىٰ.

**ترجمہ:** الف ونون اگر اسم میں ہوں تو اس کی شرط علمیت ہے۔ جیسے: "عمران" یا اگر دونوں صفت، میں ہوں تو (اس کی شرط) "فعلانة" کا نہ ہونا ہے، اور کہا گیا ہے کہ "فعلی" کا ہونا ہے۔

**تشریح:** الف ونون بھی غیر منصرف کا سبب ہیں، لیکن یہ سبب اس وقت ہوں گے جب کہ زائد ہوں، اصلی نہ ہو۔ الف ونون کو "زائدتان" بھی کہا جاتا ہے اور "مضارعتان" بھی۔ "مضارعتان" کے معنی "مشابهتان" کے ہیں۔ ان کو "زائدتان" کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ زائد ہوتے ہیں اور "مضارعتان" کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ تانیث کے دونوں الف، الف مقصورہ وممدودہ کے مشابہ ہیں کہ جس طرح ان کے آخر میں تاء تانیث نہیں آتی اسی طرح الف ونون کے آخر میں بھی تاء تانیث نہیں آتی۔

**فائدہ:** الف ونون کا زائد ہونا بھی غیر منصرف کا سبب ہوسکتا ہے اور الف مقصورہ وممدودہ کے مشابہ ہونا بھی، دونوں صحیح ہیں۔ کیونکہ سبب ہونے کا مدار فرعیت پر ہے۔ اور یہ بات دونوں صورتوں میں ہے۔ اس لئے کہ زائد، مزید علیہ کی فرع ہے اور مشبہ، مشبہ بہ کی فرع ہے۔

**الف ونون کے استعمال کی صورتیں اور شرائط:** الف ونون کے استعمال کی دو صورتیں ہیں: (۱) کبھی اسم ذات کے آخر میں آتا ہیں۔ (۲) اور کبھی اسم

صفت کے آخر میں آتے ہیں۔ اگر اسم ذات کے آخر میں آئیں تو شرط یہ ہے کہ وہ علم ہو، اور اگر اسم صفت کے آخر میں آئیں تو شرط کے بارے میں دو قول ہیں: (۱) بعض کہتے ہیں کہ اس کی مؤنث "فعلانۃ" کے وزن پر نہ ہو۔ یعنی آخر میں تاء نہ آئے۔ (۲) بعض کہتے ہیں کہ اس کی مؤنث "فعلی" کے وزن پر آئے۔ اس کا مقصد بھی یہی ہے کہ آخر میں تاء نہ آئے۔

**علمیت کی شرط کی وجہ:** علمیت کی شرط تو اس لئے ہے کہ اگر زیادتی کی وجہ سے الف ونون سبب ہیں تو علمیت کی وجہ سے اس کی زیادتی مستحکم اور مضبوط ہو جائیں گی۔ اور اگر الف مقصورہ وممدودہ کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے سبب ہے تو مشابہت قوی ہو جائے گی۔ اور یہی قوت غیر منصرف کا سبب بننے کی وجہ ہوگی۔ نیز علم ہونے کی صورت میں اس پر "ۃ" نہیں آسکے گی، لہٰذا الف مقصورہ وممدودہ کے ساتھ مشابہت باقی رہے گی۔

**اسم صفت کی صورت میں شرط کی وجہ:** اور الف ونون اگر اسم صفت میں پائے جائیں تو اس کے غیر منصرف کا سبب بننے کے لئے یہ شرط بیان کی تھی کہ اس کی مؤنث میں "ۃ" نہ آئے۔ "انتفاء فعلانۃ" یا وجود "فعلی" کا یہی مطلب ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب "ۃ" نہ آئے گی تو تانیث کے دونوں الفوں کے ساتھ مشابہت اپنے حال پر باقی رہے گی، کیونکہ ان میں بھی "ۃ" نہیں آتی۔

---

ومن ثم اختلف فی رحمٰن دون سکران وندمان.

**ترجمہ:** اور اسی وجہ سے اختلاف کیا گیا ہے رحمٰن میں نہ کہ سکران اور ندمان میں۔

**تشریح:** ابھی بتایا گیا کہ الف ونون زائدتان اگر اسم صفت میں ہو تو بعض حضرات "انتفاء فعلانۃ" کی شرط لگاتے ہیں اور بعض "وجود فعلی" کی۔ اسی وجہ سے لفظ "رحمٰن" کے منصرف وغیر منصرف ہونے میں اختلاف ہو گیا، جو لوگ "انتفاء فعلانۃ" کی شرط لگاتے ہیں ان کے نزدیک غیر منصرف ہوگا اس لئے کہ اس کی مؤنث "رحمانۃ" بروزن "فعلانۃ" نہیں آتی۔ اور جو لوگ وجود "فعلی" کی شرط لگاتے ہیں ان کی نزدیک منصرف ہوگا۔ کیونکہ "رحمٰن" کی کوئی مونث آتی ہی نہیں، نہ "فعلانۃ" کے وزن پر

"رحمانة" اورنہ "فعلى" کے وزن پر "رحمى" البتہ "سکران" میں کوئی اختلاف نہیں، بالاتفاق غیر منصرف ہے، کیونکہ دونوں فریق کی شرط پائی جاتی ہے۔ "انتفاء فعلانة" بھی ہے اوروجود "فعلى" بھی۔ اس لئے کہ اس کی مؤنث "سکرانة" بروزن "فعلانة" نہیں آتی۔ اور "سکرىٰ" بروزن "فعلى" آتی ہے۔ اسی طرح "ندمان" میں بھی کوئی اختلاف نہیں، دونوں فریق اس کے منصرف ہونے پر متفق ہیں۔ کیونکہ دونوں فریق کی شرط نہیں پائی جاتی، اس لئے کہ اس کی مؤنث "ندمانة" آتی ہے، اور "ندمى" نہیں آتی۔ لیکن یہ بات اس وقت ہے جبکہ ندمان "بمعنی "ندیم" (مصاحب وہم نشین) ہو۔ اور اگر وہ نادم بمعنی شرمندہ ہو تو پھر بالاتفاق غیر منصرف ہوگا۔ کیونکہ اس کی مؤنث "فعلانة" کے وزن پر "ندمانة" نہیں آتی، اور "فعلى" کے وزن پر "ندمى" آتی ہے۔ تو دونوں فریق کی شرط پائی گئی۔

## (۹) وزنِ فعل:

**وزن الفعل شرطه أن يختص به كشَمَّرَ وضَرَبَ .**

**ترجمہ:** وزن فعل اس کی شرط یہ ہے کہ وہ وزن فعل کے ساتھ خاص ہو۔ جیسے: "شَمَّرَ" اور "ضُرِبَ"۔

**تشریح:** مصنفؒ یہاں سے آخری سبب کو بیان کررہے ہیں، فرماتے ہیں کہ وزن فعل غیر منصرف کا سبب اس وقت ہوگا جب کہ وہ وزن، فعل کے ساتھ خاص ہو، خاص ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وضع تو اس کی فعل کے لئے ہو اور اسم عربی میں اس کا استعمال فعل سے منقول ہوکر ہوتا ہو۔

اس شرط کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ اس وزن کی وضع فعل کے لئے ہوئی ہے اسم کے لئے نہیں۔ اس لئے اسم میں اس کا استعمال خلاف عادت ہونے کی وجہ سے ثقیل ہوگا، اور اسی ثقل کی وجہ سے وزن فعل غیر منصرف کا سبب بن سکے گا۔

**مثالیں:** جیسے: "شمّر" اور "ضرب" یہ دونوں وزن فعل کے ساتھ خاص ہونے

کی مثالیں ہیں۔ "شمر" ثلاثی مزید معروف سے ماضی معروف کا صیغہ ہے، اس کا مصدر "تشمیر" ہے، معنی ہیں۔ "دامن سمیٹنا"۔ اس کے بعد اسم کی طرف منتقل ہو کر تیز رفتار گھوڑے کا نام ہوگیا۔ وجہ مناسبت یہ ہے کہ آدمی جب تیز دوڑتا ہے تو دامن سمیٹ لیتا ہے۔ یہ حجاج بن یوسف کے گھوڑے کا نام تھا۔ یہ لفظ وزن فعل اور علمیت کی وجہ سے غیر منصرف ہے۔

اسی طرح "ضرب" جو ثلاثی مجرد سے ماضی مجہول ہے، جب یہ کسی شخص کا نام رکھ دیا جائے تو وزن فعل اور علمیت کی وجہ سے غیر منصرف ہوگا۔

أو يكون في أوله زيادة كزيادته غير قابل للتاء .

**ترجمہ**: یا اس (کلمہ) کے شروع میں کوئی زیادتی ہو فعل کی زیادتی کی طرح، حال یہ کہ وہ "ۃ" کو قبول کرنے والا نہ ہو۔

**تشریح**: اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ وزن، فعل کے ساتھ خاص نہ ہو تو اس اسم کے شروع میں ایسی زیادتی ہو جو فعل کے شروع میں ہوتی ہے، یعنی حروف "أتین" میں سے کوئی حرف اس اسم کے شروع میں ہو اور اخیر میں "ۃ" نہ آئے۔

ان دونوں شرطوں کی وجہ یہ ہے کہ فعل جیسی زیادتی کی وجہ سے اس وزن کو فعل کے ساتھ خصوصیت پیدا ہو جائے گی اور "ۃ" کے لاحق نہ ہونے کی وجہ سے اسمیت کا غلبہ نہ ہونے پائے گا۔ تو جب اس وزن کو اسم میں استعمال کریں گے تو اس میں ثقل ہوگا۔ اور یہی ثقل غیر منصرف کے سبب بننے کی وجہ ہوگا۔

لیکن اگر "ۃ" لاحق ہوگئی تو پھر وہ وزن، فعل کا نہیں رہے گا۔ تو جب وزنِ فعل نہیں رہے گا تو غیر منصرف کا سبب بھی نہیں بن سکے گا۔ کیونکہ وزن فعل ہی تو غیر منصرف کا سبب بنتا ہے۔

**فائدہ**: اوزان فعل آٹھ ہیں۔ ان میں سے دو اسم اور فعل کے درمیان مشترک ہیں۔

(۱) ثلاثی مجرد معروف، جیسے: "فرس، رجب" (آخر کی حرکت کا اعتبار نہیں ہوگا)

(۲) رباعی مجرد معروف، جیسے: "جعفر"۔

اور چھ اوزان فعل کے ساتھ خاص ہیں، جو فعل سے منقول ہو کر اسم میں پائے جائیں گے۔ اور وزنِ فعل کے غیر منصرف کا سبب بننے کے لئے انہی چھ اوزان میں سے کسی کا ہونا شرط ہے۔

(۱) ثلاثی مجرد مجہول (۲) رباعی مجرد مجہول (۳) ثلاثی مزید معروف (۴) ثلاثی مزید مجہول (۵) رباعی مزید معروف (۶) رباعی مزید مجہول۔

ومن ثم امتنع أحمر وانصرف يعمل .

**ترجمہ:** اور اسی وجہ سے "احمر" غیر منصرف ہے اور "یعملٌ" منصرف ہے۔

**تشریح:** مصنفؒ نے اوپر یہ بات کہی تھی کہ اگر وہ وزن فعل کے ساتھ خاص نہ ہو تو پھر یہ شرط ہے کہ اس کے شروع میں فعل کی زیادتی کی طرح کوئی زیادتی ہو اور آخر میں "ۃ" نہ آئے۔ اب اسی شرط پر تفریع کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اسی وجہ سے "احمر" غیر منصرف ہے، یعنی اس وجہ سے کہ اس کے شروع میں حروف "أتین" میں سے ایک حرف ہمزہ پایا جاتا ہے اور آخر میں "ۃ" نہیں آتی۔ اور "یعملٌ" میں فعل جیسی زیادتی تو ہے مگر آخر میں "ۃ" آتی ہے اور "یعملۃٌ" کہا جاتا ہے اس لئے منصرف ہے۔ "یعملۃ" عرب میں اس اونٹنی کو کہا جاتا ہے، جو کام میں اور چلنے میں بہت قوی ہو۔

## غیر منصرف کے بارے میں ایک قاعدۂ کلیہ

وما فيه علمية مؤثرة إذا نكر صرف .

**ترجمہ:** اور وہ اسم غیر منصرف جس میں علمیت مؤثر ہو جب اس کو نکرہ بنالیا جائے تو وہ منصرف ہو جائے گا۔

**تشریح:** مصنفؒ یہاں سے ایک قاعدہ بیان کر رہے ہیں کہ جو اسم غیر منصرف ایسا ہو کہ اس میں علمیت مؤثر ہو جب اس کو نکرہ بنالیا جائے یعنی اس کی علمیت ختم کر دی جائے تو وہ اسم منصرف ہو جائے گا۔

**علمیت کے مؤثر ہونے کی صورتیں:** غیر منصرف میں علمیت کے مؤثر ہونے کی دوصورتیں ہیں: (۱) ایک تو یہ کہ علمیت صرف سبب ہو (۲) دوسری یہ ہے کہ علمیت سبب بھی ہو اور دوسرے سبب کے لئے شرط بھی ہو۔ دو سبب یعنی عدل اور وزن فعل میں علمیت صرف سبب بنتی ہے، اور چار اسباب یعنی تانیث (لفظی ہو یا معنوی) عجمہ، ترکیب اور الف ونون زائدتان میں علمیت سبب بھی ہے اور ہر ایک کے لئے شرط بھی ہے۔

**علمیت ختم کرنے کی صورتیں:** اسم غیر منصرف کو نکرہ بنانے کی یعنی اس کی علمیت کو ختم کرنے کی دوصورتیں ہیں (۱) پہلی صورت یہ ہے کہ اس نام کی جماعت کا ایک فرد غیر معین مراد لیا جائے۔ جیسے: "هذا احمد ورأيت احمداً أخر"۔ اس مثال میں پہلا "احمد" معرفہ ہے اور دوسرا نکرہ ہے۔ کیونکہ لفظ آخر ہمیشہ نکرہ ہی کی صفت بنتا ہے (۲) دوسری صورت یہ ہے کہ علم سے کوئی متعین فرد مراد نہ ہو بلکہ اس کا وصف مشہور مراد لے لیا جائے۔ جیسے: "لكل فرعونٍ موسى" اس مثال میں "فرعون" سے اس کی ذات مراد نہیں، بلکہ اس کا وصف مشہور "مبطل" مراد ہے۔ ایسے ہی موسیٰ سے ذاتِ موسیٰ مراد نہیں، بلکہ آپ کا وصف مشہور "محق" مراد ہے، یعنی "لكل مبطلٍ محق" مطلب یہ ہے کہ ہر باطل پرست کے لئے ایک حق پرست ہوتا ہے۔

**لما تبيَّنَ من أنَّها لا تجامع مؤثرة إلا ماهي شرط فيه إلا العدل ووزن الفعل.**

**ترجمہ:** اس بات کی وجہ سے جو ظاہر ہوگئی یعنی یہ کہ علمیت مؤثر بن کر جمع نہیں ہوتی ہے مگر ان اسباب کے ساتھ جن میں وہ شرط ہوتی ہے، مگر عدل اور وزن فعل میں (کہ ان میں بغیر شرط کے صرف سبب بن کر مؤثر ہوتی ہے)

**تشریح:** یہاں سے مصنفؒ اسم غیر منصرف کے نکرہ بنانے کے بعد منصرف ہونے کی وجہ بیان کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ گذشتہ تفصیل سے یہ بات ظاہر ہو چکی ہے کہ علمیت مؤثر ہو کر صرف اس سبب کے ساتھ جمع ہوتی ہے جس میں علمیت شرط

ہے مگر عدل اور وزن فعل یہ دو سبب ایسے ہیں جن میں بغیر شرطیت کے ہی علمیت مؤثر ہے۔ تو کل چھ اسباب میں علمیت مؤثر ہوتی ہے۔ دو میں یعنی عدل اور وزن فعل میں صرف سبب بنتی ہے، اور چار میں یعنی تانیث، عجمہ، ترکیب اور الف ونون زائدتان میں شرط بنتی ہے، تو جب اس کلمہ کو نکرہ کیا جائے گا تو یا تو وہ کلمہ بغیر سبب کے رہ جائے گا، یہ اس صورت میں ہے جب کہ علمیت شرط ہو کیونکہ ان چار اسباب کی سببیت علمیت پر موقوف تھی، جب علمیت ہی نہیں رہی تو اس سبب کی سببیت بھی نہیں رہی۔ اور یا صرف ایک سبب رہ جائے گا، یہ اس صورت میں جب کہ علمیت صرف سبب ہو یعنی عدل اور وزن فعل میں، کیونکہ علمیت کے ختم ہونے سے عدل اور وزن فعل بدستور باقی رہے گا۔ اور بغیر سبب کے یا ایک سبب سے کلمہ غیر منصرف نہیں ہوتا۔

**سوال:** یہاں یہ سوال ہوتا ہے کہ اس عبارت میں دو مستثنیٰ ہیں، ایک "إلا ما هي شرط فيه" اور دوسرا "إلا العدل ووزن الفعل" اور دونوں کے درمیان حرف عطف بھی نہیں۔ اور یہ قاعدہ ہے کہ ایک مستثنیٰ منہ سے اگر دو مستثنیٰ ہوں اور دونوں کے درمیان حرف عطف نہ ہو تو ثانی مستثنیٰ پہلے مستثنیٰ سے بدل غلط واقع ہوتا ہے۔ تو گویا "الا ما هي شرط فيه" غلطی سے بول دیا۔ اس قاعدہ کے اعتبار سے اس عبارت کا مطلب یہ ہوگا کہ علمیت مؤثر ہو کر صرف عدل اور وزن فعل میں پائی جاتی ہے۔ حالانکہ یہ واقع کے خلاف ہے۔ کیونکہ چار سبب اور بھی ہیں جن میں علمیت مؤثر ہوتی ہے۔

**جواب:** یہ ہے کہ یہاں مستثنیٰ منہ ایک نہیں ہے بلکہ جس طرح مستثنیٰ دو ہیں: مستثنیٰ منہ بھی دو ہیں۔ مطلب اس طرح ہے کہ علمیت مؤثر ہو کر صرف انہی اسباب میں پائی جاتی ہے جن میں وہ شرط ہے۔ اس عبارت سے ایک قضیہ سالبہ مفہوم ہوتا ہے جو مستثنیٰ منہ ہے، کہ جہاں علمیت شرط نہیں وہاں وہ مؤثر ہو کر نہیں پائی جاتی۔ اسی سے "الا العدل ووزن الفعل" مستثنیٰ ہے کہ یہ دو سبب ایسے ہیں جن میں علمیت شرط نہیں پھر بھی علمیت ان میں مؤثر ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔

وهما متضادان فلا يكون معها إلا أحدها.

**ترجمہ:** اور وہ دونوں (عدل اور وزن فعل) ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ پس نہیں ہوگا علمیت کے ساتھ مگر ان دونوں میں سے ایک۔

**تشریح:** اس عبارت سے مصنفؒ نے ایک اشکال کا جواب دیا ہے۔ اشکال یہ ہے کہ آپ نے "مافیہ علمیة مؤثرة الخ" سے جو قاعدہ بیان کیا ہے یہ ہم کو تسلیم نہیں۔ کیونکہ ایسا بھی تو ہو سکتا ہے کہ کسی کلمہ میں عدل، وزن فعل اور علمیت تینوں جمع ہو جائیں۔ اس وقت اگر علمیت کو ختم بھی کر دیا جائے تو کلمہ منصرف نہ ہوگا، بلکہ عدل اور وزن فعل کی وجہ سے غیر منصرف ہی رہے گا۔ مصنفؒ نے جواب دیا کہ عدل اور وزن فعل دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں یہ دونوں کبھی بھی ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا علمیت کے ساتھ ان میں سے ایک ہی ہو سکتا ہے۔ دونوں نہیں ہو سکتے۔

**عدل ووزن فعل کے عدم اجتماع کی وجہ:** ان دونوں کے جمع نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اوزان فعل قیاسی ہیں اور اوزان عدل غیر قیاسی۔ تو جب نحویوں نے ان الفاظ کا تتبع کیا جن میں عدل پایا جاتا ہے تو ان میں سے کوئی بھی فعل کے وزن پر نہیں ملا۔ معلوم ہوا کہ دونوں ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتے۔

فإذا نكّر بقي بلا سبب أو على سبب واحد.

**ترجمہ:** پس جب اس (غیر منصرف کلمہ) کو نکرہ بنا لیا جائے گا تو یا تو وہ بغیر سبب کے رہ جائے گا یا ایک سبب پر رہ جائے گا۔

**تشریح:** اس کی تشریح ماقبل میں تفصیل کے ساتھ گذر چکی ہے۔

وخالف سيبويه الأخفش في مثل أحمر علماً اذا نكّر اعتباراً للصفة الأصلية بعد التنكير.

**ترجمہ:** اور سیبویہ نے اخفش کی مخالفت کی ہے احمر جیسے لفظ میں، علم ہونے کی حالت میں جب اس کو نکرہ بنایا جائے صفت اصلیہ کا اعتبار کرتے ہوئے نکرہ بنا لینے کے بعد۔

**تشریح**: مصنفؒ نے "مافيه عملية مؤثرة إذا نكره صرف" سے جو قاعدہ کلیہ بیان کیا ہے اب یہاں سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ یہ قاعدہ "احمر" جیسے لفظ کے علاوہ میں اتفاقی ہے لیکن "احمر" جیسے لفظ میں اختلاف ہے۔ "احمر" جیسے لفظ سے مراد ہر وہ اسم غیر منصرف ہے جس میں علمیت سے پہلے معنی وصفی ظاہر طور پر پائے جاتے ہوں اس میں کسی قسم کا خفاء نہ ہو خواہ "أفعل" کا وزن ہو یا نہ ہو۔ جیسے: "أحمر، أصفرُ، عطشان، سكران" وغیرہ، اس قسم کا اسم علمیت سے پہلے غیر منصرف ہوگا، اور جب اس کو کسی کا علم بنادیں گے تو وصفیت دور ہوجائے گی، لیکن چوں کہ اس کی جگہ اب علمیت آگئی اس وجہ سے اب بھی وہ اسم بالاتفاق غیر منصرف ہی رہے گا۔ البتہ جب اس اسم کو علمیت کے بعد نکرہ بنالیں گے تو جمہور علماء اور اخفشؒ یہ کہتے ہیں کہ اب وہ اسم منصرف ہوجائے گا، کیونکہ وصفیت تو علمیت کی وجہ سے دور ہوگئی، اور علمیت نکرہ بنانے کی وجہ سے۔ تو اس میں صرف ایک ہی سبب رہا، مثلاً "أحمر" میں صرف وزن فعل، "سكران" میں الف ونون وغیرہ۔ اور وصف اصلی علمیت کو ختم کرنے کے بعد نہیں لوٹے گا، کیونکہ قاعدہ ہے "الزائل لايعود" جو چیز ختم ہوجاتی ہے وہ لوٹتی نہیں ہے۔

**سیبویہ کا مسلک**: لیکن سیبویہ کا مسلک یہ ہے کہ یہ اسم تنکیر کے بعد بھی غیر منصرف ہے، کیونکہ جب علمیت دور ہوگئی تو وصفیت اصلیہ کا اعتبار کرلیا گیا۔ جیسے: "أسود وأرقم" وغیرہ میں۔ گویا علمیت کی وجہ سے جو وصفیت ختم ہوئی تھی اب علمیت کے ختم ہونے کے بعد وہ وصفیت لوٹ آئی۔

**فائدہ**: اخفش تین ہیں: (۱) سیبویہ کے استاد۔ جن کی کنیت "ابوالخطاب" ہے (۲) سیبویہ کے ساتھی اور معاصر۔ جن کی کنیت ابوالحسن اور نام علی بن سلیمان ہے (۳) سیبویہ کے شاگرد ان کی کنیت بھی ابوالحسن ہے اور نام سعید بن سعدہ ہے، یہاں یہی مراد ہیں۔

---

ولا يلزمه باب حاتم لما يلزم من اعتبار المتضادين في حكم واحد.

**ترجمہ**: اوران (سیبویہ) کو باب حاتم لازم نہیں آتا ہے۔ کیونکہ ایک حکم میں دو متضاد اور مخالف چیزوں کا اعتبار لازم آتا ہے۔

**تشریح**: اس عبارت سے مصنفؒ ایک اعتراض کا جواب دیتے ہیں جو اخفش کی طرف سے سیبویہ پر کیا جاتا ہے۔

**اعتراض**: اعتراض یہ ہے کہ جب آپ کے نزدیک علمیت کی وجہ سے ختم ہونے والی وصفیت اصلیہ کا اعتبار کرلیا جاتا ہے تو "حاتم" جیسا لفظ بھی حالت علمیت میں وصفیت اصلیہ کا اعتبار کر کے غیر منصرف ہونا چاہئے۔

**جواب**: جواب یہ ہے کہ ہمارے نزدیک جو وصفیت اصلیہ کا اعتبار کیا جاتا ہے وہ علمیت ختم ہونے کے بعد کیا جاتا ہے نہ کہ حالت علمیت میں۔ کیونکہ حالت علمیت میں اعتبار کرنے سے دو متضاد چیزوں کا ایک حکم میں (یعنی غیر منصرف پڑھنے میں) اعتبار کرنا لازم آتا ہے۔ جو محال ہے۔ لہٰذا اعتراض ہی صحیح نہیں۔ اور دو متضاد چیزیں وصفیت اور علمیت ہیں۔ ان میں تضاد اس وجہ سے ہے کہ علم مخصوص اور متعین ذات پر دلالت کرتا ہے۔ اور وصف ذات مبہمہ پر دلالت کرتا ہے۔

**باب حاتم سے مراد**: باب حاتم سے مراد ہر وہ کلمہ ہے جو اصل میں وصف ہو اور علمیت اس میں باقی ہو، اور "حاتم" میں وصف اصلی اس اعتبار سے ہے کہ وہ "حتم" سے ماخوذ ہے جس کے معنی مضبوط کرنے، حکم کرنے اور کسی پر کوئی کام واجب کر دینے کے ہیں۔ یہ ایک مشہور سخی کا لقب ہے۔ جس کا نام عبداللہ بن سعد طائی تھا۔

وجميع الباب اللام أو بالاضافة ينجرّ بالكسر .

**ترجمہ**: اور غیر منصرف کا پورا باب جب کہ معرف باللام ہو جائے یا مضاف ہو جائے تو وہ کسرہ کے ساتھ مجرور ہو جائے گا۔

**تشریح**: یہاں سے ایک قاعدہ بیان کیا جا رہا ہے کہ غیر منصرف پر اگر لام تعریف آجائے یا غیر منصرف کو اگر مضاف کیا جائے تو ان دونوں صورتوں میں جری حالت میں اس

پرفتحہ کے بجائے کسرہ آجائے گا۔جیسے:"عَلَى الْاَرَآئِكِ، وَمِنَ الشَّيٰطِيْنِ، اِلٰى مَاأُتْرِفْتُمْ فِيْهِ وَمَسٰكِنِكُمْ .

**فائدہ:** (۱) مصنفؒ نے "ینجرُّ" کے بعد "بالکسر" کا اضافہ یہ بتانے کے لئے کیا ہے کہ صرف "ینجرُّ" کہنے سے مقصود حاصل نہ ہوگا۔ کیونکہ غیر منصرف پر جرتو آتا ہی ہے، خواہ لام تعریف اس پر داخل ہو یا نہ ہو۔اسی طرح وہ مضاف ہو یا نہ ہو۔البتہ جری حالت میں فتحہ ہوتا ہے۔لیکن لام تعریف کے داخل ہونے سے اور مضاف بننے سے جری حالت میں فتحہ کے بجائے کسرہ آجائے گا۔

**فائدہ:** (۲) اور مصنفؒ نے "ینکسر" نہیں کہا، "ینجر بالکسر" کہا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ "ینکسر" کہنے سے یہ شبہ ہوسکتا تھا کہ لام تعریف اور اضافت کی صورت میں غیر منصرف مبنی ہوجائے گا۔ کیونکہ کسرہ کا اطلاق مبنی کی حرکت پر ہوتا ہے۔

**فائدہ:** (۳) غیر منصرف لام تعریف کے داخل ہونے کے بعد یا مضاف ہونے کے بعد منصرف ہوجائے گا یا غیر منصرف ہی رہے گا۔اس میں نحویوں کا اختلاف ہے۔بعض نحوی تو اس حالت میں اس کو منصرف پڑھتے ہیں۔اور بعض غیر منصرف ہی پڑھتے ہیں۔ مصنفؒ بھی غیر منصرف ہی پڑھتے ہیں۔ کیونکہ مصنفؒ نے غیر منصرف کی تعریف یہ کی تھی کہ جس میں نوعلتوں میں سے دوعلتیں ہوں یا ایک ایسی علت ہو جو دوعلتوں کے قائم مقام ہو۔ اور یہ دوعلتیں یا ایک علت لام تعریف کے داخل ہونے یا مضاف بننے کے بعد بھی رہتی ہیں۔لہٰذا وہ غیر منصرف ہی رہے گا، منصرف نہ ہوگا۔

# مرفوعات کا بیان

**المرفوعات هو مااشتمل علٰى علم الفاعلية .**

**ترجمہ:** مرفوعات ۔ وہ (مرفوع) وہ اسم ہے جو مشتمل ہو فاعلیت کی علامت پر۔

**مرفوعات کی ماقبل سے مناسبت:** اس سے پہلے مصنفؒ نے اسم معرب کی تقسیم انصراف اور عدم انصراف کے اعتبار سے کی تھی۔ اب اعراب کے اقسام کے اعتبار سے اسم معرب کی تقسیم کررہے ہیں۔ اور اعراب کے اقسام کے اعتبار سے اسم معرب کی تین قسمیں ہیں: (۱) مرفوع (۲) منصوب (۳) مجرور۔

**مرفوعات کو مقدم کرنے اور جمع لانے کی وجہ:**

مرفوعات کو اس لئے مقدم کیا گیا کیونکہ مرفوعات عمدہ ہیں اور منصوبات و مجرورات فضلہ ہیں۔ اور جمع اس لئے لایا گیا کیونکہ اس کے اقسام بہت ہیں۔ چنانچہ مرفوعات آٹھ ہیں: (۱) فاعل (۲) مفعول مالم یسم فاعلہ (۳) مبتدا (۴) خبر (۵) حروف مشبہ بالفعل کی خبر (۶) افعال ناقصہ کا اسم۔ (۷) ماولا مشابہ بلیس کا اسم (۸) لائے نفی جنس کی خبر۔

**ترکیب:** المرفوعات کو چار طریقے پر پڑھا جاسکتا ہے: (۱) مرفوع (۲) منصوب (۳) مجرور (۴) مجزوم۔ رفع کی صورت میں یا تو مبتدا بنائیں گے اور "هٰذه" کو خبر۔ اور یا "هٰذه" مبتدا کی خبر بنائیں گے۔ "**المرفوعات هٰذه**" یا "**هٰذه المرفوعات**"۔

اور نصب کی صورت میں "**خذ**" یا "**اشرع**" فعل کا مفعول بہ بنائیں گے۔ اور جر کی صورت میں "باب" کا مضاف الیہ بنائیں گے "**اى هٰذا باب المرفوعات**" اور جزم کی صورت میں بمنزلہ فصل کے ہوگا اور فصل پر کوئی اعراب جاری نہیں ہوتا۔

**مرفوعات کس کی جمع ہے:** مرفوعات "**مرفوع**" کی جمع ہے۔ "**مرفوعة**" کی نہیں کیونکہ "**مرفوع**" اسم کی صفت ہے اور لفظ اسم غیر ذوی العقول میں

سے ہے اور غیر ذوی العقول کی صفت کی جمع الف وتاء کے ساتھ آتی ہے۔ جیسے: "الأیسام الخالیات، الخیل الصافنات" وغیرہ۔

**ھو ضمیر لانے کی وجہ اور اس کا مرجع:** "ھو" ضمیر کا مرجع "المرفوع" ہے جو "المرفوعات" کے ضمن میں ہے۔ مصنفؒ "ھی" ضمیر نہیں لائے حالانکہ "ھی" ضمیر لانے کی صورت میں "المرفوعات" مرجع ہوجاتا جو عبارت میں مذکور ہے، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ "ھی" کا مرجع "المرفوعات" ہوتا جو جمع ہے اور جمع کی دلالت افراد پر ہوتی ہے تو اس صورت میں تعریف افراد کی ہوجاتی، حالانکہ تعریف افراد کی نہیں ہوا کرتی بلکہ ماہیت کی ہوتی ہے۔

**تشریح:** مصنفؒ نے اس عبارت میں مرفوع کی تعریف کی ہے کہ مرفوع وہ اسم ہے جو فاعلیت کی علامت پر مشتمل ہو، فاعلیت کی علامت رفع ہے خواہ وہ بشکل ضمہ ہو یا بشکل واؤ یا بشکل الف۔

## (۱) فاعل:

ومنه الفاعل وهو ما أسند إليه الفعل او شبهه وقدم عليه على جهة قيامه به مثل قام زيد، وزيد قائم أبوه .

**ترجمہ:** پس اس میں سے فاعل ہے اور وہ وہ اسم ہے جس کی طرف فعل یا شبہ فعل کی اسناد کی جائے اور اس (فعل یا شبہ فعل) کو مقدم کیا جائے اس اسم پر، اس (فعل یا شبہ فعل) کے قائم ہونے کے طریقے پر اس اسم کے ساتھ۔ جیسے: "قَامَ زَيْدٌ" اور "زيد قائم أبوه"۔

**تشریح:** "منه" کی ضمیر کا مرجع یا تو "المرفوع" ہے جو "المرفوعات" کے ضمن میں ہے اور یا وہ "ما" ہے، جو "ما اشتمل" میں ہے جس سے مراد اسم ہے اور اسم مراد لینے کا قرینہ یہ ہے کہ یہ اسم ہی کی بحث چل رہی ہے۔

مصنفؒ نے فاعل کو باقی مرفوعات پر اس لئے مقدم کیا ہے کیونکہ وہ تمام مرفوعات

میں اصل ہے اور اصل ہونے کی دو وجہ ہیں۔(۱) فاعل جملہ فعلیہ کا جزو ہوتا ہے اور جملہ فعلیہ تمام جملوں میں اصل ہے کیونکہ جملہ سے مقصود مخاطب کو فائدہ پہنچانا ہے اور جملہ فعلیہ سے فائدہ زیادہ پہنچتا ہے کیونکہ اس میں زمانہ بھی ہوتا ہے (۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ فاعل کا عامل لفظی ہوتا ہے یعنی فعل، اور عامل لفظی قوی ہوتا ہے۔

شبہ فعل سے مراد ایسا اسم ہے جو عمل میں فعل کے مشابہ ہو نیز وہ معنی اور مادہ میں یا صرف معنی میں فعل کے شریک ہو۔ جیسے: اسم فاعل، اسم مفعول، صفت مشبہ، مصدر اور اسم فعل۔ "علی جهة قیامه به" واقعاً محذوف کے متعلق ہوکر "اسناداً" محذوف کی صفت ہے اور پھر "أسند" کا مفعول مطلق ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ فعل یا شبہ فعل اس اسم کے ساتھ قائم ہو خواہ وہ اس اسم سے صادر ہو۔ جیسے: "قتل زید عمرواً" یا صادر نہ ہو بلکہ وہ اسم اس فعل یا شبہ فعل کے ساتھ متصف ہو۔ جیسے: "مات خالدٌ"۔

**فوائد قیود**: "قدم علیه" کی قید سے مبتدا نکل گیا اور "علی جهة قیامه به" کی قید سے تمام مفعولات نکل گئے اس لئے کہ فعل مفعول کے ساتھ قائم نہیں ہوتا بلکہ اس پر واقع ہوتا ہے۔ اسی طرح مفعول مالم یسم فاعلہ بھی نکل گیا کیونکہ حقیقۃً وہ بھی مفعول ہی ہوتا ہے۔

**والاصل أن یلی الفعل فلذلک جاز ضرب غلامہ زید وامتنع زید وامتنع ضرب غلامُه زیداً .**

**ترجمہ**: اور اصل یہ ہے کہ وہ (فاعل) فعل کے متصل ہو، پس اسی وجہ سے جائز ہے "ضرب غلامه زیدٌ" اور ممتنع ہے "ضرب غلامه زیداً"۔

**تشریح**: مصنفؒ یہاں سے یہ بیان فرما رہے ہیں کہ فاعل فعل کے متصل ہونا چاہئے اگر کوئی مانع نہ ہو، کیونکہ فاعل فعل کا جزو ہوتا ہے یا جزو کی طرح ہوتا ہے اب چونکہ اصل یہ ہے کہ فاعل فعل کے متصل ہو، اس لئے "ضرب غلامه زیدٌ" جائز ہے کیونکہ "زید" فاعل ہے اور وہ اگرچہ لفظاً موخر ہے مگر فاعل ہونے کی وجہ سے مرتبہ کے اعتبار سے "ضرب" کے متصل اور "غلامه" سے مقدم ہے۔ لہٰذا "غلامه" کی ضمیر جو "زید" کی

طرف لوٹ رہی ہے اس میں اضمار قبل الذکر صرف لفظاً لازم آئے گا، رتبۃً لازم نہیں آئیگا۔ اور یہ ناجائز نہیں ہے، اور "ضرب غلامہ زیداً" درست نہیں ہے، کیونکہ "غلامہ" فاعل جو اپنے فعل سے متصل ہے اس میں ضمیر "زید" کی طرف راجع ہے جو مفعول بہ ہے اور لفظاً مؤخر ہے جب کہ مرتبہ بھی اس کا فاعل سے مؤخر ہونے کا ہی ہے۔ اس لئے اس میں لفظاً اور رتبۃً دونوں طرح اضمار قبل الذکر لازم آرہا ہے جو درست نہیں ہے۔

**وإذا انتفي الأعراب فيهما لفظاً والقرينة أو كان مضمراً متصلاً او وقع مفعوله بعد إلا أو معناها وجب تقديمه".**

**ترجمہ**: اور جب منتفی ہو اعراب لفظی اور قرینہ ان دونوں (فاعل ومفعول) میں۔ یا فاعل ضمیر متصل ہو یا واقع ہو (فاعل) کا مفعول "إلا" کے بعد، یا "إلا" کے معنی کے بعد تو واجب ہے فاعل کا مقدم کرنا۔

**تشریح**: اس سے پہلے مصنفؒ نے یہ بیان کیا تھا کہ فاعل کو فعل کے متصل ہونا چاہئے اور فعل کے دیگر معمولات (مفعول بہ وغیرہ) پر مقدم ہو۔ لیکن اس سے تقدیم کا وجوب ثابت نہیں ہوتا۔ اب یہاں سے یہ بیان کررہے ہیں کہ بعض مرتبہ فاعل کو مفعول بہ پر مقدم کرنا واجب ہوتا ہے اور ایسی کل چار صورتیں ہیں (۱) پہلی صورت یہ ہے کہ فاعل ومفعول دونوں پر اعراب لفظی نہ ہو اور کوئی قرینہ بھی نہ ہو، نہ قرینہ لفظیہ ہو اور نہ قرینہ معنویہ ہو، تو اس صورت میں فاعل کی تقدیم واجب ہے، اس لئے کہ اگر فاعل کو مقدم نہ کریں تو فاعل ومفعول کے درمیان التباس لازم آئے گا یہ معلوم نہ ہوگا کہ کون فاعل ہے اور کون مفعول۔

مثلاً: "ضرب موسیٰ عیسیٰ" اس مثال میں اگر ضارب موسیٰ ہے تو اس کو مقدم کرنا واجب ہوگا، اور اگر عیسیٰ ہے تو اس کو مقدم کرنا واجب ہوگا ورنہ تو التباس لازم آئے گا۔

**فائدہ**: اس صورت میں تین شرطیں ہیں: (۱) اعراب لفظی نہ ہو لہٰذا اگر اعراب لفظی ہوگا تو التباس نہ ہونے کی وجہ سے فاعل کو ہی مقدم کرنا واجب نہ ہوگا۔ جیسے: "ضرب خالداً زیدٌ"۔

(۲) قرینہ لفظیہ نہ ہو، لہٰذا اگر قرینہ لفظیہ ہوگا تو یہاں بھی التباس نہ ہونے کی وجہ سے

فاعل کو ہی مقدم کرنا واجب نہ ہوگا۔ جیسے: "ضربت موسیٰ حبلی" کہ اس میں تاء تانیث خود دلالت کر رہی ہے کہ "حبلی" فاعل ہے۔

(۳) قرینہ معنویہ نہ ہو، لہٰذا اگر قرینہ معنویہ ہوگا تو بھی التباس نہ ہونے کی وجہ سے فاعل کو ہی مقدم کرنا واجب نہ ہوگا۔ جیسے: "أکل الکمثری یحیی" اس مثال میں کمثری (ایک پھل ہے) مفعول ہے اور یحیٰ فاعل ہے اور چونکہ عقلاً یہاں سمجھ میں آرہا ہے کہ یحیٰ فاعل ہے کیونکہ کھانے کی صلاحیت اسی کے اندر ہے اس لئے فاعل کو مقدم کرنا واجب نہ ہوگا۔

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ فاعل ضمیر متصل ہو تو بھی فاعل کو مقدم کرنا واجب ہے۔ کیونکہ اگر فاعل کو مقدم نہیں کریں گے تو متصل کا منفصل ہونا لازم آئے گا اور یہ صحیح نہیں۔

(۳) تیسری صورت یہ ہے کہ فاعل کا مفعول "إلا" کے بعد واقع ہو، اس کی وجہ یہ ہے کہ فاعل اور مفعول میں سے جو بھی "إلا" کے بعد واقع ہوگا اس میں حصر ہوگا لہٰذا مفعول پر حصر کی صورت میں فاعل کا مقدم کرنا واجب ہوگا اگر اس کے خلاف کیا جائے گا تو فاعل پر حصر ہو جائے گا اور یہ خلاف مقصود ہے۔ جیسے: "ماضرب زید إلا بکراً"۔

اس مثال میں زید کی ضاربیت بکر کی مضروبیت میں منحصر ہے اگر زید فاعل کو مفعول سے مؤخر کردیں اور "ماضرب بکراً إلا زیدٌ" کہیں تو بکر کی مضروبیت زید کی ضاربیت میں منحصر ہو جائے گی اور یہ خلاف مقصود ہوگا۔

(۴) چوتھی صورت یہ ہے کہ فاعل کا مفعول معنیٰ "إلا" یعنی "إنما" کے بعد واقع ہو، اس کی وجہ یہ ہے کہ "إنما" کے بارے میں یہ قاعدہ ہے کہ جس پر حصر ہوتا ہے اس کو "إنما" کے بعد لاتے ہیں، تو اگر متکلم کا مقصود فاعل کا حصر مفعول پر کرنا ہوگا تو فاعل کو مقدم کیا جائے گا اگر فاعل کو مؤخر کردیں گے تو مفعول کا فاعل پر حصر ہو جائے گا جو خلاف مقصود ہونے کی وجہ سے درست نہ ہوگا۔

**وإذا اتصل به ضمير مفعول او وقع بعد إلا أو معناها أو اتصل به مفعوله وهو غير متصل وجب تاخيره.**

**ترجمہ:** اور جب متصل ہو فاعل کے ساتھ مفعول کی ضمیر یا واقع ہو فاعل "إلا"

کے بعد یا معنیٰ "إلا" کے بعد یا فعل کے ساتھ اس کا مفعول متصل ہو حال یہ کہ فاعل غیر متصل ہو تو فاعل کو مؤخر کرنا واجب ہے۔

**تشریح:** اب یہاں سے مصنفؒ وہ صورتیں بیان کر رہے ہیں جہاں فاعل کو مفعول سے مؤخر کرنا واجب ہے اس کی بھی چار صورتیں ہیں۔

(۱) فاعل کے ساتھ مفعول کی ضمیر متصل ہو یعنی وہ ضمیر مفعول کی طرف راجع ہو۔ جیسے: "ضرب زیداً غلامه" اس صورت میں فاعل کو مؤخر کرنا اس لئے واجب ہے کہ اگر فاعل کو مقدم کیا جائے گا تو اضمار قبل الذکر لازم آئے گا۔ جیسے: "ضرب غلامه زیداً" میں۔

(۲) فاعل "إلا" کے بعد واقع ہو، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس صورت میں فاعل پر مفعول کا انحصار ہوتا ہے اگر فاعل کو مقدم کر دیا جائے تو فاعل کا مفعول پر انحصار ہو جائے گا جو خلاف مقصود ہوگا۔ جیسے: "ماضرب عمرواً إلا زیدٌ" اس صورت میں عمرو کی مضروبیت زید کی ضاربیت میں منحصر ہے اگر زید کو مقدم کر دیا گیا تو زید کی ضاربیت عمرو کی مضروبیت میں منحصر ہو جائے گی جس کا خلاف مقصود ہونا ظاہر ہے۔

(۳) فاعل معنیٰ "إلا" یعنی "إنما" کے بعد واقع ہو اس صورت میں فاعل میں مفعول کا حصر ہوتا ہے اگر فاعل کو مقدم کر دیں گے تو مفعول میں فاعل کا حصر ہو جائے گا اور یہ خلاف مقصود ہو جائے گا۔ جیسے: "إنما ضرب عمرواً زیدٌ" اس میں عمرو کی مضروبیت کا حصر زید کی ضاربیت پر ہو رہا ہے اگر فاعل کو مقدم کر دیں گے تو زید کی ضاربیت کا حصر عمرو کی مضروبیت میں ہو جائے گا جو مقصود کے خلاف ہوگا۔

(۴) فعل کے ساتھ مفعول بہ کی ضمیر متصل ہو اور فاعل اسم ظاہر ہو ضمیر متصل نہ ہو۔ جیسے: "ضربک زیدٌ" اس صورت میں بھی فاعل کو مؤخر کرنا واجب ہوگا۔ کیونکہ اگر فاعل کو مقدم کر دیں گے تو "ک"، ضمیر متصل کا منفصل ہونا لازم آئے گا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

# فعل کے حذف کا بیان

**وقد يحذف الفعل لقيام قرينة جوازاً في مثل زيد لمن قال من قام، وشعر :**

لبيك يزيد ضارع لخصومة ۞ ومختبط مما تطيح الطوائح

**ترجمہ:** اور کبھی فعل کو حذف کر دیا جاتا ہے قرینہ کے قائم ہونے کے وقت جوازاً "زید" جیسے "میں" اس شخص کے لئے جو کہے "من قام" (کون کھڑا ہوا) اور شعر "لبیک یزید الخ" جیسے میں۔

**تشریح:** چونکہ فاعل کو رفع فعل دیتا ہے اس لئے فاعل کے بیان میں اس عبارت سے مصنفؒ یہ بیان کر رہے ہیں کہ کبھی فعل کو حذف کر دیا جاتا ہے جب کہ قرینہ سے اس کا علم ہو جائے، قرینہ کے قائم ہونے کے وقت۔ حذف فعل کی دو صورتیں ہے۔(۱) فعل کا حذف جائز ہو (۲) فعل کا حذف واجب ہو، اگر فعل کا حذف جائز ہو تو اس کی بھی دو صورتیں ہیں: (۱) فعل کے حذف پر قرینہ سوال محقق ہو۔ (یعنی سوال لفظوں میں موجود ہو) (۲) قرینہ سوال مقدر ہو، (یعنی سوال لفظوں میں موجود نہ ہو) مندرجہ بالا عبارت میں مصنفؒ نے حذف فعل کے جائز ہونے کی انہی دو شکلوں کو بیان کیا ہے۔

**سوال محقق قرینہ کی وجہ سے حذف فعل کی مثال:**

جیسے: "زید" اس شخص کے جواب میں جو سوال کرے کہ "من قام" (کون کھڑا ہوا) تو سوال میں لفظ "قام" کے قرینہ سے جواب میں لفظ "قام" کو حذف کر دیا گیا، پورا جواب ہے "قام زید"۔

یہاں یہ سوال ہوسکتا ہے کہ یہ کیا ضروری ہے کہ یہاں "زید" سے پہلے فعل مقدر مانا جائے اور اس کی اصل "قام زید" نکالی جائے یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ اس کی اصل "زید قام" ہو، اور "قام" فعل فاعل سے ملکر خبر ہو، جب کہ خبر کا حذف ماننا ہی زیادہ مناسب بھی ہے

کیونکہ اس صورت میں جواب سوال کے مطابق ہو جائے گا۔ اس لئے کہ سوال میں بھی "من" مبتدا اور "قام" فعل فاعل سے ملکر خبر ہے۔ جواب یہ ہے کہ کثرت محذوف کے مقابلہ میں قلت محذوف اولیٰ ہے اور خبر محذوف ماننے کی صورت میں پورے جملہ یعنی فعل اور فاعل کو محذوف ماننا پڑے گا جب کہ "زیـــد" سے پہلے فعل محذوف ماننے کی صورت میں صرف فعل کا حذف لازم آئے گا نہ کہ جملہ کا کیونکہ زید فاعل اسم ظاہر ہے۔

**سوال مقدر قرینہ کی وجہ سے حذف فعل کی مثال.**

جیسے: "لیبک یـزیـد الـخ" چاہئے کہ رویا جائے یزید، روئے اس کو ایسا شخص جو انتقام لینے سے عاجز ہے اور ایسا شخص جو بے وسیلہ سوال کرتا تھا اس وجہ سے کہ ہلاک کردینے والی چیزوں نے ہلاک کر دیا یعنی اس کے مال کو اور مال کے حصول کے اسباب کو ہلاک کر دیا۔ اس مثال میں "لیبک یزید" کے بعد سوال پیدا ہوتا ہے کہ "من یبکیہ یزید کو کون شخص روئے؟ "ضارع لخصومۃ الخ" سے اس کا جواب دیا گیا "أي یبکیہ ضـارع الخ" یہاں سوال مقدر میں "یبکي" فعل ہے تو جواب میں بھی یہی فعل ہوگا اس لئے سوال مقدر کے قرینہ سے جواب میں فعل "یبکی" کو حذف کر دیا گیا۔

**فائدہ:** جس طرح مندرجہ بالا حکم فعل کا بیان کیا گیا یہی حکم شبہ فعل کا بھی ہے۔

**ووجوباً في مثل وإن أحد من المشركين استجارك .**

**ترجمہ:** اور کبھی فعل کو حذف کر دیا جاتا ہے قرینہ کے قائم ہونے کے وقت وجوبا "وإن احد الخ" جیسے: میں۔

**تشریح:** یہاں سے مصنفؒ قرینہ کے قائم ہونے کے وقت حذف فعل کی دوسری صورت یعنی حذف فعل کے واجب ہونے کو بیان فرمارہے ہیں کہ فعل کو وجوبا اس وقت حذف کر دیا جاتا ہے جب کہ حذف کا قرینہ موجود ہو اور محذوف کا قائم مقام بھی پایا جائے۔ "وإن أحـــد الـخ" جیسے سے مراد ہر وہ صورت ہے جس میں فعل کو حذف کرنے کے بعد ابہام پیدا ہو جائے اور پھر اس ابہام کو دور کرنے کے لئے اس کی تفسیر لائی جائے، مثال

مذکور میں فعل کے حذف کا قرینہ لفظ "إن" ہے جو حرف شرط ہے اور حرف شرط فعل پر ہی داخل ہوتا ہے۔ حالانکہ یہاں اسم پر داخل ہے اس کے بعد لفظ "استجارک" جو فعل محذوف "استجارک" کی تفسیر کر رہا ہے فعل محذوف کا قائم مقام ہے۔ اور فعل کا حذف کرنا اس وجہ سے واجب ہے کہ اگر پہلے فعل کو ذکر کیا جائے گا تو مفسِّر اور مفسَّر کا اجتماع لازم آئے گا اور یہ درست نہیں۔

اگر کوئی یہ سوال کرے کہ پہلے فعل کو حذف کرنے کی ضرورت کیا ہے؟ اس کو ذکر کیا جائے تاکہ اس کی تفسیر لانے کی ضرورت ہی نہ پڑے۔ جواب یہ ہے کہ اس طرح حذف کرنے میں بہت سے مقاصد ہوتے ہیں جن کا تعلق علم بلاغت سے ہے۔ واللہ اعلم

**ترکیب:** "جوازاً" اور "وجوباً" "جائزاً" اور "واجباً" کی تاویل میں ہوکر "حذفاً" کی صفت ہے اور پھر "یحذف" کا مفعول مطلق ہے۔

**وقد یحذفان معاً فی مثل نعم لمن قال أقام زید.**

**ترجمہ:** اور کبھی دونوں (فعل اور فاعل) کو حذف کر دیا جاتا ہے ایک ساتھ "نعم" جیسے میں اس شخص کے لئے جو کہے "أقام زید"۔

**تشریح:** یہاں سے یہ بیان فرما رہے ہیں کہ اگر قرینہ موجود ہو تو فعل اور فاعل دونوں کو حذف کر دیا جاتا ہے۔ جیسے: "نعم" یعنی جس سوال کے جواب میں "نعم" یا "لا" آتا ہے۔ جیسے اگر کوئی شخص "أقام زید" کہے اور اس کا جواب "نعم" سے دیا جائے تو سوال کے قرینہ سے یہاں پر "قام زید" کو حذف کر دیا گیا اور جملہ فعلیہ کو محذوف ماننے کی وجہ یہ ہے تاکہ جواب سوال کے مطابق ہو جائے۔

**فائدہ:** یہ فعل و فاعل دونوں کو حذف کرنا جائز ہے واجب نہیں اور پہلی شکل سے اس کو الگ بیان کرنے کی وجہ یہ ہے کیونکہ اس میں دونوں کو حذف کیا جاتا ہے۔ جبکہ پہلی شکل صرف فعل کو حذف کرنے کی ہے۔

# تنازع فعلین کا بیان

**وإذا تنازع الفعلان ظاهراً بعد هما فقد يكون في الفاعلية مثل ضربني وأكرمني زيد وفي المفعولية مثل ضربت وأكرمت زيداً وفي الفاعلية والمفعولية مختلفين .**

**ترجمہ**: اور جب تنازع کریں دو فعل کسی ایسے اسم ظاہر میں جو ان دونوں فعلوں کے بعد ہو تو کبھی تو یہ تنازع فاعلیت میں ہوگا، جیسے: "ضربنی وأکرمنی زیدٌ" اور کبھی مفعولیت میں ہوگا، جیسے: "ضربت وأکرمت زیداً" اور کبھی فاعلیت اور مفعولیت دونوں میں ہوگا، حال یہ کہ وہ دونوں (فعل اقتضاء میں) مختلف ہوں۔

**تشریح**: یعنی جب دو فعل کسی ایسے اسم ظاہر میں جو ان دونوں فعلوں کے بعد واقع ہو تنازع کریں کہ ہر ایک فعل یہ چاہے کہ اسم میرا معمول بنے تو اس تنازع کی چار صورتیں ہیں (۱) دونوں فعل یہ چاہیں کہ یہ اسم ظاہر میرا فاعل بنے۔ جیسے: "ضربنی واکرمنی زیدٌ" کہ "ضرب" اور "اکرم" دونوں زید کو اپنا اپنا فاعل بنانا چاہتے ہیں (۲) دونوں فعل اس اسم ظاہر کو اپنا مفعول بنانا چاہیں۔ جیسے: "ضربت وأکرمت زیداً" (۳) پہلا فعل اس اسم ظاہر کو اپنا فاعل اور دوسرا فعل مفعول بنانا چاہے۔ جیسے: "ضربنی وأکرمت زیداً" (۴) پہلا فعل اس اسم ظاہر کو اپنا مفعول اور دوسرا فعل اپنا فاعل بنانا چاہے۔ جیسے: "ضربت واکرمنی زیدٌ" دیکھئے آخری دو قسموں میں دونوں فعل اقتضاء میں مختلف ہیں کہ ایک فعل فاعل کو چاہتا ہے اور دوسرا مفعول کو۔

## چند فوائد:

(۱) تنازع سے مراد مخاصمت نہیں بلکہ توجہ واقتضاء ہے یعنی جب دو فعل متوجہ ہوں۔

(۲) "الفعلان" مصنفؒ نے "الفعلان" کہا حالانکہ شبہ فعل اور مصدر بھی تنازع کرتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ فعل عمل میں اصل ہے۔

(۳) مصنفؒ نے ''دو فعل'' کم سے کم تعداد لکھی ہے، ورنہ دو فعلوں سے زیادہ بھی تنازع کرتے ہیں۔

(۴) "إسماً ظاهراً" اس لئے فرمایا کہ ضمیر متصل میں تو تنازع ممکن ہی نہیں البتہ ضمیر منفصل میں تنازع ہوسکتا ہے لیکن اس میں قطع تنازع ممکن نہیں۔ تفصیل بڑی کتابوں میں ہے۔

(۵) "بعدهما" اس لئے فرمایا کیونکہ اگر معمول دونوں فعلوں سے پہلے ہو۔ جیسے: "زيداً ضربت واكرمت" یا دونوں کے درمیان ہو۔ جیسے: "ضربت زيداً واكرمت" تو ان دونوں شکلوں میں تنازع نہ ہوگا بلکہ فعل اول عامل ہوگا۔

(٦) تنازع جس طرح مرفوعات میں ہوتا ہے منصوبات اور مجرورات میں بھی ہوتا ہے، لیکن چونکہ مرفوعات میں زیادہ ہوتا ہے، اس لئے مرفوعات کی بحث میں اس کو ذکر کیا۔

(۷) مصنفؒ نے "مختلفين" کی مثال نہیں دی کیوں کہ مندرجہ بالا دونوں مثالوں سے اس کی مثال معلوم ہوجائے گی۔ مثلاً پہلا فعل فاعل کو اور دوسرا مفعول کو چاہے۔ جیسے: "ضربني واكرمت زيداً" اور اس کا برعکس جیسے: "أكرمت وضربني زيدٌ"۔

**ترکیب:** (۱) "بعدهما" سے پہلے "واقعا" محذوف ہے "أي إسماً ظاهراً واقعاً بعدهما" ۔ (۲) "مختلفين" کی ترکیب اس طرح ہے "حال كون الفعلين مختلفين في الاقتضاء.

---

فيختار البصريون أعمال الثاني والكوفيون الأول.

---

**ترجمہ:** پس پسند کرتے ہیں نحاۃِ بصرہ دوسرے فعل کو عمل دینا اور پسند کرتے ہیں نحاۃِ کوفہ پہلے فعل کو عمل دینا۔

**تشریح:** تنازع فعلین کے باب میں بصرہ اور کوفہ کے نحاۃ کا اختلاف مشہور ہے، اس عبارت میں اسی کی تفصیل مصنفؒ بیان کررہے ہیں، اس میں تو دونوں فریق متفق ہیں کہ دونوں فعلوں میں سے جس کو بھی عمل دیا جائے جائز ہے لیکن دونوں فریق کا اس سلسلہ میں اختلاف ہے کہ مختار اور پسندیدہ کون سے فعل کو عمل دینا ہے، نحاۃ بصرہ دوسرے فعل کے

عمل کو اختیار کرتے ہیں کیونکہ وہ قریب ہے نیز اگر پہلے فعل کو عمل دیں گے تو فعل اور اس کے معمول کے درمیان دوسرے فعل کا فصل لازم آئے گا، اور نحاۃ کوفہ فعل اول کے عمل کو اختیار کرتے ہیں کیونکہ وہ پہلے ہیں اور الفضل للمتقدم (یعنی فضیلت پہلے کو ہی حاصل ہوتی) نیز اس میں اضمار قبل الذکر بھی لازم نہیں آتا۔ جبکہ دوسرے فعل کو عمل دینے کی صورت میں اضمار قبل الذکر لازم آتا ہے۔

**فإن أعملت الثاني أضمرت الفاعل في الاول على وفق الظاهر دون الحذف خلافًا للكسائي وجاز خلافاً للفراء .**

**ترجمہ:** پس اگر تو عمل دے دوسرے فعل کو تو فاعل کی ضمیر لے آ پہلے فعل میں اسم ظاہر کے موافق، نہ کہ حذف۔ برخلاف امام کسائیؒ کے۔ اور جائز ہے (دوسرے فعل کو عمل دینا) برخلاف امام فراءؒ کے۔

**تشریح:** مصنفؒ نے اس عبارت میں تین باتیں بیان کی ہیں۔ (۱) مصنفؒ کے نزدیک بصریین کا مذہب پسندیدہ ہے اس لئے پہلے اس کو بیان کیا ان کا مذہب یہ ہے کہ فعل ثانی کو عمل دیا جائے گا، اس کے بعد دو شکلیں ہیں: (۱) فعل اول یا تو فاعل کا تقاضا کرے۔ (۲) یا فعل اول مفعول کا تقاضا کرے۔ مصنفؒ نے اس عبارت میں پہلی شکل کی تفصیل بیان کی ہے کہ فعل اول اگر فاعل کو چاہتا ہے تو دوسرے فعل کے بعد جو اسم ظاہر ہے اس کے موافق پہلے فعل میں ضمیر لائی جائے گی، اسم ظاہر اگر مفرد ہے تو ضمیر مفرد، اسم ظاہر اگر تثنیہ ہے تو ضمیر تثنیہ اور اسم ظاہر جمع ہے تو ضمیر جمع لائی جائے گی۔ جیسے: "ضربني واكرمني زيدٌ، واكرمني الزيدان، ضربوني واكرمني الزيدون" جب کہ دونوں فعل فاعل کا تقاضا کریں، اور جیسے: "ضربني واكرمت زيداً، ضرباني واكرمت الزيدين، ضربوني واكرمت الزيدين" جب کہ پہلا فعل فاعل کا اور دوسرا فعل مفعول کا تقاضا کرے، ان مثالوں میں فعل ثانی کو عمل دیا گیا ہے اس لئے وہ ہر حال میں مفرد ہے اور پہلے فعل میں اسم ظاہر کے موافق تثنیہ و جمع کی ضمیر لائی گئی ہے۔

اسم ظاہر کے موافق ضمیر لانے کی وجہ یہ ہے کہ فعل اول میں جو ضمیر ہے اسم ظاہر اس کا مرجع ہے، اور ضمیر کا اپنے مرجع کے موافق ہونا ضروری ہے۔

اور اس صورت میں اگر چہ اضمار قبل الذکر (مرجع سے پہلے ضمیر لانا) لازم آتا ہے لیکن اسم ظاہر سے چونکہ اس ضمیر کی تفسیر ہو رہی ہے اس لئے یہ درست ہے کیونکہ عمدہ میں بشرط تفسیر اضمار قبل الذکر جائز ہے۔ اس لئے کہ اگر فعل اول میں بھی اسم ظاہر لایا جائے تو تکرار لازم آئے گا۔ اور فاعل کو حذف کرنا بھی درست نہیں، کیونکہ عمدہ کا حذف کرنا جائز نہیں۔ "دون الحذف" کا یہی مطلب ہے۔

**دوسری بات:** امام کسائی اس بارے میں تو بصریین کے موافق ہیں کہ فعل ثانی کو عمل دینا مختار ہے، لیکن وہ بصریین کی طرح فعل اول میں فاعل کی ضمیر نہیں لاتے بلکہ فاعل کو حذف کر دیتے ہیں، اور یہ حذف بمعنی مقدر ہے، نسیاً منسیا حذف مراد نہیں۔ لہٰذا امام کسائی کے نزدیک تثنیہ وجمع کی صورت میں پہلا فعل واحد ہی رہے گا۔ مثلاً: "ضربنی واکرمنی الزیدان" اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے نزدیک اضمار قبل الذکر کسی حالت میں بھی درست نہیں۔

**تیسری بات:** فعل اول اگر فاعل کا تقاضا کرے تو فعل ثانی کو عمل دینا بالاتفاق جائز ہے، لیکن فراءؒ کا اختلاف ہے۔ ان کے نزدیک اس صورت میں فعل ثانی کو عمل دینا جائز نہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ اس صورت میں دو خرابیوں میں سے ایک لازم آتی ہے یا تو اضمار قبل الذکر، جیسا کہ بصریین کا مذہب ہے۔ اور یا فاعل کا حذف، جیسا کہ امام کسائیؒ کا مذہب ہے۔ لہٰذا ایسی صورت میں ان کے نزدیک فعل اول کو عمل دیا جائے گا اور فعل ثانی اگر فاعل کا تقاضا کرتا ہے تو اس میں فاعل کی ضمیر لائیں گے، اس میں مذکورہ دونوں خرابیوں میں سے کوئی لازم نہیں آتی۔ جیسے: "ضربنی واکرمنی زیدٌ، ضربنی واکرمانی الزیدان، ضربنی واکرمونی الزیدون"۔

اور اگر فعل ثانی مفعول کا تقاضا کرتا ہے تو دو صورتیں جائز ہیں: (۱) یا تو مفعول کو

حذف کردیں کیونکہ وہ تو فضلہ ہے۔ جیسے:"ضربني واكرمت زيدٌ، ضربني واكرمت الزيدان، ضربني واكرمت الزيدون" ۔(۲) اور یا ضمیر لائی جائے۔ جیسے:"ضربني واكرمته زيدٌ، ضربني واكرمتهما الزيدان، ضربني واكرمتهم الزيدون"۔

**فائدہ:** لفظ"وجاز"کو صرف امام فراءؒ کا اختلاف بیان کرنے کے لئے لایا گیا ہے، ورنہ جواز تو پہلے ہی معلوم ہو گیا۔

**ترکیب:** "خلافاً للكسائي" اور"خلافاً للفراء" میں"خلافاً" فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے، اصل عبارت یہ تھی"يخالف الكسائي خلافاً، يخالف الفرّاء خلافاً" پھر فعل کو حذف کر کے مفعول مطلق کو اس کے قائم مقام کر دیا، اور لام جارہ کے واسطے سے لفظ کسائی اور فراء کی طرف اس کی اضافت کر دی۔

وحذفت المفعول أن استغنى عنه وإلا أظهرت .

**ترجمہ:** اور مفعول کو حذف کردے اگر اس سے بے نیازی برتی جائے ورنہ ظاہر کردے۔

**تشریح:** "وحذفت المفعول" کا عطف"أضمرت الفاعل" پر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ فعل ثانی کو عمل دینے کی صورت میں اگر فعل اول مفعول کا تقاضا کرتا ہے (خواہ فعل ثانی مفعول کا تقاضا کرے یا فاعل کا) اور اس کے حذف کرنے میں کوئی خرابی لازم نہیں آتی، تو فعل اول کے مفعول کو حذف کردیا جائے گا، کیونکہ اگر اس کو ذکر کرتے ہیں تو تکرار لازم آئے گا، اور اگر اس کی ضمیر لاتے ہیں تو فضلہ میں اضمار قبل الذکر لازم آتا ہے اور دونوں باتیں صحیح نہیں۔ جیسے:"ضربت واكرمني زيدٌ، ضربت واكرمت زيداً" کہ دونوں مثالوں میں اسم ظاہر کو فعل ثانی کا معمول بنایا گیا ہے اور فعل اول کے مفعول کو حذف کردیا گیا ہے۔

اور اگر فعل اول کے مفعول سے بے نیازی نہ ہو اور اس کو ذکر کرنا ہی ضروری ہو، تو پھر اس کو ذکر کردیا جائے گا۔ مثلاً فعل اول افعال قلوب میں سے ہو تو اس کے مفعول کو ذکر کرنا ہی ضروری ہے، کیونکہ تنازع کے ختم کرنے کی تین صورتیں ہیں: (۱) اضمار (۲) حذف

(۳) ذکر۔ ضمیر لاتے ہیں تو فضلہ میں اضمار قبل الذکر آتا ہے، حذف کرتے ہیں تو فعل قلب کے مفعول کو حذف کرنا لازم آتا ہے، اور دونوں باتیں درست نہیں۔ لامحالہ اس فعل قلب کے مفعول کو ذکر ہی کیا جائے گا۔ جیسے: "حسبنی وحسبت زیداً منطلقاً" اس مثال میں "زیداً" اور "منطلقاً" دونوں میں تنازع ہے۔ "زید" کے بارے میں "حسبنی" چاہتا ہے کہ میرا فاعل بنے، اور "حسبت" چاہتا ہے کہ میرا مفعول بنے۔ بصریین کے قول کے مطابق فعل ثانی کو عمل دے کر "زیداً" کو اس کا مفعول بنا دیا گیا اور اس کے موافق "حسبنی" میں فاعل کی ضمیر لائے۔ کیونکہ عمدہ میں اضمار قبل الذکر بشرط تفسیر جائز ہے۔

اب "منطلقاً" کے بارے میں بھی دونوں فعل تنازع کر رہے ہیں کہ وہ ہمارا دوسرا مفعول بنے، فعل ثانی کو عمل دیا گیا، اور "منطلقاً" کو اس کا مفعول بنا دیا گیا۔ اب اگر "حسبنی" کے اندر مفعول کی ضمیر لاتے ہیں، جو "منطلقاً" کی طرف راجع ہوگی تو فضلہ میں اضمار قبل الذکر لازم آتا ہے، جو درست نہیں۔ اور اگر مفعول کو حذف کرتے ہیں تو فعل قلب کے مفعول ثانی کو حذف کرنا لازم آتا ہے، اور یہ بھی درست نہیں۔ لہٰذا اس کو ظاہر کردیں گے اور اس طرح کہیں گے: "حسبنی منطلقاً وحسبت زیداً منطلقاً"۔

**وإن اعملت الأول أضمرت الفاعل في الثاني والمفعول على المختار إلا أن يمنع مانع فتظهر.**

**ترجمہ:** اور اگر عمل دے تو پہلے فعل کو، تو فاعل کی ضمیر لا دوسرے فعل میں اور مفعول کی بھی ضمیر لا، مختار قول پر، مگر یہ کہ کوئی مانع موجود ہو تو پھر ظاہر کردے۔

**تشریح:** مصنفؒ یہاں سے کوفیین کا مسلک بیان کر رہے ہیں کہ کوفیین کے قول کے مطابق فعل اول کو عمل دینے کے بعد یکھا جائے گا کہ فعل ثانی فاعل کا تقاضہ کرتا ہے یا مفعول کا، اگر فعل ثانی فاعل کا تقاضہ کرتا ہے تو اس میں فاعل کی ضمیر لائی جائے گی، اس صورت میں اضمار قبل الذکر صرف لفظاً لازم آئے گا، رتبۃً لازم نہیں آئے گا۔ کیونکہ مرتبہ کے اعتبار سے اسم ظاہر مقدم ہے اس لئے کہ وہ فعل اول کا معمول ہے۔ جیسے: "ضربنی

واکرمنی زیدٌ، ضربنی واکرمانی الزیدان، ضربنی واکرمونی الزیدون" جب کہ دونوں فعل فاعل کا تقاضہ کریں۔ اور جیسے:"ضربت واکرمنی زیداً، ضربت واکرمانی زیدین، ضربت واکرمونی الزیدین" جب کہ فعل اول مفعول کا اور فعل ثانی فاعل کا تقاضہ کرے۔ ان مثالوں میں لفظ "زیدٌ" اگر چہ لفظ کے اعتبار سے موخر ہے، مگر مرتبہ کے اعتبار سے دوسرے فعل سے مقدم ہے۔ کیونکہ وہ فعلِ اول کا معمول ہے۔

اور اگر فعل ثانی مفعول کا تقاضہ کرتا ہے تو مفعول کو حذف کرنا بھی درست ہے، لیکن مختار اور پسندیدہ قول یہ ہے کہ فعل ثانی میں مفعول کی ضمیر لائی جائے، کیونکہ حذف کرنے میں یہ وہم ہوسکتا ہے کہ فعل ثانی کا مفعول یہ اسم ظاہر نہ ہو، بلکہ کوئی دوسرا اسم ہو۔ حذف کی مثال۔ جیسے:"ضربنی واکرمت زیدٌ، ضربت واکرمت زیداً" دوسری مثال میں "زیداً" پہلے فعل کا مفعول ہے۔ ضمیر کی مثال۔ جیسے:"ضربنی واکرمته زیدٌ، ضربت واکرمته زیداً، وهكذا في التثنية والجمع"۔

اور اگر فعل ثانی میں اس کے مفعول کی نہ تو ضمیر لاسکیں اور نہ مفعول کو حذف کرسکیں، تو پھر اس کے مفعول کو ذکر کرنا ضروری ہوگا۔ جیسے."حسبنی وحسبتهما الزيدان منطلقاً" یہاں "الزیدان" اور "منطلقاً" دونوں میں تنازع ہے۔ "الزیدان" کو فعل اول کا فاعل قرار دے کر فعل ثانی میں "هما" مفعول کی ضمیر لائی گئی، اصل تنازع جو بتلانا مقصود ہے وہ "منطلقاً" میں ہے۔ "حسبنی" اور "حسبت" دونوں فعل اس کو اپنا اپنا مفعول ثانی بنانا چاہتے ہیں۔ کوفیین کے مسلک کے اعتبار سے "منطلقاً" کو فعل اول "حسبنی" کا مفعول ثانی بنادیا گیا۔ اب "حسبت" کے مفعول ثانی میں چار شکلیں ہوسکتی ہیں۔

(۱) یا تو حذف کردیں مگر اس صورت میں یہ خرابی لازم آتی ہے کہ فعل قلب کا ایک مفعول حذف ہوجائے گا جو درست نہیں۔

(۲) یا ضمیر مفرد لائیں، تا کہ یہ ضمیر اپنے مرجع "منطلقاً" کے مطابق ہوجائے۔ لیکن اس شکل میں یہ خرابی لازم آتی ہے کہ فعل قلب کے دونوں مفعولوں کے درمیان مطابقت نہیں

رہتی۔ حالانکہ افعال قلوب کے دونوں مفعول مبتدا اور خبر کے درجہ میں ہیں، جن کے درمیان مطابقت ضروری ہے۔

(۳) یا ضمیر تثنیہ لائیں، تا کہ دونوں مفعولوں کے درمیان مطابقت ہو جائے مگر اس صورت میں یہ خرابی لازم آتی ہے کہ ضمیر اور اس کے مرجع "منطلقاً" کے درمیان مطابقت نہیں رہتی، کیونکہ مرجع مفرد اور ضمیر تثنیہ ہے۔

(۴) یا مفعول ثانی کو ذکر کر دیں، کیونکہ تنازع کو ختم کرنے کی تین ہی شکلیں ہیں۔ (۱) حذف (۲) اضمار (۳) ذکر۔ جب پہلی دو شکلیں یہاں صحیح نہیں ہو سکتیں، تو مجبوراً تیسری شکل اختیار کی جائے گی۔ یعنی فعل ثانی کے مفعول ثانی کو ذکر کیا جائے گا اور اس طرح کہا جائے گا۔ "حسبني وحسبتهما منطلقين الزيدان منطلقاً"۔ واللہ اعلم

**وقول إمرء القيس: "كفاني ولم أطلب قليل من المال" ليس منه لفساد المعنى.**

**ترجمه:** اور امراء القیس کا قول: "کفانی الخ" معنی کے فاسد ہونے کی وجہ سے تنازع فعلین کے باب سے نہیں ہے۔

**تشریح:** کوفیین نے اپنے مسلک پر عرب کے فصیح و بلیغ شاعر امراء القیس کے شعر سے استدلال کیا ہے۔ شعر یہ ہے:

**ولو أنما أسعى لأدنى معيشة كفاني ۞ ولم أطلب قليل من المال**

کوفیین نے کہا کہ اس شعر کے دوسرے مصرع "قليل من المال" میں "كفاني" اور "لم أطلب" دونوں فعلوں نے تنازع کیا، "كفاني" اس کو اپنا فاعل بنانا چاہتا ہے، اور "لم اطلب" اس کو مفعول بنانا چاہتا ہے۔ اور "قليل" مرفوع ہے۔ معلوم ہوا کہ وہ "كفاني" کا فاعل ہے، امراء القیس جیسے فصیح و بلیغ شاعر نے پہلے فعل کو عمل دیا ہے۔ معلوم ہوا کہ پہلے فعل کو عمل دینا اولیٰ ہے، جیسا کہ ہمارا مسلک ہے۔ مصنفؒ بصریین کی طرف سے کوفیین کو جواب دیتے ہیں کہ یہ مصرع تنازع فعلین کے باب سے ہے ہی نہیں۔ یعنی

"قلیل من المال" میں کوئی تنازع نہیں ہے، "لم اطلب" اس کو اپنا مفعول بنانا نہیں چاہتا۔ دلیل یہ ہے کہ اگر یہاں تنازع مانتے ہیں تو معنی فاسد ہو جاتے ہیں۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ اس شعر کے پہلے مصرع میں لفظ "لو" ہے اور "لو" کی یہ خاصیت ہے کہ وہ معنی کے اعتبار سے اپنے مدخول مثبت کو منفی اور منفی کو مثبت کر دیتا ہے۔ جیسے: "لو جئتنی لاکرمتک" اگر تو میرے پاس آتا تو میں تیرا اکرام کرتا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ نہ تو میرے پاس آیا نہ میں نے تیرا اکرام کیا۔ اسی طرح "لو لم تشتمنی لاعطیک درھما" اگر تو مجھے گالی نہ دیتا تو میں تجھے درہم دیتا۔ مطلب یہ ہے کہ تو نے مجھے گالی دی اس لئے میں نے تجھے درہم نہیں دیا۔ اور یہاں شعر مذکور میں "لو" کا مدخول "اسعی" اور "کفانی" ہیں۔ کیونکہ وہ شرط و جزاء ہیں اور مثبت ہیں اس لئے وہ منفی ہو جائیں گے "اسعی، لم اسع" کے اور "کفانی، لم یکف" کے معنی میں ہوں گے اور "لم اطلب" کا عطف "کفانی" پر ہے اس لئے اس کا حکم بھی وہی ہوگا اور وہ "اطلب" مثبت کے معنی میں ہو جائے گا۔ اس تفصیل کے بعد سنئے کہ اگر "قلیل" الخ: میں "کفانی" اور "لم اطلب" کا تنازع ہو تو شعر کے معنی مذکورہ قاعدہ کی بناء پر یہ ہوں گے کہ "میں تھوڑی معیشت (تھوڑے مال) کی کوشش نہیں کرتا۔ اور نہ تھوڑا مال مجھ کو کافی ہے اور میں تھوڑے سے مال کو طلب بھی کرتا ہوں" اور یہ صریح تناقض ہے کہ تھوڑے مال کی سعی نہیں کرتا، اور تھوڑا مال طلب بھی کرتا ہے۔ معلوم ہوا کہ یہاں تنازع نہیں ہے۔ کیونکہ تنازع وہاں ہوتا ہے جہاں دونوں فعلوں کا معمول بنانے سے معنی میں کوئی خرابی لازم نہ آتی ہو۔ لہٰذا "قلیل من المال" "کفانی" کا فاعل ہے "لم اطلب" اس کو اپنا مفعول بنانا نہیں چاہتا ہے بلکہ اس کا مفعول محذوف ہے، اور وہ "العز والمجد" ہے جس پر بعد والا شعر دلالت کرتا ہے۔ وہ شعر یہ ہے:

ولکنما اسعی لمجدٍ مؤثّلٍ ۞ وقد یُدرکُ المجد المؤثّلَ امثالی

اب دونوں شعروں کا ترجمہ و مطلب یہ ہوا کہ اگر میں تھوڑی سی معاش کے لئے کوشش

کرتا تو مجھ کو تھوڑا سا مال کافی ہو جاتا، اور میں پائیدار بزرگی کا طالب نہ بنتا، لیکن میں تو پائیدار بزرگی کی سعی کرتا ہوں، اور میرے جیسے لوگ پائیدار بزرگی کو پالیتے ہیں۔ اس ترجمہ کو منفی بنا کر کرنا آسان ہے۔

## (۲) مفعول مالم یسم فاعلہ:

**مفعول مالم يسم فاعله كل مفعول حذف فاعله واقيم هو مقامه وشرطه أن تغيَّر صيغة الفعل إلى فعل أو يفعل .**

**ترجمه:** مفعول مالم یسم فاعلہ، (ایسے فعل کا مفعول جس کے فاعل کو ذکر نہ کیا گیا ہو) ہر ایسا مفعول ہے جس کے فاعل کو حذف کر دیا گیا ہو اور اس (مفعول) کو اس (فاعل) کے قائم مقام کر دیا گیا ہو۔ اور اس کی شرط یہ ہے کہ فعل کا صیغہ "فُعِلَ" کی طرف یا "یُفْعَلُ" کی طرف بدل دیا جائے۔

**تشریح:** مصنفؒ فاعل حقیقی سے فارغ ہونے کے بعد مرفوعات کی دوسری قسم مفعول مالم یسم فاعلہ (فاعل حکمی) کو بیان کر رہے ہیں کہ مفعول مالم یسم فاعلہ وہ مفعول ہے کہ فعل یا شبہ فعل کے فاعل کو حذف کر کے مفعول کو اس کی جگہ رکھ دیا جائے۔

اور فاعل کو حذف کر کے مفعول کو اس کے قائم مقام کرنے کی شرط یہ ہے کہ فعل کے صیغہ کو یعنی صیغۂ معروف کو "فُعِلَ" یعنی ماضی مجہول اور "یُفْعَلُ" یعنی مضارع مجہول کی طرف بدل دیا جائے۔ اور عامل شبہ فعل ہو تو مثلاً اسم فاعل کو اسم مفعول بنا لیا جائے۔

**فائدہ:** (۱) "فاعله" میں "ہ" ضمیر کا مرجع مفعول ہے یعنی مفعول کا فاعل، حالانکہ فاعل تو فعل کا ہوتا ہے نہ کہ مفعول کا، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ فاعل اور مفعول کے درمیان تعلق ہے، کیونکہ دونوں فعل کے متعلقات میں سے ہیں۔ فاعل سے فعل کا تعلق صدور کا ہے کہ فعل اس سے صادر ہوتا ہے۔ اور مفعول سے فعل کا تعلق وقوع کا ہے کہ فعل اس پر واقع ہوتا ہے، اور ایک متعلق کی دوسری متعلق کی طرف نسبت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

**فائدہ:** (۲) مفعول مالم یسم فاعلہ کو مصنفؒ نے "ومنہ" یا "ومنھا" کہہ کر الگ سے بیان نہیں کیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ فاعل اور مفعول مالم یسم فاعلہ کے درمیان شدت اتصال ہے یہاں تک کہ علامہ زمخشریؒ نے مفعول مالم یسم فاعلہ کو فاعل ہی کہا ہے۔

**فائدہ:** (۳) مفعول مالم یسم فاعلہ کو "نائب فاعل" بھی کہتے ہیں۔

---

**ولا یقع المفعول الثانی من باب علمت والثالث من باب اعلمت والمفعول لہ والمفعول معہ کذلک.**

---

**ترجمہ:** اور نہیں واقع ہوگا باب علمت کا دوسرا مفعول اور باب اعلمت کا تیسرا مفعول (فاعل کی جگہ) اور مفعول لہ اور مفعول معہ بھی ایسا ہی ہے (یعنی باب علمت کے دوسرے اور باب اعلمت کے تیسرے مفعول کی طرح ہیں کہ وہ دونوں بھی فاعل کی جگہ واقع نہیں ہوتے)۔

**تشریح:** مصنفؒ اس عبارت میں ان مفاعیل کو بیان کر رہے ہیں کہ جو فاعل کے قائم مقام نہیں ہوسکتے۔ فرماتے ہیں کہ "باب علمت" کا مفعول ثانی اور "باب أعلمت" کا مفعول ثالث فاعل کے قائم مقام نہیں ہوسکتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ "باب علمت" کا مفعول ثانی مفعول اول کی طرف اور "باب أعلمت" کا مفعول ثالث مفعول ثانی کی طرف مسند ہوتا ہے۔ اب اگر ان کو مفعول مالم یسم فاعلہ بنایا جاتا ہے تو یہ مسند الیہ ہوں گے کیونکہ مفعول مالم یسم فاعلہ مسند الیہ ہوتا ہے، تو اس صورت میں ایک ہی شیٔ کا مسند اور مسند الیہ ہونا لازم آئے گا اور یہ درست نہیں۔

**باب علمت اور باب أعلمت کا مطلب:** "باب علمت" سے مراد وہ فعل ہے جو ایسے دو مفعولوں کی طرف متعدی ہو کہ ایک مفعول پر اکتفاء درست نہ ہو۔ اس لئے کہ ثانی مفعول پہلے مفعول کا عین ہوتا ہے، یعنی دونوں کا مصداق ایک ہی ہوتا ہے۔ اسی طرح "باب أعلمت" سے مراد وہ فعل ہے جو تین مفعولوں کی طرف متعدی ہو، اس میں بھی دوسرے دو مفعولوں میں سے ایک پر اکتفاء درست نہیں ہوتا۔

**مفعول لہٗ کے نائب فاعل نہ بننے کی وجہ:** اسی طرح مفعول لہٗ بھی مفعول مالم یسم فاعلہ نہیں بن سکتا، مصنفؒ کے نزدیک مفعول لہٗ کی دو صورتیں ہیں:

(۱) نصب کے ساتھ بغیر لام کے۔ جیسے: "ضربته تادیباً" اس کو فاعل کے قائم مقام نہیں بنا سکتے، مثلاً "ضُرِبَ تادیبٌ" نہیں کہہ سکتے، کیونکہ اس کا نصب علت ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ اگر اس کو فاعل کے قائم مقام کردیا جائے تو اس پر رفع آئے گا، اور اس صورت میں علت پر دلالت نہ ہو سکے گی، اور اس کا مفعول لہٗ ہونا سمجھ میں نہیں آسکے گا۔

(۲) لام کے ساتھ۔ جیسے: "ضربته للتادیب" تو اس کو فاعل کے قائم مقام کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً: "ضُرِبَ للتادیب" کہنا درست ہوگا۔ لیکن جمہور اس کو جار مجرور کہتے ہیں۔ مفعول لہٗ نہیں کہتے، جب کہ مصنفؒ کے نزدیک یہ بھی مفعول لہٗ ہے۔

**مفعول معہٗ کے نائب فاعل نہ بننے کی وجہ:** نیز مفعول معہ کو بھی نائب فاعل نہیں بنا سکتے، کیونکہ مفعول معہ وہ مفعول ہے جو واؤ بمعنی مع کے بعد واقع ہو، اب اگر مفعول معہ کو فاعل کے قائم مقام واؤ کے ساتھ کیا جائے تو واؤ چاہتا ہے انفصال کو، کیونکہ واؤ اصلاً عطف کے لئے آتا ہے، اور معطوف علیہ و معطوف آپس میں مغایر ہوتے ہیں، جب کہ نائب فاعل، فاعل کی طرح اتصال کو چاہتا ہے لہٰذا واؤ کے ساتھ مفعول معہ نائب فاعل نہیں بن سکتا۔ اور اگر بغیر واؤ کے فاعل کے قائم مقام کیا جائے، تو اس کا مفعول معہ ہونا ثابت نہیں ہوگا۔

**فائدہ:** مصنفؒ نے لفظ "کذلک" لاکر اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ "باب علمت" کا مفعول ثانی اور "باب اعلمت" کا مفعول ثالث کے فاعل کے قائم مقام نہ ہونے کی علت اور مفعول لہٗ و مفعول معہ کے فاعل کے قائم مقام نہ ہونے کی علت کے درمیان فرق ہے۔ اُن دونوں کی علت اور ہے، اور اِن دونوں کی علت دوسری ہے، جیسا کہ تفصیل گذر گئی۔ واللہ اعلم

---

**وإذا وجد المفعول به تعيّن له تقول "ضرب زيد يوم الجمعة امام**

**الأمير ضرباً شديداً في داره "فتعين زيد فإن لم يكن فالجميع سواء .**

**ترجمہ**: اور جب مفعول بہ موجود ہو تو وہ اس کے لئے (یعنی فاعل کا قائم مقام بنے کے لئے) متعین ہے، تم کہو گے "ضرب زید یوم الجمعة الخ" پس متعین ہے "زید" اگر مفعول بہ موجود نہ ہو تو پھر تمام مفاعیل برابر ہیں۔

**تشریح**: مصنفؒ یہاں سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ جتنے مفاعیل نائب فاعل بن سکتے ہیں اگر کسی ترکیب میں وہ سب جمع ہو جائیں تو فاعل کے قائم مقام ہونے میں مفعول بہ کو ترجیح دی جائے گی۔ اور وہی نائب فاعل بنے گا، کیونکہ اس کا فاعل کے ساتھ زیادہ تعلق ہے، اس لئے کہ جس طرح فعل کا سمجھنا فاعل پر موقوف ہوتا ہے اسی طرح مفعول بہ پر بھی موقوف ہوتا ہے، دوسرے مفاعیل کو وہ درجہ حاصل نہیں ہے۔ جیسے: "ضرب زید یوم الجمعة امام الأمير ضرباً شديداً في داره" اس مثال میں "زید" مفعول بہ ہے۔ "یوم الجمعة" مفعول فیہ ظرف زمان ہے۔ "امام الأمير" ظرف مکان ہے۔ "ضرباً شديداً" موصوف صفت سے مل کر مفعول مطلق "في داره" جار مجرور ہے۔ یہ سب ہی فاعل کے قائم مقام بنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ لیکن "زید" چونکہ مفعول بہ ہے، اس لئے اسی کو نائب فاعل بنایا گیا۔ اگر کلام میں مفعول بہ موجود نہ ہو تو باقی تمام مفاعیل فاعل کے قائم مقام ہونے میں برابر ہیں کسی کو کسی پر ترجیح نہیں ہے۔

**فائدہ**: مثال مذکور میں "ضرباً" کے ساتھ "شديداً" کی قید کا اضافہ کر کے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ مفعول مطلق اس وقت نائب فاعل بن سکتا ہے، جب کہ اس کی صفت لائی جائے، بغیر صفت لائے اس کو نائب فاعل بنانے میں کوئی فائدہ نہیں کیونکہ اس پر تو فعل خود ہی دلالت کرتا ہے۔

---

**والأول من باب أعطيت أولىٰ من الثاني .**

**ترجمہ**: اور "باب أعطيت" کا پہلا مفعول (نائب فاعل بنانے کے لئے) دوسرے کے مقابلہ میں زیادہ بہتر ہے۔

**تشریح:** مصنفؒ اس عبارت سے یہ فرما رہے ہیں کہ "**باب أعطیت**" کے دو مفعولوں میں سے کسی کو بھی نائب فاعل بنا سکتے ہیں۔ لیکن دوسرے مفعول کے مقابلہ میں پہلے مفعول کو بنانا زیادہ بہتر ہے۔ کیونکہ اس میں فاعلیت کے معنی پائے جاتے ہیں۔ جیسے: "**أعطیت زیداً درهماً**" (میں نے زید کو درہم دیا) تو زید لینے والا ہے اور اس نے درہم کو لیا ہے۔ لہٰذا زید کو نائب فاعل بنانا زیادہ بہتر ہے۔ اس طرح کہیں گے "**أعطِیَ زیدٌ درهماً**" اور "**أعطِیَ درهمٌ زیداً**" کہنا بھی جائز ہے۔

مگر یہ حکم التباس لازم نہ آنے کے وقت ہے۔ اگر التباس لازم آئے گا تو اس صورت میں پہلے مفعول کو ہی نائب فاعل بنانا ضروری ہوگا۔ جیسے: "**أُعطِیَ زیدٌ عمرواً**" (زید کو عمرو غلام دیا گیا) اگر مفعول ثانی کو نائب فاعل بنا دیں تو ظاہر ہے کہ معنی مقصود کے خلاف ہو جائیں گے۔ یعنی "عمرو کو زید غلام دیا گیا"۔

**باب أعطیت کا مطلب:** باب اعطیت سے مراد وہ فعل ہے جو ایسے دو مفعولوں کی طرف متعدی ہو کہ ایک پر اکتفاء درست ہو، کیونکہ مفعول ثانی مفعول اول کا غیر ہوتا ہے یعنی دونوں کا مصداق الگ الگ ہوتا ہے۔

## (۳) مبتدا (۴) خبر:

**ومنها المبتدأ والخبر فالمبتدأ هو الاسم المجرد عن العوامل اللفظية مسنداً إليه.**

**ترجمہ:** اور مرفوعات میں سے مبتدا اور خبر ہیں۔ پس مبتدا ایسا اسم ہے جو عوامل لفظیہ سے خالی ہو، حال یہ کہ وہ مسند الیہ ہو۔

**تشریح:** مصنفؒ یہاں سے مرفوعات کی تیسری اور چوتھی قسم کو بیان کر رہے ہیں۔ اور مصنفؒ نے دونوں کو ایک ساتھ بیان کیا ہے حالانکہ یہ دونوں علیحدہ علیحدہ قسمیں ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان دونوں کے درمیان تلازم ہے یعنی دونوں ایک دوسرے کے بغیر نہیں پائے جا سکتے، نیز دونوں کا عامل معنوی ہے۔

پہلے مبتدا کی تعریف کرر ہے ہیں کہ مبتدا ایسا اسم ہے جو عوامل لفظیہ سے خالی ہو اور مسند الیہ ہو یعنی اس کی طرف کسی دوسرے اسم یا فعل کی نسبت تامہ کی گئی ہو۔ جیسے: "زیدٌ قائمٌ" کہ زید عوامل لفظیہ سے خالی ہے، اور قائم کی اس کی طرف اسناد کی گئی ہے۔ اور "زید یقوم" میں فعل کی اسناد کی گئی ہے۔

**فوائد قیود:** "الاسم" جنس ہے جس میں تمام اسماء داخل ہیں۔ "المجرد عن العوامل اللفظية" پہلی فصل ہے جس سے وہ مسند الیہ نکل گیا جس پر عامل لفظی داخل ہو، جیسے: "إسم إن و کان" وغیرہ "مسنداً الیه" دوسری فصل ہے جس سے خبر اور مبتدا کی دوسری قسم نکل گئی۔ (مبتدا کی دوسری قسم کا بیان آگے آرہا ہے) کیونکہ یہ دونوں مسند ہوتے ہے۔

---

**أو الصفة الواقعة بعد حرف النفي أو ألف الاستفهام رافعة لظاهر مثل زيد قائم وماقائم الزيدان وأقائم الزيدان .**

---

**ترجمه:** یا (مبتدا) وہ ایسی صفت ہو جو واقع ہو حرف نفی کے بعد یا الف استفہام کے بعد حال یہ کہ وہ صفت اسم ظاہر کو رفع دینے والی ہو۔ جیسے: "زید قائم" اور "ماقائم الزیدان" اور "اقائم الزیدان"

**تشریح:** یہ مبتدا کی دوسری قسم کی تعریف ہے کہ وہ ایسا صفت کا صیغہ ہے جو حرف نفی یا ہمزۂ استفہام کے بعد واقع ہو، اور اس کے بعد جو اسم ظاہر یا اس کے قائم مقام یعنی ضمیر منفصل ہے اس کو رفع دے، یعنی صیغہ صفت کے بعد والا اسم خواہ مفرد ہو خواہ تثنیہ یا جمع ہو، صیغۂ صفت بہر حال فعل کی طرح مفرد ہو۔ جیسے: "زیدٌ قائمٌ" یہ مبتدا کی پہلی قسم کی مثال ہے۔ "ماقائم الزیدان" اور "أقائم الزیدان" یہ دونوں مبتدا کی دوسری قسم کی مثال ہیں۔ پہلی مثال میں صفت کا صیغہ حرف نفی کے بعد واقع ہے، اور دوسری مثال میں ہمزۂ استفہام کے بعد واقع ہے۔ اور جیسے: "أَراغِبٌ أَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِیْ یَاإِبْرَاهِیْمُ" کہ اس مثال میں صیغہ صفت "انت" ضمیر منفصل کو رفع دے رہا ہے۔

**فائدہ:** (۱) جو حکم ہمزۂ استفہام کا ہے وہی حکم "ما، هل، من، متى، أين" اور دیگر ادوات استفہام کا بھی ہے۔

**فائدہ:** (۲) صفت سے مراد عام ہے، مشتق ہو یا قائم مقام مشتق ہو، جیسے وہ اسم جس کے آخر میں یاءِ نسبتی لاحق ہو۔ جیسے: "قريشيٌّ، هاشميٌّ" وغیرہ۔

**فوائد قیود:** صفت کے حرف نفی یا ادوات استفہام کے بعد ہونے کی قید اس وجہ سے لگائی تا کہ اعتماد حاصل ہو جائے، اور اسم ظاہر کو رفع دینے کی قید سے وہ صفت کا صیغہ نکل گیا جو ضمیر متصل کو رفع دے۔ جیسے: "ماقائمان الزيدان، ماقائمون الزيدون" کیونکہ اس صورت میں صفت کا صیغہ خبر مقدم ہی ہوگا اور بعد والا اسم مبتدا مؤخر ہوگا۔

**فإن طابقت مفرداً جاز الأمران.**

**ترجمہ:** پس اگر مطابق ہو صیغہ صفت اسم مفرد کے تو دو امر جائز ہیں۔

**تشریح:** مطلب یہ ہے کہ جو صفت کا صیغہ حرف نفی یا ادوات استفہام کے بعد واقع ہو وہ اپنے بعد والے اسم ظاہر مفرد کے مطابق ہو۔ یعنی صیغۂ صفت اور اسم ظاہر دونوں مفرد ہوں تو اس میں دو امر جائز ہیں (۱) صفت کا صیغہ مبتدا ہو اور اسم ظاہر اس کا فاعل قائم مقام خبر ہو۔ (۲) اسم ظاہر مبتدا مؤخر ہو اور صفت کا صیغہ خبر مقدم ہو۔ جیسے: "ماقائم زيدٌ وأقائم زيدٌ"۔

**فائدہ:** اگر صیغہ صفت اور اسم ظاہر کے درمیان مطابقت تو ہو، لیکن مفرد ہونے میں نہیں، بلکہ دونوں تثنیہ ہوں یا جمع ہوں۔ جیسے: "أقائمان الزيدان، أقائمون الزيدون" تو اس میں صرف ایک صورت جائز ہے یعنی اسم ظاہر مبتدا مؤخر اور صیغۂ صفت خبر مقدم ہوگا جیسا کہ اوپر گزرا۔ اور اگر صیغۂ صفت اور اسم ظاہر میں سرے سے مطابق ہی نہ ہو، صفت کا صیغہ تو مفرد ہو اور اسم ظاہر تثنیہ یا جمع ہو تو اس میں بھی صرف ایک صورت جائز ہے یعنی صیغۂ صفت مبتدا کی دوسری قسم اور اسم ظاہر فاعل قائم مقام خبر۔ جیسے: "أقائم الزيدان، وماقائم الزيدان، أقائم الزيدون" وغیرہ۔

**والخبر هو المجرد المسند به المغاير للصفة المذكورة .**

**ترجمہ:** اور خبر وہ اسم ہے جو (عوامل لفظیہ سے) خالی ہو، مسند بہ ہو (یعنی اس کی کسی اسم کی طرف اسناد کی جائے) صفت مذکورہ کے مغایر ہو۔

**تشریح:** مصنفؒ یہاں سے خبر کی تعریف فرمار ہے ہیں کہ مبتدا کی خبر وہ اسم ہے جو عوامل لفظیہ سے خالی ہو اور مسند ہو اور اس صفت کے مغایر ہو جو حرف نفی یا استفہام کے بعد واقع ہو۔

**فوائد قیود:** "المسندبه" کی قید سے مبتدا نکل گیا اور "المغاير للصفة المذكورة" سے مبتدا کی دوسری قسم نکل گئی۔

**اہم فائدہ:** مبتدا اور خبر میں ''ابتدا'' یعنی اسم کا عوامل لفظیہ سے خالی ہونا عامل ہے، یعنی دونوں کو رفع دیتا ہے۔ اسم کو عامل لفظیہ سے خالی اس لئے کیا جاتا ہے تاکہ اس اسم کی طرف کسی شئی کی اسناد کی جاسکے، جیسے مبتدا میں۔ یا اس کی کسی شئی کی طرف اسناد کی جاسکے، جیسے خبر میں، یہ بصریین کا مذہب ہے۔ مصنفؒ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ چنانچہ دونوں کی تعریف میں "المجرد" فرمایا۔

اور سیبویہ وغیرہ کے نزدیک ابتدا مبتدا میں عامل ہے، اور خبر میں مبتدا عامل ہے۔ اس مذہب کے اعتبار سے مبتدا کا عامل تو معنوی ہوگا، اور خبر کا عامل لفظی (یعنی مبتدا) ہوگا۔ اور کسائی کا مذہب یہ ہے کہ مبتدا خبر میں عامل ہے اور خبر مبتدا میں عامل ہے، اس مذہب کے اعتبار سے دونوں کا عامل لفظی ہوگا۔

**وأصل المبتدا التقديم ومن ثم جاز في داره زيد وامتنع صاحبها في الدار .**

**ترجمہ:** اور مبتدا میں اصل تقدیم ہے، اور اسی وجہ سے جائز ہے "في داره زيدٌ" اور ممتنع ہے "صاحبها في الدار"۔

**تشریح:** مصنفؒ یہاں سے یہ بات بتلا رہے ہیں کہ مبتدا میں اصل یہ ہے کہ وہ خبر

پر لفظاً اور رتبۃً یا صرف رتبۃً مقدم ہو، بشرطیکہ کوئی مانع موجود نہ ہو۔ کیونکہ مبتدا ذات ہے اور خبر اس کا ایک حال ہے، اور ذات اپنے حال پر مقدم ہوتی ہے۔

اس کے بعد اصل مذکور پر تفریع کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اسی وجہ سے "فی دارہ زیدٌ" کہنا جائز ہے۔ اس لئے کہ "فی دارہ" کی ضمیر زید کی طرف لوٹ رہی ہے اور "زید" اگرچہ لفظاً مؤخر ہے لیکن مرتبہ میں مقدم ہے۔ کیونکہ مبتدا میں اصل تقدیم ہے۔ لہٰذا اضمار قبل الذکر صرف لفظاً لازم آئے گا، رتبۃً لازم نہیں آئے گا۔

اور "صاحبها فی الدار" ممتنع ہے کیونکہ "صاحبها" مبتدا ہے اور اس میں ضمیر "دار" کی طرف لوٹ رہی ہے۔ اور "دار" لفظاً و رتبۃً دونوں طرح مؤخر ہے کیونکہ خبر کے تحت میں ہے اور خبر میں اصل تاخیر ہے۔

## نکرہ کے مبتدا بننے کی شکلیں

**وقد يكون المبتدأ نكرةً إذا تخصّصت بوجه ما مثل ولعبدٌ مؤمنٌ خيرٌ من مشركٍ وأرجل في الدار إم امرأة وما أحد خير منك وشرٌ أهرّ ذاناب وفي الدار رجل وسلام عليك.**

**ترجمہ:** اور کبھی مبتدا نکرہ ہوتا ہے جب کہ کسی طریقہ سے اس میں تخصیص پیدا ہوجائے۔ جیسے: "وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِنْ مُشْرِكٍ" (اور البتہ مومن بندہ بہتر ہے مشرک سے) اور "أرجل في الدار ام إمرأة" (گھر میں مرد ہے یا عورت) اور "ما احدٌ خيرٌ منكَ" (تجھ سے بہتر کوئی نہیں ہے) اور "شرّ أهرّ ذاناب" (شر ہی نے بھڑکایا کتے کو) اور "في الدار رجل" (گھر میں مرد ہے) اور "سلام عليك" (تم پر سلامتی ہو)

**تشریح:** مطلب یہ ہے کہ مبتدا میں اصل تو یہ ہے کہ وہ معرفہ ہو، جس کی تین وجوہات ہیں۔ (۱) معرفہ ایک معین شئی ہے اور مقصود یہی ہے کہ امر معین پر حکم لگایا جائے (۲) مبتدا محکوم علیہ ہے اور محکوم علیہ جب تک معلوم نہ ہو اس پر حکم نہیں لگایا جاسکتا ہے۔

(۳) کلام عرب میں مبتدا کا معرفہ ہونا ہی کثیر الوقوع ہے۔ لیکن کبھی مبتدا نکرہ بھی ہوتا ہے جب کہ اس میں تخصیص کرلی جائے تو خاص ہونے کی وجہ سے اس میں اشتراک کم ہوجائے گا۔ اور معرفہ کے قریب ہوجائے گا۔ مصنفؒ نے نکرہ میں تخصیص کرنے کی چھ شکلیں بیان فرمائی ہیں:

(۱) صفت کی وجہ سے تخصیص ہو۔ جیسے: "وَلَعَبْدٌ مُّؤمِنٌ خَيْرٌ مِنْ مُشْرِكٍ" اس مثال میں "عبد" نکرہ تھا اور مومن وغیرہ مومن دونوں کو شامل تھا۔ لفظ مومن کی وجہ سے تخصیص پیدا ہوگئی، اور مبتدا بننا صحیح ہوگیا۔

(۲) متکلم کے علم کے اعتبار سے تخصیص ہو۔ جیسے: "أرجل في الدار أم إمراة" اس مثال میں "رجل" اور "إمراة" دونوں نکرہ ہیں۔ لیکن قاعدہ ہے کہ ہمزۂ استفہام اور لفظ "ام" کے ذریعہ وہاں سوال ہوتا ہے جہاں متکلم کو دو امروں میں سے ایک کا غیر متعین طور پر علم ہوتا ہے اور وہ سوال کرکے کسی ایک امر کو متعین کرانا چاہتا ہے۔ اس صورت میں چوں کہ متکلم کو کچھ نہ کچھ علم ہوتا ہے اس وجہ سے اس میں تخصیص پیدا ہوجاتی ہے۔ مثلاً مثال مذکور میں سائل کو یہ معلوم ہے کہ مرد و عورت میں سے کوئی نہ کوئی گھر میں ہے اب وہ یہ چاہتا ہے کہ یہ متعین کردیا جائے کہ وہ مرد ہے یا عورت، اسی وجہ سے "رجلٌ" اور "إمراة" میں تخصیص پیدا ہوگئی اور ان کا مبتدا بننا صحیح ہوگیا۔

(۳) نکرہ نفی کے تحت واقع ہو۔ کیونکہ نکرہ جب نفی کے تحت واقع ہوتا ہے تو وہ عموم افراد کا فائدہ دیتا ہے یعنی حکم تمام افراد کو شامل ہوتا ہے۔ اور تمام افراد کا مجموعہ امر واحد بن جاتا ہے۔ اور امر واحد متعین و مشخص ہوتا ہے، اس میں ابہام نہیں رہتا۔ جیسے: "ما أحدٌ خير منک" اس مثال میں "احد" نکرہ تحت النفی ہے لہٰذا مذکورہ تفصیل کی وجہ سے اس کا مبتدا بننا صحیح ہوگیا۔

**فائدہ:** یہ مثال بنو تمیم کے مذہب پر ہے۔ کیونکہ یہاں "ما" مشابہ بلیس ہے۔ اور "ما و لا مشابه بليس" بنو تمیم کے نزدیک ہی عمل نہیں کرتے ہیں۔ اس لئے ان کے

نزدیک "أحد" مبتدا ہوگا۔ اہل حجاز کے نزدیک "ما أحد الخ" میں "أحد" ما کا اسم ہے اور بعد والا اسم "خیراً" ہوگا۔

(۴) فاعل جیسی تخصیص ہو۔ یعنی جس طرح فعل کے ذکر کرنے کے بعد جب فاعل ذکر کیا جاتا ہے تو اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ یہی اسم ہے جس سے فعل کا صدور ہوا ہے اس کا غیر نہیں۔ اور ایک کے لئے اثبات اور غیر سے نفی اسی کو تخصیص کہتے ہیں۔ اسی طرح کی تخصیص کسی مثال میں ہو تو اس کا مبتدا بننا صحیح ہوگا۔ جیسے: "شرٌّ أهر ذاناب" کہ اس مثال "شرٌّ" میں فاعل جیسی تخصیص ہے، کیونکہ "شرٌّ أهر ذاناب" کہ اس مثال "شرٌّ" میں فاعل جیسی تخصیص ہے، کیونکہ "شرٌّ اهر ذاناب" کے معنی وہی ہیں جو "ما أهر ذاناب إلا شر" کے ہیں۔ اور اس مثال میں "شرٌّ، أهر" کا فاعل ہے اور "ما" اور "إلا" کی وجہ سے تخصیص ہے۔

اب مسئلہ یہ ہے کہ "ما أهر ذاناب إلا شر" میں تو "ما" اور "إلا" کی وجہ سے تخصیص ہے۔ اور "شر أهر ذاناب" میں "ما" اور "إلا" نہیں ہے تو پھر اس میں کہاں سے تخصیص آ گئی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ "شرٌّ أهر ذاناب" اصل میں "أهر شر ذاناب" تھا اور "شر، أهر" کی ضمیر "هو" سے بدل ہے اور بدل فاعل حکمی ہوتا ہے۔ اس کا درجہ فعل کے بعد ہوتا ہے، اگر اس کو فعل پر مقدم کر دیں گے تو گویا فاعل کو مقدم کر دیا۔ اور "تقديم ماحقه التاخير" سے تخصیص پیدا ہو جائے گی۔ حاصل یہ کہ "ما أهر ذاناب إلا شر" میں تخصیص "ما" اور "إلا" کی وجہ سے ہے اور "شر أهر ذاناب" میں تخصیص "تقديم ماحقه التاخير" کی وجہ سے ہے۔ لہٰذا "شر" کا مبتدا بننا صحیح ہو گیا۔

**فائدہ:** (۱) مندرجہ بالا تفصیل اس وقت ہے جب کہ کتا معتاد آواز میں بھونکے۔ کیونکہ معتاد آواز میں کتے کے بھونکنے کا سبب کبھی تو خیر ہوتا ہے۔ جب کہ کتا جانے پہچانے شخص کو دیکھ کر بھونکے۔ اور کبھی سبب شر ہوتا ہے جب کہ اجنبی کو دیکھ کر بھونکے۔ تو اس صورت میں "شرٌّ أهر ذاناب" کا مطلب یہ ہوگا کہ شر ہی نے بھونکایا کتے کو نہ کہ خیر نے۔ تو اس میں شر کا اثبات ہے اور خیر کی نفی ہے اور اسی کو تخصیص کہتے ہیں یعنی فاعل جیسی

تخصیص۔ لیکن اگر کتا غیر معتاد آواز میں بھونکے مثلاً چور کے آنے کی وجہ سے۔ تو اس کا سبب صرف شر ہوتا ہے خیر نہیں ہوتا۔ لہٰذا اس صورت میں شر کا اثبات ہے اور خیر کی نفی نہیں ہے۔ اب تخصیص کی کیا صورت ہوگی؟ تو اس صورت میں تخصیص کی یہ صورت ہوسکتی ہے کہ شر کی دو قسمیں کی جائیں۔ (۱) شر عظیم (۲) شر حقیر۔ اور "شرٌ أهرَّ ذاناب" میں شر کی یا تو عظیم صفت محذوف مانی جائے اور یا شر پر تنوین تعظیم کے لئے مانی جائے۔ یعنی "شرٌ عظيمٌ أهر ذاناب لاحقير" تو اس صورت میں "شرٌ عظيمٌ" کا اثبات ہے اور "شر حقير" کی نفی ہے، اور یہی تخصیص ہے۔ اس صورت کا حاصل یہ ہے کہ یہاں تخصیص صفت کی وجہ سے ہے اور یہ تخصیص کی شکل اول سے متعلق ہے۔ واللہ اعلم

**فائدہ:** (۲) "شرٌ أهرَّ ذاناب" ایک مثل ہے اس کا اطلاق اس وقت ہوتا ہے جب کوئی بہادر شخص کسی معاملہ میں پریشان ہو جائے اور اس کو اس کا حل سمجھ میں نہ آرہا ہو۔

(۵) خبر کے مقدم ہونے کی وجہ سے تخصیص ہو۔ جیسے: "في الدار رجل" جب "في الدار" کہا گیا تو مخاطب کو علم ہوگیا کہ اس کے بعد ایسا اسم ذکر کیا جائے گا کہ اس کا استقرار فی الدار کی ساتھ متصف ہونا صحیح ہے۔ گویا متکلم نے یوں کہا: "رجلٌ موصوف بشحة استقراره في الدار" پس "رجل" نکرہ موصوفہ بن گیا اور صفت کی وجہ سے اس میں تخصیص آگئی۔ لیکن یہ صورت اسی وقت ہے جب کہ خبر ظرف ہو، اگر خبر ظرف نہ ہو تو اس کی تقدیم سے تخصیص پیدا نہ ہوگی۔ جیسے: "قائم رجلٌ" کہ اس میں تخصیص نہیں ہے۔

(٦) متکلم کی طرف نسبت کرنے سے تخصیص ہو۔ جیسے: "سلامٌ عليك" اس میں "سلام" نکرہ ہے لیکن تخصیص کی وجہ سے اس کا مبتدا بننا صحیح ہوگیا۔ اور تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ اس میں متکلم کی طرف نسبت کی وجہ سے یہ "سلامي عليك" یعنی "سلام من قبلي عليك" کے معنی میں ہے۔ کیونکہ اس کی اصل "سلمت سلاماً عليك" تھی۔ یہ جملہ فعلیہ ہے، اس کو بقصد دوام واستمرار جملہ اسمیہ بنانے کے لئے "سلمت" فعل کو حذف کر کے "سلاماً" پر رفع دیدیا۔ کیونکہ اس کو مبتدا بنانا ہے اور مبتدا پر رفع آتا ہے "سلام

عـلیک" ہوگیا۔اور جملہ اسمیہ اس لئے بنایا گیا کیونکہ یہ جملہ دعائیہ ہے اور دعا کے لئے دوام واستمرار مناسب ہے۔

**فائدہ:** (۱) ہر جملہ اسمیہ دوام واستمرار پر دلالت نہیں کرتا۔ بلکہ جس کو جملہ فعلیہ سے عدول کر کے جملہ اسمیہ بنایا گیا ہو، وہ دوام واستمرار پر دلالت کرتا ہے۔ واللہ اعلم

**فائدہ:** (۲) نکرہ کا تخصیص کے بعد مبتدا بننا نحویوں میں مشہور ہے۔اور بعض نحاۃ کا قول یہ ہے کہ اصل تخصیص نہیں بلکہ اصل چیز افادہ ہے۔اگر نکرہ ہو اور اس سے مخاطب کو فائدہ حاصل ہوسکتا ہو تو بغیر تخصیص کے بھی اس کو مبتدا بنا سکتے ہیں۔جیسے:"کـوکـب انـقـض الـسـاعـة" (ایک ستارہ ابھی ٹوٹا ہے) اس میں کوکب نکرہ ہے اور بغیر تخصیص کے اس کا مبتدا بننا درست ہے، کیونکہ اس خبر سے مخاطب کو فائدہ حاصل ہوا ہے۔اس لئے کہ ہوسکتا ہے پہلے سے اس کو کسی ستارہ کے ٹوٹنے کا علم نہ ہو، اسی کلام سے ہوا ہو۔ برخلاف "رجـل قـائمٌ" کے کیونکہ مخاطب کو یہ تو پہلے سے ہی علم ہے کہ دنیا میں اس وقت کوئی نہ کوئی کھڑا ہے۔"رجل قائمٌ" سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوا۔

## مبتدا اور خبر کے چند احکام

**والخبر قديكون جملة مثل زيدٌ ابوه قائمٌ وزيدٌ قام ابوه فلابد من عائد وقد يحذف .**

**ترجمہ:** اور خبر کبھی جملہ ہوتی ہے۔جیسے:"زيدٌ أبوه قائم" اور "زيدٌ قائم ابوه" پس اس صورت میں کسی عائد کا ہونا ضروری ہے اور کبھی اس عائد کو حذف کر دیا جاتا ہے۔

**تشریح:** ماقبل میں خبر کی تعریف اس طرح کی گئی ہے:"هـو الـمجرد الخ" یعنی خبر وہ اسم ہے جو عوامل لفظیہ سے خالی ہو۔اس سے معلوم ہوا کہ خبر اسم کی قسم ہے، اور اسم مفرد ہوتا ہے۔ اس کا تقاضہ یہ ہے کہ خبر ہمیشہ مفرد ہو، اس لئے مصنفؒ یہاں سے فرماتے ہیں کہ خبر کبھی جملہ بھی ہوتی ہے، خواہ جملہ اسمیہ ہو۔جیسے:"زيدٌ ابوه قائم" یا جملہ فعلیہ ہو۔جیسے:"زيدٌ قام ابوه"۔

اس کے بعد فرماتے ہیں کہ خبر جب جملہ ہو تو اس میں رابط اور عائد کا ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ جملہ مستقل ہوتا ہے، وہ ماقبل کا محتاج نہیں ہوتا جب کہ خبر کا مبتدا سے ربط ہوتا ہے، اس لئے خبر جب جملہ ہوگی تو اس کا مبتدا سے ربط کرنے کے لئے کوئی رابط ہونا چاہئے، رابط کی کئی صورتیں ہے۔(۱) ضمیر۔ جیسے مذکورہ دونوں مثالوں میں (۲) لام۔ جیسے: "نعم الرجل زید" جب کہ زید مبتدا مؤخر ہو اور "نعم الرجل" خبر مقدم ہو، تو اس صورت میں "الرجل" میں الف لام کی وجہ اس کا زید مبتدا سے ربط ہوگیا (۳) "وضع المظهر موضع المضمر" جیسے: "الحاقة ماالحاقة" کہ اصل میں "ماهی" تھا۔ وغیرہ وغیرہ۔

تیسری بات فرماتے ہیں کہ کبھی کبھی اس رابط کو حذف کردیتے ہیں، بشرطیکہ قرینہ موجود ہو۔ نیز ہر رابط کو حذف نہیں کرتے بلکہ صرف ضمیر کو حذف کرتے ہیں۔ جیسے: "البُرُّ الکُرُّ بستین درهماً" (ایک کر گیہوں ساٹھ درہم کا ہے) اور "السمنُ منوانِ بدرهم" (دوسیر گھی ایک درہم کا ہے) ان دونوں مثالوں میں "البر" اور "السمن" مبتدا ہیں، اور مابعد خبر ہیں۔ جن میں "منه" رابط ہے، یعنی "البُرُّ الکُرُّ منه الخ" اور "السمنُ مَنوانِ منهُ الخ" اس عائد کو قرینہ کی وجہ سے حذف کردیا۔ قرینہ یہ ہے کہ گیہوں اور گھی کا بیچنے والا بیچتے وقت انہیں چیزوں کا بھاؤ بتائے گا دوسری چیز کا نہیں۔

**وماوقع ظرفاً فالأکثر علی انه مقدرٌ بجملةٍ.**

**ترجمہ:** اور جو خبر ظرف واقع ہو تو اکثر نحاۃ اس بات پر ہیں کہ وہ جملہ کے ساتھ مقدر ہوگی۔

**تشریح:** مطلب یہ ہے کہ اگر خبر ظرف زمان، یا مکان، یا جار مجرور ہو تو اکثر نحاۃ یعنی بصریین کا مذہب یہ ہے کہ اس کی تاویل جملہ کے ساتھ کی جائے گی، یعنی ایسی خبر کا عامل فعل نکالا جائے گا۔ دلیل یہ ہے کہ عمل میں فعل اصل ہے، جب عامل کو مقدر مانا جائیگا، تو عمل میں جو اصل ہے اسی کو مقدر مانا جائے گا۔

کوفیین اس خبر کا عامل شبہ فعل نکالتے ہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ خبر میں اصل یہ ہے

کہ وہ مفرد ہو، اور یہ جبھی ہوسکتا ہے جب کہ شبہ فعل کو مقدر مانا جائے، فعل کو مقدر ماننے کی صورت میں خبر مفرد نہیں ہوگی۔ مثال "زید فی الدار"۔

بصریین کے نزدیک اس کی تقدیر "زید حصل فی الدار" ہوگی۔ اور کوفیین کے نزدیک "زید حاصلٌ فی الدار" یا "زیدموجودٌ فی الدار" ہوگی۔

وإذا كان المبتدأ مشتملاً على ماله صدر الكلام مثل من أبوك أو كانا معرفتين أو متساويين نحو أفضل منك أفضل مني، أو كان الخبر فعلاً له مثل زيد قام وجب تقديمه .

**ترجمه:** اور جب مبتدا مشتمل ہو اس چیز پر جس کے لئے صدارت کلام ہے۔ جیسے: "من أبوک" یا وہ دونوں معرفہ ہوں، یا (تخصیص میں) برابر ہوں۔ جیسے: "أفضل منک أفضل منی" یا خبر مبتدا کا اثر ہو۔ جیسے: "زید قام" تو مبتدا کو مقدم کرنا واجب ہے۔

**تشریح:** مبتدا کے اندر اصل تو یہ ہے کہ وہ خبر سے مقدم ہو، لیکن تاخیر بھی جائز ہے۔ جب کہ بعض مرتبہ مبتدا کا مقدم کرنا واجب ہوتا ہے، تاخیر جائز نہیں ہوتی۔ اور ایسی کل چار صورتیں ہیں۔

(۱) مبتدا ایسے معنی پر مشتمل ہو جو صدارت کلام کو (یعنی شروع میں آنا) چاہتا ہو۔ تو اس صورت میں مبتدا کا مقدم کرنا واجب ہے، تا کہ اس معنی کی صدارت باقی رہے۔ جیسے: "من ابوک" میں "من" حرف استفہام ہے۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ شروع کلام میں آئے۔ "من" مبتدا ہے اور "ابوک" خبر ہے۔ اور "من" اگرچہ نکرہ ہے، مگر یہ "أهذا ابوک ام ذاک" کی تاویل میں ہے۔ اور "هذا" اسی طرح "ذاک" معرفہ ہیں، تو گویا "من" معرفہ کی تاویل میں ہوکر مبتدا بن گیا۔

(۲) مبتدا اور خبر دونوں معرفہ ہوں، خواہ معرفہ ہونے میں دونوں برابر ہوں یا برابر نہ ہوں، بلکہ متفاوت ہوں، اور ان میں سے ایک کے مبتدا ہونے اور دوسرے کے خبر ہونے پر قرینہ نہ ہو، تو مبتدا کا مقدم کرنا واجب ہے۔ اگر مبتدا کی تقدیم کو واجب قرار نہ دیا جائے تو مبتدا اور خبر کے درمیان التباس لازم آئے گا، پتہ نہیں چلے گا کہ کون مبتدا ہے اور کون خبر۔

جیسے: "زید المنطق، رشید القاری" لیکن اگر مبتدا کے مبتدا ہونے پر کوئی قرینہ ہو تو پھر مبتدا کی تقدیم واجب نہیں، کیونکہ اس صورت میں التباس نہیں رہتا۔ جیسے: "بنونا بنو أبنائنا" اس مثال میں "بنونا" خبر مقدم ہے اور "بنو أبنائنا" مبتدا مؤخر ہے اس کو مقدم کرنا واجب نہیں، اس لئے کہ یہاں مبتدا بننے پر قرینہ یہ ہے کہ عرف میں اپنے بیٹوں کے بیٹوں یعنی پوتوں کو تو بیٹا کہا جاتا ہے، مگر بیٹوں کو پوتا نہیں کہا جاتا۔ اور "بنونا" کو مبتدا کہنے کی صورت میں بیٹوں کو پوتا کہنا لازم آتا ہے۔

(۳) مبتدا کے وجوب تقدیم کی تیسری صورت یہ ہے کہ مبتدا وخبر دونوں نکرۂ مخصصہ ہوں، اور دونوں نفس تخصیص میں برابر ہوں، خواہ مقدر تخصیص میں تفاوت ہو۔ جیسے: "أفضل منک افضل منی" (جو تجھ سے افضل ہے وہ مجھ سے بھی افضل ہے) اس مثال میں مبتدا اور خبر دونوں نفس تخصیص میں برابر ہیں، اگرچہ "أفضل منی" میں تخصیص زیادہ ہے، کیونکہ متکلم کی ضمیر میں تعریف بہ نسبت دوسری ضمیروں کے زیادہ ہوتی ہے۔ اس صورت میں بھی وجوب تقدیم کی وجہ مبتدا وخبر کے درمیان التباس کا اندیشہ ہے، اگر مبتدا کی تقدیم کو واجب نہ کہا جائے تو پتہ نہیں چلے گا کہ کون مبتدا ہے اور کون خبر۔

(۴) چوتھی صورت یہ ہے کہ خبر مبتدا کا فعل ہو۔ یعنی خبر ایسا کام ہو جو مبتدا سے وجود میں آیا ہو تو بھی مبتدا کا مقدم کرنا واجب ہے، ورنہ تو فاعل کے ساتھ مبتدا کا التباس لازم آئے گا۔ جیسے: "زید قام" اس مثال میں قیام کا وجود "زید" سے ہوا ہے تو اگر "زید" مبتدا کو مؤخر کر دیا جائے، اور "قام زید" کہا جائے، تو پتہ نہیں چلے گا کہ "زید" فاعل ہے یا مبتدا۔ اس التباس سے بچنے کے لئے مبتدا کی تقدیم واجب ہے۔

لیکن مبتدا کا فاعل کے ساتھ التباس اس وقت لازم آئے گا، جب کہ فعل مفرد ہو اور اگر فعل تثنیہ یا جمع ہو، تو پھر فاعل کے ساتھ التباس لازم نہیں آئے گا، بلکہ فاعل کے بدل کے ساتھ التباس لازم آئے گا۔ جیسے: "الزیدان قاما، الزیدون قاموا" ان میں اگر مبتدا کو مؤخر اور خبر کو مقدم کر دیں، تو پتہ نہیں چلے گا کہ "الزیدان" مبتدا ہیں، یا "قاما" کی

ضمیر "هما" اور "قاموا" کی ضمیر "هم" سے بدل ہے۔

**وإذا تضمّن الخبر المفرد ماله صدر الكلام مثل أين زيدٌ او كان مصحّحًا له مثل في الدار رجل أولمتعلّقه ضمير في المبتدأ مثل على التمرة مثلها زُبَداً. أو كان خبراً عن أنّ مثل عندي أنك قائم وجب تقديمه.**

**ترجمہ**: اور جب شامل ہو خبر مفرد اس چیز کو جس کے لئے صدارت کلام ہے۔ جیسے: "أين زيد" یا خبر مبتدا کو صحیح قرار دینے والی ہو۔ جیسے: "في الدار رجلٌ" یا مبتدا میں خبر کے متعلق کی ضمیر ہو۔ جیسے: "على التمرة مثلها زُبَداً" یا وہ "أنّ" کی خبر بن رہی ہو۔ جیسے: "عندي أنك قائمٌ" تو خبر کو مقدم کرنا واجب ہے۔

**تشریح**: اس سے پہلے مصنفؒ نے وہ مقامات بیان کئے تھے جہاں مبتدا کا مقدم کرنا واجب ہے، اور وہ چار مقامات تھے۔ اب یہاں سے ان مقامات کو بیان فرمارہے ہیں جہاں خبر کا مبتدا پر مقدم کرنا واجب ہے اور وہ بھی چار مقامات ہیں۔

(۱) جب خبر مفرد ایسی شئی کو متضمن ہو جس کے لئے صدارت کلام (یعنی شروع میں آنا) ضروری ہو، تو اس صورت میں خبر کا مبتدا پر مقدم کرنا واجب ہے۔ جیسے: "أين زيد" اس مثال میں۔ "أين" استفہام کے لئے ہے جس کا شروع میں آنا ضروری ہے، تو اس کی صدارت کو باقی رکھنے کے لئے اس کو مقدم کرنا واجب ہے۔

**فائدہ**: (۱) مفرد کا مطلب یہ ہے کہ وہ صورۃً جملہ نہ ہو خواہ حقیقۃً جملہ ہو، یا حقیقۃً بھی جملہ نہ ہو جس طرح صورۃً جملہ نہیں ہے۔ پس مثال مذکور میں "أين" ظرف ہے، اور صورۃً مفرد ہے۔ تو اگر بصریین کے مذہب کے مطابق فعل کو مقدر مانا جائے گا تو خبر (یعنی أين) حقیقۃً جملہ ہوگی اور صورۃً مفرد ہوگی۔ اور اگر کوفیین کے مذہب کے مطابق اسم فاعل کو مقدر مانا جائے گا تو خبر صورۃً و حقیقۃً مفرد ہی ہوگی۔

**فائدہ**: (۲) خبر کو مفرد کے ساتھ مقید کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اگر کہیں خبر جملہ ہو تو پہلے

مبتدا سے اس کو مقدم نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ جس جملہ میں "این" ہے اس کے شروع میں تو وہ موجود ہے، تو جب اس کی صدارت پر کوئی اثر نہیں پڑ رہا ہے تو پہلے مبتدا سے اس کو مقدم نہیں کیا جائے گا۔ جیسے: "زید این ابوہ" میں "این" کو "زید" سے مقدم نہیں کیا جائیگا۔

(۲) خبر کو مبتدا پر مقدم کرنے کا دوسرا موقع یہ ہے کہ خبر ایسی ہو کہ اگر اس کو مقدم نہ کیا جائے تو مبتدا کا مبتدا بننا صحیح نہ ہو۔ جیسے: "فی الدار رجلٌ" اس مثال میں "رجلٌ" نکرہ ہے اور بغیر تخصیص کے نکرہ کا مبتدا بننا صحیح نہیں، اس لئے "فی الدار" خبر کو مقدم کر دیا گیا۔ تاکہ تقدیم ماحقہ التاخیر سے "رجلٌ" میں تخصیص پیدا ہو جائے اور وہ مبتدا بن جائے۔

(۳) خبر کی تقدیم کا تیسرا موقع یہ ہے کہ مبتدا میں کوئی ایسی ضمیر ہو جو خبر کے متعلق کی طرف راجع ہو، تو اس صورت میں خبر کا مبتدا پر مقدم کرنا واجب ہے، ورنہ اضمار قبل الذکر لفظاً رتبۃً لازم آئے گا۔ جیسے: "علی التمرۃ مثلہا زبداً" (کھجور پر اس کے مانند مسکہ ہے) اس مثال میں "مثلہا زبداً" مبتدا ہے اور "علی التمرۃ" خبر ہے، اور "التمرۃ" خبر کا متعلق ہے، جس کی طرف "مثلہا" کی ضمیر راجع ہے۔ لہٰذا اس کو مقدم کرنا واجب ہے تاکہ اضمار قبل الذکر لازم نہ آئے۔

(۴) چوتھی صورت یہ ہے کہ "اَنّ" مفتوحہ اپنے اسم و خبر سے مل کر مفرد کی تاویل میں ہو کر مبتدا ہو، تو اس کی خبر کا مقدم کرنا واجب ہے۔ کیونکہ اگر خبر کو موخر کر دیا جائے تو "اَنّ" مفتوحہ شروع میں آ جائے گا، جس کی وجہ سے "اِن" بالکسر کے ساتھ اس کا التباس لازم آئے گا۔ جیسے: "عندی انک قائمٌ" اس مثال میں "عندی" خبر کی تقدیم ضروری ہے تاکہ "اَنّ" مفتوحہ کا "اِنّ" مکسورہ کے ساتھ التباس لازم نہ آئے۔

**وقد یتعدد الخبر مثل زیدٌ عالمٌ عاقلٌ .**

**ترجمہ:** اور کبھی خبر متعدد ہوتی ہے۔ جیسے: "زیدٌ عالمٌ عاقلٌ"۔

**تشریح:** کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مبتدا تو ایک ہی ہوتا ہے اور اس کی خبریں ایک سے زیادہ ہوتی ہیں۔ اور کبھی وہ خبریں لفظ اور معنی دونوں اعتبار سے الگ الگ ہوتی ہیں۔ اور کبھی لفظ کے اعتبار سے الگ الگ اور معنی کے اعتبار سے ایک ہی ہوتی ہیں۔

اگر وہ خبریں لفظ اور معنی دونوں اعتبار سے الگ الگ ہوں تو ان کو لانے کی دو صورتیں ہیں۔(۱) کبھی ان کے درمیان حرف عطف آتا ہے۔ جیسے: "زیدٌ عالمٌ و عاقلٌ" اور کبھی حرف عطف نہیں آتا۔ جیسے: "زیدٌ عالمٌ عاقلٌ"۔

اور اگر وہ خبریں صرف لفظ کے اعتبار سے الگ الگ ہوں تو اس صورت میں حرف عطف نہ لانا زیادہ بہتر ہے، کیونکہ وہ خبریں حقیقت میں الگ الگ نہیں، بلکہ ایک ہی ہیں۔ جیسے: "هذا حلوٌ حامضٌ" (یہ کھٹا میٹھا ہے) ان دونوں کے معنی الگ الگ مقصود نہیں بلکہ دونوں کو ملا کر ایک معنی مقصود ہیں۔

**فائدہ:** (۱) مصنف ؒ نے صرف بغیر عطف والی مثال اس لئے بیان کی کہ اس میں خفا تھا، عطف والی صورت میں کوئی خفا نہ تھا، اس لئے اس کی مثال بیان کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔

**فائدہ:** (۲) مصنف ؒ نے صرف خبر کے متعدد ہونے کو بیان کیا ہے، مبتدا کے متعدد ہونے کو بیان نہیں کیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بغیر عطف کا تعدد صرف خبر میں ہوتا ہے، مبتدا میں عطف کے ساتھ تو تعدد ہوتا ہے بغیر عطف کے وہ متعدد نہیں ہوتا۔ واللہ اعلم

---

**وقد يتضمن المبتدأ معنى الشرط فيصح دخول الفاء فالخبر وذلك الإسم الموصول بفعل أو ظرف أو لنكرة الموصولة بهما مثل الذى يأتينى أو فى الدار فله درهم وكل رجل يأتينى أو فى الدار فله درهم.**

---

**ترجمہ:** اور کبھی مبتدا شرط کے معنی کو شامل ہوتا ہے، تو (اس وقت) فاء کا خبر میں داخل ہونا صحیح ہے، اور وہ ایسا اسم (موصول) ہے جس کا صلہ لایا گیا ہو فعل کے ساتھ، یا ظرف کے ساتھ۔ یا ایسا اسم نکرہ ہے جس کی صفت لائی گئی ہو ان دونوں (فعل یا ظرف کے ساتھ۔ جیسے: "الذى يأتينى أو فى الدار الخ"۔

**تشریح:** اس سے پہلے مصنف ؒ نے مبتدا اور خبر کے الگ الگ احکام بیان کئے تھے۔ اب دونوں کے مشترک احکام بیان کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ کبھی مبتدا شرط کے معنی کو متضمن

ہوتا ہے، تو اس وقت خبر جزاء کے مشابہ ہوگی، اس لئے اس پر فاء کا داخل کرنا صحیح ہے۔

**معنی شرط کا مطلب:** شرط کے معنی کا مطلب یہ ہے کہ اول کا وجود ثانی کے وجود کے لئے سبب ہو، یا اول کا وجود ثانی پر حکم لگانے کا سبب ہو۔

**مبتدا متضمن معنی شرط کی قسمیں:** جو مبتدا شرط کے معنی کو متضمن ہوتا ہے، مصنفؒ نے اس کی چار قسمیں بیان کی ہیں:

(۱) مبتدا اسم موصول ہو اور اس کا صلہ جملہ فعلیہ ہو۔

(۲) یا اس کا صلہ ایسا جملہ ظرفیہ ہو جس کی تاویل جملہ فعلیہ کے ساتھ ہو۔ اور اسی حکم میں وہ اسم بھی ہے جو موصوف ہو اور اس کی صفت یہ اسم موصول ہو۔ دو قسمیں یہ نکل آئیں۔

(۳) مبتدا وہ اسم نکرہ ہو جس کی صفت جملہ فعلیہ ہو۔

(۴) یا جملہ ظرفیہ ہو اور موصوف صفت سے ملا کر اس کو مبتدا بنایا جائے، البتہ اسی نکرہ موصوفہ کے حکم میں وہ اسم بھی ہے جو اس نکرہ موصوفہ کی طرف مضاف ہو کر مبتدا بنے۔ دو قسمیں یہ ہوگئیں۔ اس طرح کل آٹھ قسمیں ہوگئیں، جن کی تفصیل مع امثلہ یہ ہے۔

(۱) مبتدا اسم موصول ہو جس کا صلہ جملہ فعلیہ ہو۔ جیسے: "الذی یأتینی فلہ درھم"۔

(۲) مبتدا اسم موصول ہو جس کا صلہ ایسا جملہ ظرفیہ ہو جس کی تاویل فعل کے ساتھ ہو، جیسے: "الذی فی الدار فلہ درھم"، "أی الذی استقر فی الدار الخ"۔

(۳) مبتدا ایسا اسم موصوف ہو جس کی صفت وہ اسم موصول ہو، جس کا صلہ جملہ فعلیہ ہو۔ جیسے: "قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِیْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِیْکُمْ" اس مثال میں "الموت" موصوف ہے جس کی صفت "الذی" اسم موصول ہے جس کا صلہ "تفرون" فعل ہے۔

(۴) مبتدا ایسا اسم موصوف ہو جس کی صفت وہ اسم موصول ہو جس کا صلہ جملہ ظرفیہ ہو، اور اس جملہ ظرفیہ کی تاویل فعل کے ساتھ ہو۔ جیسے: "الرجل الذی فی الدار فلہ درھم"۔ اس مثال میں "الرجل" موصوف ہے جس کی صفت "الذی" اسم موصول ہے جس کا صلہ "فی الدار" جملہ ظرفیہ ہے، اور اس کی تاویل "استقر" فعل کے ساتھ ہے۔

(۵) مبتدا ایسا اسم نکرہ ہو جس کی صفت جملہ فعلیہ ہو۔ جیسے: "كل رجل يأتيني فله درهم"۔

(۶) مبتدا ایسا اسم نکرہ ہو جس کی صفت جملہ ظرفیہ ہو، اور اس کی تاویل فعل کے ساتھ ہو۔ جیسے: "كل رجل في الدار فله درهم اي استقر في الدار"۔

(۷) مبتدا ایسا اسم ہو جو ایسے نکرہ کی طرف مضاف ہو جس کی صفت جملہ فعلیہ ہو۔ جیسے: "كل غلام رجل يأتيني فله درهم"۔

(۸) مبتدا ایسا اسم ہو جو ایسے اسم نکرہ کی طرف مضاف ہو جس کی صفت وہ جملہ ظرفیہ ہو جس کی تاویل فعل کے ساتھ ہو۔ جیسے: "كل غلام رجل في الدار فله درهم أي استقر في الدار"۔

**فائدہ**: جو اسم موصول شرط کے معنی کو متضمن ہو تو اس کا صلہ فعل ہونا ضروری ہے۔ اور اگر صلہ ظرف ہو تو اس کا عامل بصریین وکوفیین دونوں کے نزدیک فعل ہونا ضروری ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تاکہ مبتدا کی مشابہت شرط کے ساتھ موکد ہو جائے، کیونکہ شرط ہمیشہ فعل ہی ہوا کرتی ہے۔

---

**وليت ولعلّ مانعان بالاتفاق والحق بعضهم إنّ بهما .**

---

**ترجمه**: اور لیت ولعل (خبر پر فاء کے داخل ہونے سے) مانع ہے بالاتفاق۔ اور بعض نحاۃ نے "إنّ" کو بھی دونوں کے ساتھ لاحق کیا ہے۔

**تشریح**: مصنفؒ نے اوپر بیان کیا کہ جو مبتدا شرط کے معنی کو متضمن ہو اس کی خبر پر فاء داخل ہوتا ہے۔ اب یہاں سے یہ بات بیان کرتے ہیں کہ اگر ایسے مبتدا پر "ليت" یا "لعل" داخل ہو جائے، تو پھر اس کی خبر پر باتفاق نحاۃ فاء نہیں آئے گا۔ کیونکہ مبتدا متضمن معنی شرط کی خبر جزاء کے مشابہ ہوتی ہے، جس کی وجہ سے اس پر فاء آتا ہے جب کہ "ليت ولعل" کی وجہ سے یہ مشابہت ختم ہو جائے گی۔ کیونکہ شرط اور جزا اخبار کے قبیل سے ہیں، اور "ليت ولعل" اس کو انشاء بنا دیں گے۔

اور بعض نحاۃ یعنی سیبویہ وغیرہ نے "إنّ" مکسورہ کو بھی "ليت ولعل" کے ساتھ لاحق

کیا ہے، اور کہا ہے کہ جس طرح "لیت و لعل" دخول فاء سے مانع ہیں "اِنَّ" مکسورہ بھی مانع ہے۔ لیکن ان کی بات صحیح نہیں۔ کیونکہ "اِنَّ" مکسورہ کی خبر پر فاء آتا ہے، اس لئے کہ "اِنَّ" کی وجہ سے کلام انشاء نہیں بن جاتا۔ جیسے: "اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ کُفَّارٌ فَلَنْ یُّقْبَلَ الخ"۔ اس آیت میں "فَلَنْ یُّقْبَلَ" "اِنَّ" کی خبر ہے اور اس پر فاء داخل ہے۔

**وقد یحذف المبتدأ لقیام قرینۃٍ جوازًا کقول المستهل الهلال واللّٰه.**

**ترجمہ:** اور کبھی مبتدا کو حذف کر دیا جاتا ہے قرینہ کے قائم ہونے کے وقت جوازاً۔ جیسا کہ چاند دیکھنے والے کا قول "الهلال واللّٰه" (اللہ کی قسم یہ چاند ہے)

**تشریح:** یہاں سے مصنفؒ مبتدا کی ایک حالت ذکر فرماتے ہیں کہ مبتدا کو کبھی قرینہ کے پائے جانے کے وقت جوازاً حذف کر دیا جاتا ہے۔ جیسا کہ چاند دیکھنے والے کے قول "الهلال واللّٰه" میں قرینہ حالیہ کی وجہ سے "هٰذا" مبتدا محذوف ہے۔ اصل عبارت ہے "هذا الهلال واللّٰه"۔

اب یہاں دو سوال ہوتے ہیں (۱) ایک سوال تو یہ ہے کہ اس کی کیا دلیل ہے کہ یہاں "هٰذا" مبتدا ہی محذوف ہے، ہو سکتا ہے کہ "الهلال" مبتدا ہو اور "هٰذا" خبر محذوف ہو۔ تو اس صورت میں یہ خبر کے محذوف ہونے کی مثال ہوں گی (۲) دوسرا سوال یہ ہے کہ مثال میں قسم لانے کی کیا ضرورت ہے، اس کو مثال میں کیا دخل ہے۔

پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ خبر محذوف ماننے کی صورت میں مستہل کا مقصد فوت ہو جائے گا۔ مستہل کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ پہلے ایک شئی کو اشارہ کے ذریعہ متعین کر دے، پھر اس پر چاند ہونے کا حکم لگائے۔ تاکہ دوسرے لوگ چاند کی طرف متوجہ ہوں، اور وہ بھی چاند دیکھ لیں۔ اور ظاہر ہے کہ یہ مقصد مبتدا محذوف ماننے کی صورت میں ہی ہوگا۔ اور مستہل کا یہ مقصد ہی حذف کا قرینہ ہے۔

اور دوسرے سوال کے دو جواب ہیں (۱) پہلا جواب تو یہ ہے کہ چاند دیکھنے والوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ ایسے موقع پر قسم کھاتے ہیں، تو ان کی عادت کی وجہ سے یہ قسم لاتے

ہیں۔ اور دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر لفظ "واللہ" نہ لاتے تو "الھلال" پر وقف ہوتا اور وہ ساکن ہوتا۔ جس کی وجہ سے اس پر نصب کا وہم ہوتا، اور کوئی بھی اس کو "رایت" کا مفعول سمجھ لیتا۔ اور اصل عبارت اس کے نزدیک "رایت الھلال" ہوتی۔ "واللہ" لانے کی وجہ سے یہ وہم ختم ہوگیا۔ واللہ اعلم

والخبر جوازاً مثل خرجت فإذا السبعُ.

**ترجمہ**: اور کبھی خبر کو بھی جوازاً حذف کردیا جاتا ہے۔ جیسے: "خرجت فإذا السبع" (میں نکلا تو اچانک درندہ کھڑا تھا)

**تشریح**: اس سے پہلے مصنفؒ نے مبتدا کے حذف ہونے کو بیان کیا تھا، اب خبر کے حذف کو بیان کررہے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ اگر صرف قرینہ ہو (خبر کا کوئی قائم مقام نہ ہو) تو خبر کو جوازاً حذف کردیا جاتا ہے۔ جیسے: "خرجت فإذا السبع" اس مثال میں "السبع" کی خبر "موجود" یا "حاصل" محذوف ہے، اور قرینہ "إذا مفاجاتیہ" ہے، جو ظرف کے لئے ہوتا ہے، اور فعل عام یعنی وجود حصول وغیرہ پر دلالت کرتا ہے۔ اصل عبارت "فإذا السبع موجود" ہے، اور "إذا" مفاجاۃِ زمانی کے لئے ہے۔ اب تقدیری عبارت یہ ہوگی "ففی وقت خروجی السبع موجود"۔ اور اگر "إذا" کو مفاجاۃِ مکانی کے لئے مانا جائے تو تقدیری عبارت یہ ہوگی "ففی مکانی السبع" اس صورت میں "فی مکانی" خبر مقدم ہوگا خبر محذوف نہیں ہوگی۔

ووجوباً فیما التزم فی موضعه غیره مثل لولا زیدلکان کذا، ومثل ضربی زیداً قائماً وکل رجل وضیعته ولعمرک لأفعلن کذا.

**ترجمہ**: اور کبھی خبر کو وجوباً حذف کردیا جاتا ہے اس صورت میں جب کہ خبر کی جگہ اس کے علاوہ کو لازم کردیا گیا ہو۔ جیسے: "لولا زیدٌ لکان کذا" اور جیسے: "ضربی زیداً قائماً" اور "کل رجل وضیعته" اور "لعمرک لأفعلن کذا"۔

**تشریح**: مصنفؒ یہاں سے یہ بات بیان فرماتے ہیں کہ کبھی خبر کا حذف کرنا

واجب ہوتا ہے جب کہ قرینہ کے ساتھ ساتھ اس کا قائم مقام بھی ہو۔ خبر کے وجوباً حذف کی چار صورتیں ہیں۔

(۱) "لولا" کے بعد مبتدا ہو اور "لولا" کی خبر افعال عامہ یعنی کون، ثبوت، حصول اور وجود میں سے کوئی ہو، تو وہاں خبر کا حذف کرنا واجب ہے۔ کیونکہ یہاں خبر کے حذف پر قرینہ اور قائم مقام دونوں موجود ہیں۔ قرینہ تو خود "لولا" ہے، اس لئے کہ "لولا" کی وضع وجود اول کی وجہ سے ثانی کے امتناع پر دلالت کرنے کے لئے ہے، تو چونکہ "لولا" وجود پر دلالت کرتا ہے۔ اس قرینہ سے خبر "موجود" کو حذف کر دیا گیا اور "لولا" کا جواب یعنی "لکان کذا" اس کے قائم مقام ہے، اس لئے خبر کا حذف واجب ہو گیا۔

(۲) جہاں خبر کا حذف کرنا واجب ہے اس کا دوسرا موقع یہ ہے کہ مبتدا مصدر ہو، خواہ حقیقۃً مصدر ہو یا تاویل کے بعد مصدر ہو، اور اس مصدر کی نسبت فاعل یا مفعول یا دونوں کی طرف ہو پھر اس کے بعد کوئی اسم ہو جو فاعل یا مفعول یا دونوں سے حال واقع ہو، یا مبتدا اسم تفضیل ہو جس کی اضافت مصدر مذکور کی طرف ہو۔ ان تمام صورتوں میں خبر کا حذف کرنا واجب ہے۔ اس قاعدہ کی بارہ شکلیں نکلتی ہیں، جن کی تفصیل مع امثلہ یہ ہے۔

(۱) مبتدا مصدر حقیقی فاعل کی طرف منسوب ہو اور بعد والا اسم فاعل سے حال واقع ہو۔ جیسے: "ذهابی راجلاً" تقدیری عبارت "ذهابی حاصل اذا كنت راجلًا"۔

(۲) مبتدا مصدر حقیقی مفعول کی طرف منسوب ہو اور مفعول سے حال واقع ہو۔ جیسے: "ضرب زيدٍ قائماً، ای ضرب زيدٍ حاصل اذا كان قائماً"۔

(۳) مبتدا مصدر حقیقی فاعل اور مفعول دونوں کی طرف منسوب ہو اور حال دونوں سے واقع ہو۔ جیسے: "ضربی زيداً قائمين ، ای حاصل اذا كناقائمين "۔ اور اگر تنہا فاعل یا مفعول سے حال قرار دیں تو "قائماً" کہا جائے گا۔

(۴) مصدر تاویلی منسوب الی الفاعل ہو اور فاعل سے حال واقع ہو۔ جیسے: "ان ضَرَبْتُ قَائِمًا" اس مثال میں "ضَربتُ" متکلم کا صیغہ ہے جو "اَن" کی وجہ سے مصدر کی

تاویل میں ہوکر "ضَرْبِیْ" کے حکم میں ہوگیا، اور "قائما" ضمیر متکلم سے حال ہے۔

(۵) مصدر تاویلی منسوب الی المفعول ہو اور مفعول سے حال واقع ہو۔ جیسے: "أن ضُرِبَ زیدٌ قائماً" اس مثال میں "ضُرِبَ" ماضی مجہول ہے، "ان" کی وجہ سے مصدر کی تاویل میں ہوگیا۔ اور نائب فاعل کی طرف منسوب ہے اور نائب فاعل مفعول کے درجہ میں ہوتا ہے۔

(۶) مصدر تاویلی فاعل اور مفعول دونوں کی طرف منسوب ہو، اور دونوں سے حال واقع ہو۔ جیسے: "أن ضربت زیداً قائمین" یہاں بھی اگر تنہا فاعل سے یا مفعول سے حال قرار دیں تو "قائماً" کہا جائے گا۔

(۷) اسم تفضیل مصدر حقیقی کی طرف مضاف ہو جو منسوب الی الفاعل ہو اور فاعل سے حال ہو۔ جیسے: "أکثر شربی قائماً"۔

(۸) اسم تفضیل مصدر حقیقی کی طرف مضاف ہو جو منسوب الی المفعول ہو اور مفعول سے حال ہو۔ جیسے: "اکثر ضرب زیدقائماً"۔

(۹) دونوں کی طرف منسوب ہو اور دونوں سے یا کسی ایک سے حال ہو۔ جیسے: أکثر شربی السویق ملتوتاً"۔

(۱۰) اسم تفضیل مصدر تاویلی منسوب الی الفائل کی طرف مضاف ہو اور فاعل سے حال ہو۔ جیسے: "أخطب مایکون الامیر قائماً"۔

(۱۱) منسوب الی المفعول ہو۔ جیسے: "أکثر أن ضُرِبَ زیدٌ قائماً"۔

(۱۲) فاعل و مفعول دونوں کی طرف منسوب ہو۔ جیسے: "أکثر أن ضَرَبْتُ زیداً قائمین" اور اگر کسی ایک سے حال ہو تو "قائماً" کہا جائے گا۔

**فائدہ:** "ذھابی راجلاً" اصل میں "ذھابی حاصل إذا کنت راجلاً" ہے۔ "ذھابی" مبتدا اور "حاصل" خبر ہے، اور "راجلاً" "کنت" کی ضمیر متکلم سے حال ہے، اور کان یہاں تامہ ہے بمعنی "ثبت وحصل"۔ "حاصل" خبر کو حذف کر کے اس کے ظرف "إذا کنت" کو اس کے قائم مقام کر دیا، کیونکہ ظرف کے متعلقات کو حذف کرنا عام ہے۔ پھر ظرف کو مع شرط

کے جو حال میں عامل ہے حذف کر کے حال کو اس کے قائم مقام کر دیا گیا۔ کیونکہ حال اور ظرف میں مناسبت ہے، اس لئے کہ حال میں ظرف کے معنی پائے جاتے ہیں۔ حاصل یہ ہوا کہ حال قائم مقام ظرف کے اور ظرف قائم مقام خبر کے، تو ظرف کے واسطہ سے حال خبر کے قائم مقام ہو گیا، اس لئے خبر کا حذف واجب ہو گیا۔ اور قرینہ یہ ہے کہ مبتدا موجود ہے اور خبر موجود نہیں ہے، جب کہ مبتدا خبر کا تقاضہ کرتا ہے۔ معلوم ہوا کہ یہاں کوئی نہ کوئی خبر ہے۔

(۳) تیسرا موقع جہاں مبتدا کی خبر کو وجوباً حذف کیا جاتا ہے، یہ ہے کہ جب مبتدا کی خبر مقارنت کے معنی پر مشتمل ہو، اور اس خبر پر ایسے واؤ کے ذریعہ (جو مع کے معنی میں ہو) کسی چیز کا عطف بھی کیا گیا ہو۔ جیسے: "کل رجل وضیعته" (ہر آدمی اپنی جائداد اور سامان سے ملا ہوا ہے) یہاں مبتدا کی خبر "مقرون" ہے، جو مقارنت کے معنی کو شامل ہے، اور اس کی ضمیر پر "وضیعته" کا عطف کیا گیا ہے۔ تو اس خبر کرنا واجب ہے، کیونکہ واؤ بمعنی مقارنت پر دلالت کرتا ہے تو یہ قرینہ ہوا۔

(۴) چوتھا مقام ہر وہ مبتدا ہے جو مقسم بہ (جس کی قسم کھائی جائے) ہو اور اس کی خبر لفظ قسم ہو۔ جیسے: "لعمرک لأفعلن کذا" اس کی اصل "لعمرک قسمی لأفعلن کذا" ہے۔ اس مثال میں لام، خبر یعنی قسم پر دلالت کرتا ہے یہ قرینہ ہے۔ اور جوابِ قسم اس کا قائم مقام ہے، اور قرینہ و قائم مقام دونوں کے پائے جانے کے وقت خبر کا حذف کرنا واجب ہے۔

**فائدہ:** "عمر" بالفتح اور بالضم دونوں کے معنی زندگی اور قباء کے ہیں، لیکن لام داخل ہونے کے وقت فتحہ پڑھا جائے گا۔ کیونکہ قسم کثیر الاستعمال ہے اور کثرت استعمال خفت چاہتی ہے اور فتحہ اخف الحرکات ہے۔

## (۵) حروف مشبہ بالفعل کی خبر:

خبر إنِ وأخواتها هو المسند بعد دخول هذه الحروف مثل إن زيداً قائمٌ.

**ترجمہ:** مرفوعات میں سے "إن" اوراس کے اخوات کی خبر بھی ہے ان حروف (میں سے کسی ایک) کے داخل ہونے کے بعد وہ مسند ہوتی ہے۔ جیسے: "إن زیداً قائمٌ"

**تشریح:** یہاں سے مصنفؒ مرفوعات میں سے پانچویں قسم حروف مشبہ بالفعل کی خبر کی تعریف فرمارہا ہیں۔ کہ "إنّ" اوراس کے اخوات (یعنی امثال) کی خبر وہ ہے جو ان حروف میں سے کسی ایک کے داخل ہونے کے بعد مسند ہو۔ جیسے: "إن زیداً قائمٌ" میں "قائمٌ" اگرچہ یہ خبر پہلے بھی مسند تھی کیونکہ مبتدا کی خبر تھی، لیکن اب یہ خبر ان حروف کی مسند ہوگئی پہلے مبتدا کی مسند تھی۔

**فوائد قیود:** تعریف میں "المسند" جنس ہے جو مبتدا کی خبر۔ اور اس کے اخوات کی خبر، اور لائے نفی جنس کی خبر وغیرہ کو شامل ہے۔ اور "بعد دخول ھذہ الحروف" یہ فصل ہے، اس سے یہ سب خبریں خارج ہوگئیں۔

**وأمره كامر خبر المبتدأ إلا في تقديمه إلا إذا كان ظرفاً.**

**ترجمہ:** اس کا حکم مبتدا کی خبر کے حکم کی طرح ہے، مگر اس کے مقدم کرنے میں، مگر جب کہ ظرف ہو۔

**تشریح:** اس عبارت میں مصنفؒ نے تین باتیں بیان فرمائی ہیں:

(۱) پہلی بات تو یہ ہے کہ "إنّ" وغیرہ کی خبر مبتدا کی خبر کے مشابہ ہے، جس طرح مبتدا کی خبر کی قسمیں ہیں کہ وہ مفرد بھی ہوتی ہے اور جملہ بھی، نکرہ بھی ہوتی ہے اور معرفہ بھی، اسی طرح "إن" اوراس کے اخوات کی خبر مفرد و جملہ نکرہ و معرفہ ہوتی ہے، اور جس طرح مبتدا کی خبر کے احکام ہیں کہ وہ کبھی واحد ہوتی ہے اور کبھی متعدد، کبھی موجود ہوتی ہے اور کبھی محذوف، اسی طرح ان حروف کی خبر کا حال ہے۔ اور جو مبتدا کی خبر کی شرطیں ہیں مثلاً جب وہ جملہ ہو تو اس میں عائد کا ہونا ضروری ہے، وہی حروف مشبہ بالفعل کی خبر کے لئے شرطیں ہیں۔

(۲) دوسری بات یہ ہے کہ "إن" وغیرہ کی خبر مبتدا کی خبر کے ساتھ اقسام، احکام اور شرائط میں تو مشابہ ہے لیکن تقدیم کے بارے میں مشابہت نہیں ہے، یعنی مبتدا کی خبر تو مبتدا

پر مقدم ہوسکتی ہے، لیکن حروف مشبہ بالفعل کی خبران کے اسم پر مقدم نہیں ہوسکتی۔ وجہ یہ ہے کہ حروف مشبہ بالفعل فعل کی مشابہت کی وجہ سے عمل کرتے ہیں تو فعل کا عمل اصل اور ان حروف کا عمل فرع ہوا، اور فرعی عمل میں ترتیب یہ ہے کہ منصوب پہلے ہو اور مرفوع بعد میں۔ اور حروف مشبہ بالفعل عامل ضعیف ہیں، لہٰذا ان کے عمل کی اگر ترتیب رہے گی تو یہ عمل کریں گے ورنہیں۔ اور خبر کو مقدم کرنے کی صورت میں ان حروف کے عمل کی ترتیب باقی نہیں رہے گی، کیونکہ ان کی خبر مرفوع ہوتی ہے اس کو مقدم کرنے کی صورت میں منصوب مؤخر اور مرفوع مقدم ہو جائے گا، جس کی وجہ سے ان حروف کا عمل باطل ہو جائے گا۔

(۳) تیسری بات یہ بیان فرمائی کہ اوپر بیان کیا ہے کہ حروف مشبہ بالفعل کی خبران کے اسم پر مقدم نہیں ہوتی، لیکن اگر ان حروف کی خبر ظرف ہو تو وہ اسم پر مقدم ہوسکتی ہے، اس کی تقدیم ان حروف کے عمل کو باطل نہیں کرے گی۔ "لأن الظرف یتوسع فیہ مالا یتوسع فی غیرہ" (ظرف میں وہ وسعت اور گنجائش ہے جو غیر ظرف میں نہیں) جیسے: "اِنَّ اِلَیْنَا اِیَابَهُمْ، وَاِنَّ عَلَیْنَا حِسَابَهُمْ، اِنَّ من الشعر لحکمة"۔

## (۶) لائے نفی جنس کی خبر:

خبر لا التی لنفی الجنس هو المسند بعد دخولها، مثل لا غلام رجل ظریف فیها".

**ترجمہ:** مرفوعات میں سے اس لاء کی خبر بھی ہے جو جنس کی نفی کے لئے ہے، اس کے داخل ہونے کے بعد وہ مسند ہوتی ہے۔ جیسے: "لا غلام رجل ظریف فیها"۔

**تشریح:** مرفوعات میں سے لاء نفی جنس کی خبر بھی ہے، اور یہ لاء نفی کی تاکید کے لئے آتا ہے۔ جیسے: کلمۂ "اِنَّ" اثبات کی تاکید کے لئے ہے۔ اور یہ لاء جنس کی ذات کی نفی نہیں کرتا، بلکہ جنس کی صفت کی نفی کیا کرتا ہے۔ مثلاً "لا رجل فی الدار" میں ذات رجل کی نفی نہیں، بلکہ اس کے استقرار فی الدار یا حصول فی الدار کی نفی ہے۔

اور یہ خبر پہلے بھی مسند تھی مگر اب اس لاء کی مسند ہوگئی، پہلے مبتدا کی مسند تھی۔ تعریف میں "المسند" جنس کے درجہ میں ہے جو ہر خبر کو شامل ہے۔ "بعد دخولها" کی قید سے باقی تمام خبریں نکل گئیں۔ جیسے: "لاغلام رجل ظریف فیها"۔

اس میں مثال میں "ظریف" خبر اول ہے اور "فیها" خبر ثانی ہے۔ "ظریف" خبر اول کے بعد "فیها" خبر ثانی دو وجہوں سے لائے۔

(۱) ایک وجہ تو یہ ہے کہ اس اضافے سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ لاء نفی جنس کی خبر غیر ظرف اور ظرف دونوں آسکتی ہے۔

(۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ "لاغلام رجل ظریف" کے معنی یہ ہیں کہ کسی مرد کا غلام خوش طبع نہیں، حالانکہ ایسا نہیں ہوسکتا کہ کسی بھی آدمی کا غلام خوش طبع نہ ہو، اور "فیها" کے اضافہ کے بعد مطلب یہ ہے کہ خوش طبع غلام گھر میں موجود نہیں ہے۔ اور یہ مطلب صحیح ہے۔

**فائدہ:** عام طور پر نحویوں نے لاء نفی جنس کی خبر کی مثال "لارجل فی الدار" دی ہے۔ جبکہ صاحب کافیہ نے "لاغلام الخ" مثال دی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ مشہور مثال میں یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ "فی الدار" "کائن" وغیرہ کے متعلق ہوکر "رجل" کی صفت ہو، اور خبر محذوف ہو، لیکن موجودہ مثال میں یہ شبہ نہیں رہا۔ دوسری وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ مصنفؒ اول وہلہ میں لاء نفی جنس کی خبر کی نشاندہی کرنا چاہتے ہیں، چنانچہ موجودہ مثال سامنے آتے ہی پتہ چل جائے گا کہ لاء کی خبر "ظریف" ہے۔

**ویحذف کثیراً وبنو تمیم لایثبتونه .**

**ترجمہ:** اور لاء نفی جنس کی خبر کو بہت زیادہ حذف کیا جاتا ہے۔ اور بنو تمیم اس کو ثابت نہیں رکھتے ہیں۔

**تشریح:** اس عبارت میں مصنفؒ نے دو باتیں بیان کی ہیں:

(۱) لاء نفی جنس کی خبر جب افعال عامہ میں سے ہو تو اس کو کثرت سے حذف کردیا جاتا ہے، کیونکہ لاء نفی جنس کے لئے کسی ایسی چیز کا ہونا ضروری ہے جس کی نفی کی جائے،

ورنہ نفی کا تحقق نہ ہوگا، تو چونکہ نفی منفی پر دلالت کرتی ہے اسلئے اگر ذکر نہ بھی کریں تب بھی کوئی حرج نہیں۔ جیسے: "لا الٰہ الا اللّٰہ" میں خبر "موجودٌ" کو حذف کر دیا گیا۔

(۲) دوسری بات یہ بیان کی کہ بنو تمیم اس خبر کو ثابت نہیں رکھتے، اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں، ایک تو یہ ہے کہ بنو تمیم لاء نفی جنس کی خبر کا وجود ہی نہیں مانتے ہیں، نہ لفظاً نہ تقدیراً، اور لاء نفی جنس کو اسم فعل بمعنی "انتفی" مانتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ اس کا اسم خبر بمنزلہ فاعل کے ہے جس پر وہ تمام ہو جائے گا، خبر کی ضرورت ہی نہیں۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ بنو تمیم لاء نفی جنس کی خبر تو مانتے ہیں لیکن لفظوں میں ظاہر نہیں کرتے، بلکہ ان کے نزدیک لاء کی خبر کا حذف واجب ہے۔

## (۷) ما ولا مشابہ بلیس کا اسم:

**إسم ما ولا المشبهتين بليس هو المسند إليه بعد دخولهما مثل مازيد قائمًا، ولا رجل افضل منك وهو في لا شاذٌ .**

**ترجمہ:** مرفوعات میں سے ما اور لاء مشابہ بلیس کی خبر بھی ہے، ان دونوں کے داخل ہونے کے بعد وہ مسند الیہ ہوتی ہے۔ جیسے: "**مازيد قائماً**" اور "**لا رجل أفضل منک**" اور لیس کا عمل لاء میں شاذ ہے۔

**تشریح:** "ما" اور "لاء" "لیس" کے ساتھ دو چیزوں میں مشابہ ہے (۱) نفی کے معنی میں۔ یعنی جس طرح "لیس" نفی کے لئے ہوتا ہے اسی طرح "ما" اور "لاء" بھی نفی کے لئے ہوتے ہیں (۲) مبتدا اور خبر پر داخل ہونے میں، اسی لئے ان کو مشابہ بلیس کہا جاتا ہے، اسی مشابہت کی وجہ سے ان کا عمل بھی "لیس" جیسا ہے۔ یعنی جس طرح "لیس" اسم کو رفع اور خبر کو نصب دیتا ہے، اسی طرح یہ دونوں بھی اپنے اسم کو رفع اور خبر کو نصب دیتے ہیں۔

ان دونوں کے اسم کی تعریف مصنفؒ نے یہ فرمائی کہ جو ان دونوں کے داخل ہونے کے بعد مسند الیہ ہو۔ یعنی اگر چہ پہلے بھی مسند الیہ تھا، مگر ان کا مسند الیہ ان کے داخل ہونے

کے بعد بنتا ہے، لفظ مسند الیہ ہر مسند الیہ کو شامل تھا، "بعد دخولهما" کے ذریعہ باقی سب مسند الیہ خارج ہو گئے۔ مصنفؒ نے "ما" کا اسم معرفہ ذکر کیا ہے، اور "لاء" کا نکرہ، اس کی وجہ یہ ہے کہ "ما" معرفہ اور نکرہ دونوں میں عمل کرتا ہے۔ لیکن صرف معرفہ کی مثال اس لئے لائے کہ اصل معرفہ ہے اور نکرہ اس کی فرع ہے، اور جس کا عمل اصل میں ہوگا فرع میں بدرجۂ اولیٰ ہوگا۔ جب کہ "لاء" صرف نکرہ میں ہی عمل کرتا ہے معرفہ میں نہیں، کیونکہ "لاء" جنس کی نفی کے لئے آتا ہے اور جنس کے لئے نکرہ ہونا ضروری ہے، اس لئے "لاء" ہمیشہ نکرہ پر داخل ہوتا ہے۔

اور "لیس" کا عمل "لاء" میں شاذ ہے کیونکہ "لاء" کی مشابہت "لیس" کے ساتھ کمزور ہے، اس لئے کہ "لیس" تو حال کی نفی کے لئے آتا ہے اور "لاء" مطلق نفی کے لئے آتا ہے کسی زمانہ کی قید نہیں ہے، خواہ ماضی ہو یا حال واستقبال ہو، جبکہ "ما" بھی "لیس" کی طرح حال کی نفی کے لئے آتا ہے۔ اس لئے "ما" کے عمل میں تو کوئی قید نہیں ہے، البتہ "لاء" کا عمل سماع پر موقوف ہے، جہاں کلام عرب میں اس کا عمل سنا گیا ہے وہیں عمل کرے گا دوسری جگہ نہیں۔

**فائدہ:** یہاں تک مصنفؒ نے سات مرفوعات ذکر کئے ہیں۔ (۱) فاعل (۲) مفعول مالم یسم فاعلہ (۳) مبتدا (۴) خبر (۵) حروف مشبہ بالفعل کی خبر (۶) لاء نفی جنس کی خبر (۷) ماء ولاء مشابہ بلیس کا اسم۔ اور آٹھواں مرفوع یعنی افعال ناقصہ کے اسم کو بیان نہیں فرمایا۔ اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ "ما و لاء" مشابہ بلیس کے بیان میں ضمناً یہ بات آگئی کہ "لیس" کا اسم مرفوع اور خبر منصوب ہوتی ہے۔ اور "لیس" فعل ناقص ہے، تو معلوم ہو گیا کہ افعال ناقصہ کا اسم مرفوع اور خبر منصوب ہوتی ہے۔ اور ان کے اسم کے کوئی خاص احکام نہیں ہیں، جس کی وجہ سے ان کے اسم کو الگ سے مستقلاً بیان کیا جاتا۔ واللہ اعلم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

النحو فی الکلام کالملح فی الطعام

# وافیہ شرح اُردو کافیہ

حصہ دوم

## منصوبات و مجرورات

شارح:

ابوجندل قاسمی

صدر المدرسین مدرسہ بحر العلوم کشن پور ضلع مظفر نگر (یوپی)

کتب خانہ نعیمیہ دیوبند

# حرفِ اوّلیں

''وافیہ'' شرح کافیہ کا یہ دوسرا حصہ ہے جو منصوبات و مجرورات پر مشتمل ہے، بندہ نے جب اس کا پہلا حصہ لکھا تھا تو اس قدر پذیرائی کی توقع نہ تھی، مگر اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس کی اشاعت کے بعد بعض اساتذہ وطلبۂ مدارس خصوصاً طلبۂ دارالعلوم دیوبند کی طرف سے مسلسل دوسرے حصہ کی فرمائش آتی رہی، مگر عدیم الفرصتی کے باعث کام میں تاخیر در تاخیر ہوتی رہی، بہر حال ''**کل شیٔ مرھون باوقاتلہ**'' ہر شئی کا ایک وقت مقرر ہے، تو اب کافی انتظار کے بعد یہ دوسرا حصہ پیش خدمت ہے، بقیہ کتاب کی شرح بھی انشاء اللہ تعالیٰ جلد از جلد آپ حضرات کے سامنے آجائے گی، اللہ رب العزت کی ذات سے قوی امید ہے کہ جزءِ اول کی طرح اس جزءِ دوم کو بھی پذیرائی حاصل ہوگی۔

یہاں پر ایک واقعہ کا ذکر کرنا فائدہ سے خالی نہ ہوگا، بندہ نے جس وقت شرح کا حصہ اول لکھا تو اس پر چند کلماتِ عالیہ لکھنے کے لئے مشفق ومحسن حضرت الاستاذ مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم سے درخواست کی، حضرت نے اس کو سرسری طور پر دیکھ کر فرمایا کہ: ''تم نے اس میں اتنی تفصیل کردی ہے، آخر آج کل کے طلبہ اس کو کیونکر برداشت کر پائیں گے''، اور فرمایا کہ: ''کافیہ کے سلسلہ میں مدارس کا طریقہ تعلیم صحیح نہیں، دلائل اور اعتراضات وجوابات میں الجھ جاتے ہیں، اور بسا اوقات نفس مسئلہ سمجھ نہیں پاتے، اس لئے میری رائے یہ ہے کہ طالب علم کو صرف مسئلہ سمجھانا چاہئے، اور غیر ضروری تفصیلات سے بالکلیہ پرہیز کرنا چاہئے، تاکہ امت، کے ان نونہالوں کو فن سے مناسبت ہوسکے، مگر مدارس کے طریقہ تعلیم کی وجہ سے استاذ بھی اسی طرح پڑھانے پر مجبور ہے''۔ نیز فرمایا کہ: ''تم شرح لکھو، لیکن میں اس پر کچھ نہیں لکھوں گا''۔

بہر حال یہ بات تو حقیقت ہے کہ کتاب ''کافیہ'' کا مقصود اصلی ''نحو'' ہے، اس لئے دوسری بحثوں کے مقابلہ میں اسی پر زیادہ توجہ ہونی چاہئے، ورنہ کتاب کا مقصد فوت ہو جاتا ہے۔ اس موقع پر بندہ رفیق گرامی جناب مولانا عمران اللہ صاحب قاسمی استاذ مدرسہ شاہی مراد آباد کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہے کہ انہوں نے اس شرح پر نظر ڈال کر اس کی غلطیوں کی نشان دہی کی جن کی اصلاح کر دی گئی۔

لیکن بہر حال انسان خطا و نسیان سے مرکب ہے، اس لئے قارئین و مستفیدین سے گذارش ہے کہ کوئی صاحب علم شرح میں کسی طرح کی کوئی فروگذاشت اور کوتاہی دیکھے تو احقر کو مطلع فرما کر احسان عظیم فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ اس شرح کو نافع بنائے، طلبہ کو اس سے فیض یاب فرمائے اور بندہ کی شرور و فتن سے حفاظت فرما کر اخلاص کے ساتھ بحسن وخوبی دین متین کی خدمت کے قبول فرمائے۔ آمین

ابوجندل قاسمی

۵ رجمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ پنجشنبہ

# منصوبات کا بیان

**المنصوبات: هو مااشتمل على علم المفعولية .**

**ترجمہ:** منصوبات (منصوب) وہ اسم ہے جو مفعولیت کی علامت پر مشتمل ہو۔

**تشریح:** مصنفؒ نے اس عبارت میں منصوب کی تعریف کی ہے کہ منصوب وہ اسم ہے جو مفعولیت کی علامت پر مشتمل ہو، مفعولیت کی علامت نصب ہے، خواہ بشکل فتحہ ہو یا بشکل کسرہ ہو یا بشکل الف یا بشکل یا۔ اور **مفعولية** کہنے کی وجہ **والنصب علم المفعولية** کے ذیل میں گذر چکی ہے۔

**مرفوعات کے بعد منصوبات کو ذکر کرنے اور جمع لانے کی وجہ:**

مرفوعات کے بعد منصوبات کو ذکر کرنے کی تین وجوہات ہوسکتی ہیں: (۱) منصوبات کثر فاعل کے بعد مذکور ہوتے ہیں، اس لئے مرفوعات کے بعد منصوبات کو ذکر کیا۔ (۲) منصوبات کی قسمیں مجرورات سے زیادہ ہیں، اس لئے مجرورات سے پہلے اور مرفوعات کے بعد منصوبات کو بیان کیا۔ (۳) نصب خفیف اور ہلکا ہوتا ہے، تو جس پر نصب آئے گا وہ بھی خفیف ہوگا، خفت کی وجہ سے اس کو مجرور سے پہلے بیان کیا۔

اور جمع اس لئے لایا گیا، کیونکہ اس کے اقسام بہت ہیں، چنانچہ منصوبات بارہ ہیں: (۱) مفعول مطلق (۲) مفعول بہ (۳) مفعول فیہ (۴) مفعول لہ (۵) مفعول معہ (۶) حال (۷) تمیز (۸) مستثنیٰ (۹) حروفِ مشبہ بالفعل کا اسم (۱۰) افعالِ ناقصہ کی خبر (۱۱) لاءِ نفی جنس کا اسم (۱۲) ماولا مشابہ بلیس کی خبر۔

**ترکیب:** "المنصوبات" کی ترکیب: یہ لفظ کس کی جمع ہے؟ "**منصوبة**" کی یا **منصوبٌ**" کی، اسی طرح "**هوما اشتمل**" میں "**هو**" ضمیر کا مرجع اور "**هو**" لانے کی بہ یہ سب امور مرفوعات کے بیان میں گذر چکے ہیں۔ "**فليطالع ثمه**"۔

## (۱) مفعول مطلق:

**فمنه المفعول المطلق وهو اسم مافعله فاعل فعل مذكور بمعناه .**

**ترجمہ:** پس اس (منصوب) میں سے مفعول مطلق ہے اور وہ اس چیز کا نام ہے جس کو فعل مذکور کے فاعل نے کیا ہو، وہ فعل اس (اسم) کے معنی میں ہو۔

**تشریح:** "فمنہ" میں ضمیر کا مرجع یا تو منصوب ہے جو منصوبات سے سمجھ میں آتا ہے، یا ما اشتمل میں ما موصولہ ہے، مصنفؒ نے تمام مفاعیل میں سب سے پہلے مفعول مطلق کو بیان کیا، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ مطلق ہے اور باقی مفاعیل مقید ہیں، کسی میں "بہ" کی قید ہے تو کسی میں "فیہ" کی، "وغیر ذلک" اور مطلق مقید پر مقدم ہوتا ہے، مصنفؒ مفعول مطلق کی تعریف فرمارہے ہیں کہ وہ اس چیز کا نام ہے جس کو فعل مذکور کے فاعل نے کیا ہو، نیز وہ فعل اس اسم کے معنی میں ہو۔

**قیود کی تشریح:** فعل مذکور سے مراد یہ ہے کہ وہ فعل حقیقۃً مذکور ہو یا حکماً مذکور ہو، یعنی مقدر ہو۔ جیسے: "فضرب الرقاب" میں "اضربوا" فعل مقدر ہے، اسی طرح فعل سے مراد یہ ہے کہ فعل ہو یا شبہ فعل، دونوں کا ایک حکم ہے۔

اور "فعل مذکور کے فاعل نے کیا ہو" کا مطلب یہ ہے کہ فعل کا فاعل کے ساتھ قیام ہو خواہ وہ فعل اس فاعل سے صادر ہوا ہو یا نہ ہوا ہو۔ جیسے: "مات موتاً، جسم جسامةً، شرف شرافةً" کہ ان مثالوں میں "موت، جسامة اور شرافة" فعل کے فاعل سے صادر نہیں ہوئے، البتہ فاعل کے ساتھ ان کا قیام ہے۔

اور "اس فعل کے اس اسم کے معنی میں ہونے" کا مطلب یہ ہے کہ فعل کے معنی اس اسم کے معنی پر مشتمل ہو، دونوں میں معنی کے اعتبار سے مغایرت نہیں ہونی چاہئے۔ اگر معنی کے اعتبار سے مغایرت ہوگئی تو مفعول مطلق ہی نہیں رہے گا، ہاں البتہ لفظی مغایرت دونوں (فعل اور مفعول مطلق) میں ہوسکتی ہے، جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

وقد یکون للتاکید والنوع والعدد نحو جلستُ جلوساً وجِلسةً وجَلسةً .

**ترجمہ**: اور کبھی ہوتا ہے مفعول مطلق تاکید کے لئے اور نوع کے لئے اور عدد کے لئے۔ جیسے: "جلست جلوساً اور جلستُ جِلسةً اور جلستُ جَلسةً"۔

**تشریح**: مصنفؒ مفعول مطلق کی تعریف کرنے کے بعد اس کی قسمیں بیان فرمارہے ہیں، مفعول مطلق کی تین قسمیں ہیں:

(۱) تاکید کے لئے ہو، جب کہ مفعول مطلق صرف اس معنی پر دلالت کرے جو فعل سے سمجھے جاتے ہیں۔ جیسے: "جلستُ جلوساً" (میں بیٹھا بیٹھنا یعنی واقعۃً بیٹھا)

(۲) نوع کے لئے، جب کہ مفعول مطلق اس معنی پر دلالت کے ساتھ ساتھ ہو جو معنی فعل سے سمجھے جاتے ہیں، نوع پر بھی دلالت کرے۔ جیسے: "جلستُ جِلسةً" (میں ایک خاص ہیئت پر بیٹھا) اس مثال میں "جِلسةً" اس معنی پر بھی دلالت کرتا ہے جو "جلستُ" سے سمجھے جاتے ہیں اور بیٹھنے کی ایک خاص شکل پر بھی دلالت کرتا ہے۔

(۳) عدد کے لئے، جب کہ مفعول مطلق جو معنی فعل سے سمجھے جاتے ہیں اس کے ساتھ ساتھ عدد پر بھی دلالت کرے۔ جیسے: "جلستُ جَلسةً" (میں ایک مرتبہ بیٹھا) اس مثال میں "جَلسةً، جَلستُ" کے معنی پر دلالت کرنے کے ساتھ عدد پر بھی دلالت کررہا ہے۔

فالأول لایثنّٰی ولا یجمع بخلاف أخویه .

**ترجمہ**: پس پہلی قسم نہ تثنیہ ہوتی ہے اور نہ جمع، برخلاف اس کے اخوین کے۔

**تشریح**: مطلب یہ ہے کہ جو مفعول مطلق تاکید کے لئے آتا ہے وہ تثنیہ اور جمع نہیں لایا جاتا ہے، کیونکہ مفعول مطلق کی یہ قسم ماہیت پر دلالت کرتی ہے اور ماہیت میں تعدد نہیں ہوتا، جب کہ تثنیہ اور جمع کے لئے متعدد ہونا ضروری ہے۔

اور باقی دو قسموں یعنی مفعول مطلق برائے نوع یا عدد ہو تو اس کا تثنیہ و جمع لا سکتے ہیں۔
جیسے: "جَلستُ جَلستین و جَلساتٍ"۔

**وقد یکون بغیر لفظہٖ نحو قعدت جلوساً.**

**ترجمہ:** اور کبھی مفعول مطلق بغیر فعل کے لفظ کے ہوتا ہے۔ جیسے: "قعدتُ جلوساً"۔

**تشریح:** مطلب یہ ہے کہ کبھی مفعول مطلق لفظ کے اعتبار سے اپنے فعل کے مغایر ہوتا ہے، یعنی فعل کے الفاظ اور مفعول مطلق کے الفاظ الگ الگ ہوتے ہیں۔ اس مغایرت کی تین صورتیں ہیں:

(۱) کبھی صرف باب کے اعتبار سے مغایرت ہوگی۔ جیسے: "قعدتُ جلوساً"۔

(۲) کبھی تو صرف مادہ کے اعتبار سے مغایرت ہوگی۔ جیسے: "انبت اللّٰہ نباتاً" فعل بابِ افعال سے ہے، جو ثلاثی مزید فیہ ہے اور مفعول مطلق ثلاثی مجرد سے ہے۔

(۳) اور کبھی مغایرت باب اور مادہ دونوں کے اعتبار سے ہوگی۔ جیسے: "فاوجس فی نفسہٖ خیفۃً موسیٰ" پس موسیٰ نے اپنے دل میں خوف محسوس کیا) اس مثال میں "اوجس" اور "خیفۃً" کا باب بھی الگ الگ ہے اور مادہ بھی، البتہ معنیٰ ایک ہیں۔

## حذفِ فعل کا بیان:

**وقد یحذف الفعل لقیام قرینۃ جوازًا کقولک لمن قدم خیر مقدم.**

**ترجمہ:** اور کبھی حذف کر دیا جاتا ہے فعل کو قرینہ کے قائم ہونے کے وقت جوازاً، جیسا کہ تیرا کہنا اس شخص کو جو (سفر سے واپس) آیا "خیر مقدم" (خوش آمدید)

**تشریح:** اگر کوئی قرینہ حالیہ یا مقالیہ پایا جائے تو مفعول مطلق کے عامل یعنی فعل کو حذف کرنا جائز ہے۔ جیسے: سفر سے آنے والے کے لئے بطور اکرام "خیر مقدم" کہا جائے، یہاں قرینہ سفر سے واپس آنے والے کا حال ہے۔ اس کی اصل عبارت "قدمت

قدوماً خیر مقدم" ہے، پھر قرینہ حالیہ کی وجہ سے "قدمت" فعل کو حذف کر دیا، اس کے بعد موصوف "قدوماً" کو حذف کر کے "خیر مقدم" صفت کو اس کے قائم مقام کیا، اور "خیر مقدم" یا تو اپنے موصوف "قدوماً" کے اعتبار سے مفعول مطلق ہے اور یا اپنے مضاف الیہ یعنی "مقدم" مصدر میمی کے اعتبار سے مفعول مطلق ہے۔

**فائدہ:** نحویوں نے کہا ہے کہ جو مفعول مطلق تاکید کے لئے ہو اس کے عامل کو حذف کرنا صحیح نہیں، کیونکہ وہ اپنے عامل کی تقویت کے لئے آتا ہے اور حذف اس کے منافی ہے۔

**ووجوباً سماعاً مثل سقياً ورعياً وخيبةً وجدعاً وحمداً وشكراً وعجباً .**

**ترجمہ:** اور (کبھی فعل کو حذف کر دیا جاتا ہے) وجوباً سماعی طور پر۔ جیسے: "سقیاً" الخ۔

**تشریح:** یہاں سے مصنفؒ حذف فعل کی دوسری قسم بیان فرما رہے ہیں کہ حذف کی دوسری قسم واجب ہے۔ اس کی پھر دو قسمیں ہیں: (۱) سماعی (۲) قیاسی۔ مندرجہ بالا عبارت میں سماعی کو بیان کیا گیا ہے۔ سماعی کا مطلب یہ ہے کہ جو اہل عرب سے سننے پر موقوف ہے، کوئی قاعدہ اس کے لئے مقرر نہیں ہے، اس کی چند مثالیں مصنفؒ نے بیان فرمائی ہیں۔

(۱) سقیاً: یعنی "سقاک الله سقياً" اللہ تعالیٰ تجھ کو سیراب کرے۔

(۲) رعیاً: یعنی "رعاک الله رعياً" اللہ پاک تیری حفاظت کرے۔

(۳) خیبةً: یعنی "خاب خيبةً" وہ نامراد ہوا۔

(۴) جدعاً: یعنی "جُدِعَ جدعاً" اس کے ناک کان کاٹے جائیں، بددعا کے وقت اس کو استعمال کیا جاتا ہے۔

(۵) حمداً: یعنی "حمدتُ حمداً" میں نے تعریف کی۔

(۶) شکراً: یعنی "شكرت شكراً" میں نے شکر ادا کیا۔

(۷) عجباً: یعنی "عَجِبتُ عجباً" میں نے تعجب کیا۔

ان تمام مثالوں میں فعل کا استعمال اہل عرب سے سنا نہیں گیا ہے، ان کے علاوہ اور بھی اس طرح کی مثالیں ہو سکتی ہیں۔

**ترکیب:** "وجوباً"، "واجباً" کے معنی میں ہوکر "حذفًا" کی صفت ہے اور "سماعاً سماعیاً" کی تاویل میں ہوکر حال ہے، تقدیری عبارت اس طرح ہے: "حال کون الحذف سماعیاً"۔

وقیاساً فی مواضع: منها ما وقع مثبتاً بعد نفی أومعنی نفی داخلٍ علی اسمٍ لا یکون خبراً عنه، أو وقع مکرراً، نحوما انت إلَّا سیراً ومانت إلَّا سیر البرید وإنما انت سیراً وزید سیراً سیراً.

**ترجمہ:** اور (کبھی فعل کو وجوباً حذف کردیا جاتا ہے) قیاسی طور پر چند مواقع میں۔ ان میں سے ایک موقع یہ ہے کہ مفعول مطلق مثبت واقع ہو ایسی نفی یا معنی نفی کے بعد جو داخل ہو ایسے اسم پر کہ مفعول مطلق اس اسم کی خبر نہ بن سکے، یا مفعول مطلق مکرر واقع ہو۔ جیسے: "ماانت إلَّا سیراً الخ"۔

**تشریح:** یہاں سے مصنفؒ ان مقامات کو بیان فرما رہے ہیں جہاں فعل کو قیاساً حذف کرنا واجب ہے، ایسے مواقع تو بہت ہیں، لیکن مصنفؒ نے یہاں سات مشہور مواقع بیان کئے ہیں۔

(۱) پہلا موقع یہ ہے کہ جب مفعول مطلق مثبت ہو یعنی اس سے اثبات کا ارادہ کیا جائے اور وہ ایسی نفی یا معنی نفی یعنی إنما کے بعد ہو جو اسم پر داخل ہو اور مفعول مطلق اس اسم کی خبر نہ بن سکتا ہو، اس ضابطہ میں تین قیدیں ہیں: (۱) مفعول مطلق مثبت ہو، لہٰذا اگر مفعول مطلق سے نفی کا ارادہ کیا جائے تو فعل کا حذف واجب نہیں (۲) دوسری قید یہ ہے کہ وہ مفعول مطلق ایسی نفی یا معنی نفی کے بعد ہو جو اسم پر داخل ہو، کیونکہ اگر وہ نفی یا معنی نفی فعل پر داخل ہو تو فعل موجود ہوگا، حذف نہ ہوگا۔ جیسے: "ماسرت إلَّا سیراً" (۳) تیسری قید یہ ہے کہ جس اسم پر نفی یا معنی نفی داخل ہے مفعول مطلق اس کی خبر نہ بن سکتا ہو، اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر مفعول مطلق خبر بن سکے گا تو پھر وہ مفعول مطلق نہ ہوگا، بلکہ خبر ہوگا اور مرفوع ہوگا، اس لئے فعل حذف نہیں ہوگا۔ جیسے: "ماسیری إلَّا سیرٌ شدیدٌ"۔

**مثالیں:** (۱) "ماأنت إلّا سيراً" اس مثال میں ضابطہ کی تینوں شرطیں پائی جارہی ہیں کہ مفعول مطلق مثبت ہے، کیونکہ وہ "إلّا" کے بعد ہے جس سے نفی ٹوٹ گئی، اور ایسی نفی کے بعد ہے جو اسم یعنی "أنت" پر داخل ہے اور مفعول مطلق "سیراً، أنت" کی خبر نہیں بن سکتا، لہٰذا یہاں فعل "تسیر" کو حذف کردیا گیا، "أي ماأنت إلّا تسير سيراً"۔

(۲) "ماأنت إلّا سيرَ البريد" (نہیں ہے تو مگر قاصد کے چلنے کی طرح چلتا رہتا ہے) اس مثال میں بھی ضابطہ کی تینوں شرطیں پائی جارہی ہیں، جیسا کہ ظاہر ہے، یہاں بھی فعل "تسیر" کو حذف کردیا گیا۔ "ماأنت إلّا تسير سير البريد"۔

**فائدہ:** مفعول مطلق نفی کے بعد واقع ہو اس کی مصنفؒ نے دو مثالیں بیان کی ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ مصنفؒ کا مقصد یہ بتلانا ہے کہ جو مفعول مطلق خبر کی جگہ واقع ہو اور خبر نہ بن سکے وہ کبھی نکرہ ہوتا ہے جیسے پہلی مثال میں، اور کبھی معرفہ ہوتا ہے، جیسے دوسری مثال میں۔

(۳) "إنما أنت سيراً" یہ اس مفعول مطلق کی مثال ہے جو معنیً نفی کے بعد واقع ہو، یہاں "سیراً" سے پہلے "تسیر" فعل محذوف ہے۔ "أي إنما أنت تسير سيراً"۔

**حذف فعل اور وجوب حذف کی وجہ:** یہاں پر فعل کو اس وجہ سے حذف کیا گیا کہ پہلی مثال میں "ما" اور "إلّا" کی وجہ سے اور دوسری مثال میں "إنما" کی وجہ سے حصر ہو رہا ہے، جس سے مقصود دوام اور استمرار ہے، اور فعل چونکہ حدوث اور تجدد پر دلالت کرتا ہے اس کے ہوتے ہوئے دوام نہیں ہوسکتا، اس لئے فعل کو حذف کردیا گیا، تاکہ دوام حاصل ہو اور حذف کرنا واجب اس وجہ سے ہوا کہ مفعول مطلق کا نصب حذف فعل کا قرینہ ہے اور خود مفعول مطلق قائم مقام ہے اور قرینہ و قائم مقام دونوں ہوں تو فعل کو حذف کرنا واجب ہوتا ہے۔

(۲) دوسرا موقع جہاں مفعول مطلق کے فعل کو حذف کرنا قیاساً واجب ہے یہ ہے کہ مفعول مطلق مکرر واقع ہو، اس کے ساتھ ساتھ یہ شرط بھی ہے کہ وہ مبتدا کی خبر کی جگہ ہو، لیکن خبر واقع نہ ہوسکے، جیسے: "زيد سيراً سيراً" یہاں تسیر فعل محذوف ہے، اور حذف کے

واجب ہونے کی علت یہاں بھی وہی ہے جو اوپر بیان کی گئی، اور یہاں پر بھی تکرار سے دوام اور استمرار مقصود ہے۔

**فائدہ:** مصنفؒ نے مذکورہ بالا دونوں ضابطوں کو ایک ساتھ بیان کیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں ضابطے اس بات میں شریک ہیں کہ مفعول مطلق خبر کی جگہ واقع ہو، لیکن خبر نہ بن سکے، اس بات میں شرکت کی وجہ سے دونوں کو ایک ساتھ بیان کر دیا۔

**ومنها ماوقع تفصيلاً لأثر مضمون جملةٍ متقدمةٍ، مثل: (فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً .)**

**ترجمہ:** اور ان مواقع میں سے ایک موقع وہ ہے کہ مفعول مطلق واقع ہو گذشتہ جملہ کے مضمون کے اثر کا بیان۔ جیسے: "فشدوا الوثاق، الخ" (پس تم ان کو بیڑیوں میں مضبوط باندھ دو، اس کے بعد یا تو ان پر احسان کرنا (اور بغیر فدیہ کے چھوڑ دینا) ہے اور یا فدیہ لینا ہے۔)

**تشریح:** یہ تیسرا موقع ہے جہاں مفعول مطلق کے فعل کو قیاساً حذف کرنا واجب ہے، ضابطہ کے بیان سے پہلے اثر اور مضمون جملہ کا مطلب دیکھئے، مضمون جملہ سے مراد وہ مصدر ہے جو جملہ سے مفہوم ہو اور فاعل یا مفعول کی طرف مضاف ہو، فائدہ کا مدار اگر فاعل پر ہے تو اضافت فاعل کی طرف ہوگی اور اگر فائدہ کا مدار مفعول پر ہے تو اضافت مفعول کی طرف ہوگی۔ جیسے: "ضرب زيدٌ عمرواً" میں مضمونِ جملہ "ضربُ زيدٍ" ہے، جب کہ زید کے ضارب ہونے کو بتلانا مقصود ہو، اور اگر عمرو کے مضروب ہونے کو بتلانا مقصود ہو تو "ضرب عمرو" مضمون جملہ ہے، اور مضمون جملہ کے اثر سے مراد اس کی غرض وغایت اور فائدہ ہے۔

اس ضابطہ کا حاصل یہ ہے کہ جہاں مفعول مطلق اپنے سے پہلے والے جملہ کے مضمون کے فائدہ کا بیان واقع ہو، وہاں اس کے فعل کا حذف واجب ہے۔ حذف کی وجہ یہ ہے کہ مفعول مطلق کا نصب قرینہ ہے کہ اس کا کوئی عامل ہے اور خود مفعول مطلق اس کا قائم مقام

ہے، اور قرینہ وقائم مقام دونوں موجود ہوں تو عامل کا حذف واجب ہوتا ہے۔ جیسے: "فَشُدُّوْا الْوَثَاقَ فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَاءً" اس مثال میں "شُدُّوْا الوثاق" جملہ ہے، اس کا مضمون "شَدُّ الوثاقِ" ہے، اور اس کی غرض یا تو "مَنٌّ" ہے یعنی مشرکین پر احسان کرنا اور بغیر فدیہ کے ان کو چھوڑنا، یا "فداءٌ" ہے یعنی فدیہ لے کر چھوڑنا، اور مفعول مطلق یعنی "مناً" اور "فداءً" اسی غرض کا بیان اور تفصیل ہے، اس لئے ان دونوں کے فعل کو حذف کردیا گیا، "مناً" کا فعل "تمنون" اور "فداءً" کا فعل "تفدون" محذوف ہے۔

**ومنها ماوقع للتشبيه علاجاً بعد جملةٍ مشتملةٍ على اسم بمعناه وصاحبه نحو: مررتُ به فإذا له صوت صوتَ حمارٍ وصراخ صراخ الثكلیٰ.**

**ترجمہ**: اور ان مواقع میں سے ایک موقع وہ ہے کہ مفعول مطلق تشبیہ کے لئے واقع ہو علاج کے طور پر (یعنی وہ افعالِ جوارح سے تعلق رکھتا ہو) ایسے جملہ کے بعد ہو جو ایسے اسم پر مشتمل ہو جو مفعول مطلق کے معنی میں ہو اور اس اسم کے صاحب پر بھی مشتمل ہو، جیسے: "مررتُ به فإذا له صوتٌ، الخ" (میں اس کے پاس سے گذرا تو وہ گدھے کی طرح آواز کر رہا تھا اور میں اس کے پاس سے گذرا تو وہ اس طرح چیخ رہا تھا جس طرح وہ عورت چیختی چلاتی ہے جس کا بچہ مر گیا ہو)۔

**تشریح**: یہ چوتھا موقع ہے جہاں مفعول مطلق کے فعل کو قیاساً حذف کرنا واجب ہے، اس ضابطہ کا حاصل یہ ہے کہ مفعول مطلق تشبیہ کے لئے ہو، یعنی اس کے ساتھ کسی شئی کو تشبیہ دی جائے اور وہ افعال جوارح یعنی اعضاء ظاہری سے صادر ہونے والے افعال میں سے کسی فعل پر دلالت کرے، "علاجاً" کا یہی مطلب ہے۔ نیز جملہ کے بعد ہو اور وہ جملہ ایسے اسم پر مشتمل ہو جو مفعول مطلق کے معنی میں ہو، اسی طرح اس اسم کے صاحب پر بھی مشتمل ہو یعنی جس کے ساتھ اس اسم کے معنی قائم ہوں وہ بھی مذکور ہو۔ یہ پانچ قیود جس مفعول مطلق کے ساتھ پائی جائیں اس کے فعل کا حذف کرنا واجب ہے۔

**مثالیں:** جیسے:"مررتُ بہٖ فاذا لہ صوتٌ صوتَ حمارٍ" اس مثال میں مندرجہ بالا ضابطہ کی پانچویں قیدیں پائی جاتی ہیں:

(۱)"صوتَ حمارٍ" مفعول مطلق ہے اور تشبیہ کے لئے ہے، اس (مفعول مطلق) کے ساتھ اس (مثلاً زید) کی آواز کو تشبیہ دی جا رہی ہے۔

(۲) اور آواز عضو ظاہری یعنی منہ سے صادر ہوتی ہے۔

(۳) اور "لہٗ صوتٌ" جملہ ہے جس کے بعد مفعول مطلق ہے۔

(۴) اور یہ ایسے اسم پر یعنی صوت پر مشتمل ہے جو مفعول مطلق کے معنی میں ہے۔

(۵) اور جس کے ساتھ اس اسم کے معنی (یعنی صوت) قائم ہیں وہ بھی مذکور ہے، اور وہ لہٗ میں ضمیر کا مرجع مثلاً زید ہے، زید کے ساتھ صوت قائم ہے، وہ صاحب صوت ہے۔ ان تمام قیود کے پائے جانے کی وجہ سے یہاں مفعول مطلق سے پہلے "یُصَوِّتُ" فعل محذوف ہے، پوری عبارت اس طرح ہے:"مررتُ بہٖ فاذا لہ صوتٌ یصوّتُ صوتَ حمارٍ"۔

(۲)"مررتُ بہٖ فاذا لہ صُراخٌ صُراخَ الثکلیٰ" یہ دوسری مثال ہے، اور مفعول مطلق "صراخ الثکلیٰ" سے پہلے "یَصرُخُ" فعل محذوف ہے۔

**دو مثالیں دینے کی وجہ:** مصنفؒ نے دو مثالیں تین وجہ سے دیں۔

(۱) پہلی وجہ یہ ہے کہ دو مثالوں سے اس طرح اشارہ مقصود ہے کہ مفعول مطلق کبھی مصدر تاویلی ہوتا ہے، جیسے پہلی مثال میں "صوت" بمعنی "تصویت" ہے اور کبھی مصدر حقیقی ہوتا ہے، جیسے دوسری مثال میں "صراخ" مصدر ہے۔

(۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ یہاں یہ بتلانا مقصود ہے کہ مفعول مطلق کبھی نکرہ کی طرف مضاف ہوگا، جیسے:"حمار" پہلی مثال میں نکرہ ہے، اور کبھی معرفہ کی طرف مضاف ہوگا، جیسے:"الثکلیٰ" دوسری مثال میں معرفہ ہے۔

(۳) اور تیسری وجہ یہ ہے کہ مفعول مطلق کبھی غیر ذوی العقول کی طرف مضاف ہوگا،

جیسے پہلی مثال میں، اور کبھی ذوی العقول کی طرف جیسے دوسری مثال میں۔

**وجوب حذف کی وجہ:** اور فعل کا حذف کرنا یہاں اس لئے واجب ہے کہ مفعول مطلق سے پہلے والے جملہ سے فعل کے معنی پر دلالت ہوتی ہے، کیونکہ فعل کے لئے تین چیزیں ضروری ہوتی ہیں: (۱) نسبت الی الفاعل (۲) معنی مصدری (۳) اقتران بالزمان۔ چنانچہ مفعول مطلق سے پہلا جملہ یعنی "إذا له صوتٌ" ان تینوں پر دلالت کر رہا ہے، اس طرح کے "إذا" اقتران بالزمان پر، اور صوت معنی مصدری پر اور لہٗ میں "ہ" ضمیر نسبت الی الفاعل پر دلالت کرتا ہے، تو اس جملہ کے فعل کے معنی پر دلالت کرنے کی وجہ سے یہ جملہ فعل کے حذف کا قرینہ ہے، اور مفعول مطلق اس کے قائم مقام ہے، اور قرینہ و قائم مقام دونوں ہوں تو فعل کا حذف واجب ہے۔

## فوائد قیود:

**پہلی قید:** تشبیہ کی ہے اس سے "لزید صوت صوت حسن" جیسی مثال نکل گئی، کیونکہ "صوت حسن" کے ساتھ کسی کو تشبیہ نہیں دی جا رہا ہے، بلکہ یہ ماقبل "صوت" سے بدل ہے۔

**دوسری قید:** علاجاً ہے، اس قید سے "لزیدٍ زھدزھدالصلحاء" جیسی مثال سے احتراز ہے، اس لئے کہ زہد افعال جوارح سے نہیں، بلکہ قلب کا فعل ہے، زہد کے معنی ہیں: "دنیا سے بے رغبتی"۔

**تیسری قید:** "بعدجملةٍ" ہے، اس سے "صوت زید صوت حمار" جیسی مثال خارج ہوگئی، اس لئے کہ "صوت حمار" سے پہلے "صوت زید" جملہ نہیں، بلکہ "صوت زید" مبتدا ہے اور "صوت حمار" خبر ہے۔

**چوتھی قید:** "مشتملة علی اسم بمعناه" ہے، اس سے "مررت بزیدٍ فإذا له صفة صوت حمار" جیسی مثال نکل گئی، کیونکہ اس میں "صوت حمار" سے

پہلے "لـه صـفة" جملہ تو ہے، لیکن اس جملہ میں جو اسم ہے یعنی "صـفـةٌ" وہ یعنی "صـوت حمار" کے معنی میں نہیں، اور "صوت حمارٍ" صفة سے بدل ہے۔

**پانچویں قید:** "وصاحبه" ہے، یعنی مفعول مطلق سے پہلے والے جملہ میں جو اسم مفعول مطلق کے معنی پر مشتمل ہو وہ اسم جس کے ساتھ قائم ہو وہ بھی اس جملہ میں مذکور ہو، اس قید سے "مـررت بالبلد فإذا له صوتٌ صوتُ حمارٍ" جیسی مثال سے احتراز ہے، کیونکہ اس جملہ میں صـــوت تو موجود ہے جو مفعول مطلق کے معنی پر مشتمل ہے، لیکن صوت جس کے ساتھ قائم ہے یعنی صاحب صورت موجود نہیں، کیونکہ لـہ میں ضمیر بـلـد کی طرف راجع ہے اور اس کے ساتھ صوت قائم نہیں، کیونکہ صوت تو ذی روح کی صفت ہے اور بلد ذی روح نہیں ہے۔

**ومنها ماوقع مضمونَ جملةٍ لامحتملَ لها غيرُه نحوله عليّ الف درهم اعترافاً، ويسمىٰ تاكيداً لنفسه.**

**تـرجـمـه:** اور ان مواقع میں سے ایک موقع وہ ہے کہ مفعول مطلق ایسے جملہ کا مضمون واقع ہو کہ اس جملہ کا احتمال اس (مفعول مطلق) کے علاوہ کوئی اور نہ ہو، جیسے: "لـه عليه ألف درهم اعترافاً" اور اس کا نام "تاكيد لنفسه" رکھا جاتا ہے۔

**تشریح:** یہ پانچواں موقع ہے جہاں مفعول مطلق کے فعل کا حذف کرنا واجب ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ مفعول مطلق ایسے جملہ کا مضمون یعنی خلاصہ ہو کہ اس جملہ میں مفعول مطلق کے معنی کے علاوہ کوئی دوسرا احتمال نہ ہو، دونوں کا مفہوم ایک ہی ہو کوئی فرق نہ ہو۔ "له على الف درهم اعترافاً" اس مثال میں "اعترافاً" مفعول مطلق ہے اور اس کا فعل "يـعـتـرف" محذوف ہے، جس کے معنی اقرار کرنے کے ہیں، اور اس سے پہلا جملہ "لـه عليه الف درهمٍ" کا مطلب بھی اقرار ہے، اسی وجہ سے اگر کوئی شخص ان الفاظ کے ساتھ کسی کے لئے اقرار کرے تو قاضی اس کو ایک ہزار درہم مُقِرّ سے دلا دے گا، اس جملہ میں اقرار کے علاوہ کوئی اور احتمال نہیں ہے، اور مفعول مطلق کے معنی بھی اقرار کے ہیں، تو

مفعول مطلق کے معنی کے علاوہ اس جملہ میں کوئی اور احتمال نہیں۔

اور مفعول مطلق کی اس قسم کا نام "تاکید لنفسہ" ہے، کیونکہ جب مفعول مطلق کے معنی اور اس سے پہلے والے جملہ کے معنی ایک ہی ہیں تو گویا مفعول مطلق سے خود اس کی ذات ہی کی تاکید ہوئی، کسی دوسرے امر کی تاکید نہیں ہوئی۔

**وجوب حذف کی وجه:** اس قاعدہ میں فعل کا حذف اس وجہ سے واجب ہے کہ مفعول مطلق سے پہلا جملہ فعل محذوف پر دلالت کرتا ہے تو یہ حذفِ فعل کا قرینہ ہوا، اور مفعول مطلق اس فعل محذوف کے قائم مقام ہے، اور قرینہ و قائم مقام کی صورت میں حذف واجب ہے۔

---

**ومنها ماوقع مضمون جملةٍ لها محتملٌ غيره، نحو زيدٌ قائمٌ حقاً، ويسمىٰ تاكيداً لغيره.**

---

**ترجمه:** اور ان مواقع میں سے ایک موقع وہ ہے کہ مفعول مطلق ایسے جملہ کا مضمون واقع ہو کہ اس جملہ کا مفعول مطلق کے علاوہ کوئی اور احتمال بھی ہو، جیسے: "زیدٌ قائمٌ حقاً" اور اس کا نام رکھا جاتا ہے۔ "تاکید لغیرہٖ"۔

**تشریح:** یہ چھٹا موقع ہے جہاں مفعول مطلق کے فعل کو حذف کرنا واجب ہے، یہ پانچویں موقع کے برعکس ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ مفعول مطلق ایسے جملہ کا خلاصہ ہو جس میں مفعول مطلق کے غیر کا بھی احتمال ہو، جیسے: "زيدٌ قائمٌ حقًّا، أي أحقُّ حقاً" اس مثال میں "حقًّا" مفعول مطلق ہے، اور یہ اپنے سے پہلے والے جملہ کا حاصل اور خلاصہ ہے، اور اس جملہ میں مفعول مطلق کے علاوہ دوسرے معنی کا بھی احتمال ہے، کیونکہ مفعول مطلق "حقًّا" سے تو صرف حق ہونا یعنی ثابت ہونا سمجھ میں آتا ہے، جب کہ "زیدٌ قائمٌ" جملہ خبریہ ہے، اور جملہ خبریہ حق و باطل اور صدق و کذب دونوں کا احتمال رکھتا ہے، تو جملہ کے اندر تو حق یعنی صدق کے علاوہ کذب کا بھی احتمال ہے، اور مفعول مطلق یعنی "حقًّا" کا مطلب صرف صدق ہے، اس میں کذب کا احتمال نہیں، اس اعتبار سے "مؤکَّد" یعنی جملہ

اور "مؤکَّد" یعنی مفعول مطلق کے درمیان من وجہ مغایرت پائی گئی، تو حاصل یہ ہوا کہ "زیدٌ قائمٌ" کے اندر جو احتمال اس کے حق یعنی صدق ہونے کا ہے، "حقًّا" اسی کی تاکید کرتا ہے۔ اور دوسرا احتمال جو کذب کا ہے "حقًّا" اس کی تاکید نہیں کرتا، اس لئے تاکید تو اپنے نفس ہی کی ہوئی، لیکن پہلے والے جملہ میں غیر کا احتمال ہونے کی وجہ سے اس مفعول مطلق کو تاکید لغیرہٖ کہتے ہیں۔

**وجوب حذف کی وجہ:** وجوبِ حذف کی وجہ یہاں بھی وہی ہے جو اس سے پہلے ضابطہ میں ذکر کی گئی، واللہ اعلم

**ومنها ماوقع مثنًی مثل لبیک وسعدیک.**

**ترجمہ:** اوران مواقع میں سے ایک موقع وہ ہے کہ مفعول مطلق تثنیہ واقع ہو۔ جیسے: "لبیک" الخ۔

**تشریح:** یہ ساتواں اور آخری موقع ہے جہاں مفعول مطلق کے فعل کو حذف کرنا قیاساً واجب ہے، اس کا حاصل اور خلاصہ یہ ہے کہ مفعول مطلق تثنیہ ہو، لیکن تثنیہ کے معنی میں نہ ہو، بلکہ تکریر اور تکثیر کے لئے ہو، اور ایک شرط یہ بھی ہے کہ وہ تثنیہ فاعل یا مفعول کی طرف مضاف ہو، جیسے: "لبیک" اس کی اصل "أَلَبُّ لَکَ اِلْبَابَیْنِ" ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ میں آپ کی خدمت میں ہمہ وقت حاضر ہوں، یہاں سے نہ ہٹوں گا۔ اس میں اس طریقہ پر تبدیلی کی گئی کہ پہلے "اَلَبُّ" فعل کو حذف کر کے مصدر کو اس کے قائم مقام کیا گیا، پھر مصدر سے حروفِ زوائد حذف کر کے اس کو مجرد بنایا گیا، تو "لبین" ہوا، پھر باء کا باء میں ادغام کر کے "لک" سے لام جارہ کو حذف کر کے "ک" ضمیر کی طرف "لبین" کی اضافت کی گئی، اضافت کی وجہ سے نون تثنیہ گر گیا، "لبیک" ہو گیا۔

اور "سعدیک" اور دوسری مثال ہے، اس کی اصل "أسعدک اسعادین" تھی، اس کا مطلب یہ ہے کہ میں تیری بار بار مدد کرتا ہوں، اس کی تبدیلی بھی مندرجہ بالا طریقہ پر ہے، تفصیل کی ضرورت نہیں۔

**دو مثالیں دینے کی وجہ:** مصنفؒ نے دو مثالیں اس لئے دی ہیں کہ ایک میں مصدر لام کے ذریعہ متعدی ہے اور دوسری مثال میں متعدی بنفسہ ہے۔

**وجوب حذف کی وجہ:** یہاں پر فعل کا حذف اس وجہ سے واجب ہوا کہ مفعول مطلق کا نصب قرینہ ہے کہ اس کا کوئی عامل ہے جس کی وجہ سے نصب آیا ہے، اور خود مفعول مطلق اس کا قائم مقام ہے، اور قرینہ و قائم مقام دونوں ہوں تو حذف واجب ہو جاتا ہے۔

## (۲) مفعول بہ:

المفعول به هو ما وقع عليه فعل الفاعل نحو ضربت زيداً .

**ترجمہ:** مفعول بہ وہ اسم ہے جس پر فاعل کا فعل واقع ہو۔ جیسے: ضربتُ زيداً.

**تشریح:** مفاعیل کی دوسری قسم مفعول بہ ہے، اس کی تعریف یہ ہے کہ مفعول بہ اس ذات کا نام ہے جس پر فاعل کا فعل واقع ہو۔ جیسے: ضربت زيداً، إياك نعبد وغیرہ.

"ما وقع عليه" کے ذریعہ باقی تمام مفاعیل خارج ہو گئے، کیونکہ دوسرے مفاعیل میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جس پر یہ بات صادق آئے کہ اس پر فاعل کا فعل واقع ہے، بلکہ کسی کے اندر واقع ہوتا ہے، کسی کی وجہ سے اور کسی کے ساتھ وغیرہ۔ نیز مفعول مطلق بھی خارج ہو گیا، کیونکہ "ما وقع عليه فعل الفاعل" سے معلوم ہوتا ہے کہ فعل اور شئی ہے اور جس پر واقع ہوا ہے وہ اور شئی ہے، دونوں میں اتحاد نہیں، جب کہ مفعول مطلق اور اس کے فعل میں معنی اتحاد ہوتا ہے۔

وقد يتقدم على الفعل نحو زيداً ضربتُ .

**ترجمہ:** اور کبھی مفعول بہ فعل پر مقدم ہوتا ہے۔ جیسے: زيداً ضربتُ.

**تشریح:** مطلب یہ ہے کہ مفعول بہ کبھی اپنے عامل فعل پر مقدم ہو جاتا ہے، کیونکہ فعل، عامل قوی ہے وہ اپنے معمول میں ہر حال میں عمل کرے گا خواہ معمول مقدم ہو یا مؤخر۔

**فائدہ:** مفعول کی یہ تقدیم کبھی تو جائز ہوتی ہے۔ جیسے: "زيداً ضربتُ، وجہ

الحبیب اتمنی" اور کبھی یہ تقدیم واجب ہوتی ہے، مثلاً جب مفعول بہ استفہام یا شرط کو متضمن ہو۔ جیسے: "مَن رایت" اس میں مَن استفہامیہ ہے، اور جیسے: "مَنْ تُکْرِمْ یُکْرِمْکَ" (جس کا تو اکرام کرے گا وہ تیرا اکرام کرے گا) اس میں "من" شرط کو متضمن ہے، اس لئے مقدم کرنا واجب ہے، کیونکہ استفہام اور شرط صدارت کلام کو چاہتے ہیں۔

## حذف فعل کا بیان:

**وقد یحذف الفعل لقیام قرینۃٍ جوازاً کقولک زیداً لمن قال من اضربُ.**

**ترجمہ:** اور کبھی حذف کردیا جاتا ہے فعل کو قرینہ کے قائم ہونے کے وقت جوازاً۔ جیسے: تیرا کہنا "زیداً" اس شخص کے جواب میں جو کہے: من اضربُ؟ (میں کس کو ماروں؟)

**تشریح:** مطلب یہ ہے کہ کبھی مفعول بہ کے عامل کو قرینہ مقالیہ یا حالیہ کی وجہ سے جوازاً حذف کردیا جاتا ہے، قرینہ مقالیہ کی مثال، جیسے کسی نے سوال کیا "من اضربُ" (میں کس کو ماروں) اور اس کے جواب میں "زیداً" کہا جائے، تو "زیداً" سے پہلے "اضرب"، فعل محذوف ہوگا، کیونکہ سوال میں اسی نوع کا فعل ہے۔

اور قرینہ حالیہ کی مثال، جیسے کوئی شخص سامان لے کر دہلی کے ارادہ سے نکلا تو اس سے کہا جائے "دھلی؟" تو یہاں دہلی سے پہلے "ترید" فعل محذوف ہے، کیونکہ مسافر کی حالت سے پتہ چل گیا کہ وہ سفر کا ارادہ کررہا ہے۔

**ووجوباً فی اربعۃ مواضع: الاول سماعیٌّ نحو اِمْرأً ونفسہٗ، وانتھوا خیراً لکم، واھلاً وسھلاً.**

**ترجمہ:** اور (مفعول بہ کے عامل کو) وجوباً (حذف کردیا جاتا ہے) چار مواقع میں، پہلا موقع سماعی ہے۔ جیسے: امرأً ونفسہٗ الخ.

**تشریح:** مطلب یہ ہے کہ کبھی مفعول بہ کے عامل کو وجوباً حذف کردیا جاتا ہے، مصنفؒ نے اس کے چار مواقع بیان کئے ہیں: (۱) سماعی (۲) منادیٰ (۳) ما اضمر عاملہ علی

شریطة التفسیر (۴) تحذیر. اور ان چاروں مقامات کی تخصیص کثرتِ مباحث کی وجہ سے ہے، تحدید کے لئے نہیں ہے، کیونکہ ان چار مقامات کے علاوہ کچھ اور مقامات بھی ہیں جن میں مفعول بہ کے عامل کو حذف کر دیا جاتا ہے، جن کا بیان بڑی کتابوں میں ہے۔

## پہلا موقعِ سماعی:

ان مقامات میں سے پہلا موقع سماعی ہے، اس میں قیاس کو دخل نہیں، جن مثالوں میں اہل عرب سے حذف سنا گیا ہے وہیں حذف کیا جائے گا دوسری جگہ نہیں، اس کی مصنفؒ نے تین مثالیں بیان کی ہیں:

(۱) "امرأ ونفسهٗ: اس مثال میں "امرأ" سے پہلے "اترک" فعل محذوف ہے اور واؤ یا تو بمعنی "مع" ہے یا عطف کے لئے ہے، ترجمہ ہے: "آدمی کو اس کے نفس کے ساتھ چھوڑ دو"، یعنی جب وہ اپنی حرکت سے باز نہیں آتا اور سمجھانے کا کوئی اثر نہیں ہوتا تو اس کے پیچھے نہ پڑو، یہ جملہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی آدمی کو خوب نصیحت کی جائے مگر نصیحت کارگر نہ ہو۔

(۲) انتھوا خیراً لکم: اس کی اصل "انتھوا عن التثلیث واقصدوا خیراً لکم" ہے، یعنی تین خدا ماننے سے باز آجاؤ اور اپنے لئے بھلائی یعنی توحید کا قصد کرو، اس بں نصاریٰ کو خطاب ہے۔

(۳) اھلاً وسھلاً: "اھلاً" سے پہلے "أتیت" (از ضرب) فعل ماضی محذوف ہے اور "سھلاً" سے پہلے "وطیت" (از سمع) فعل ماضی محذوف ہے، "ای أتیت اھلاً وَطِیتَ سھلاً".

"اھل" کے یہاں دو معنی ہو سکتے ہیں: (۱) آباد جگہ (۲) عزیز و اقارب، مانوس لوگ۔ پہلی صورت میں "اھل" بمعنی "ماھول" ہوگا اور اس سے پہلے "مکاناً" موصوف محذوف ہوگا، ترجمہ ہوگا (تو آباد جگہ میں آیا ویرانہ میں نہیں آیا) اور دوسری صورت میں معنی

ہوں گے (تو اپنے عزیزوں اور دوستوں میں آیا، اجنبیوں میں نہیں آیا) اور "سھلاً" کے معنی نرم زمین کے ہیں، مطلب یہ ہے کہ تو نرم زمین پر چلا ہے سخت پر نہیں۔ پورے جملہ کا مطلب یہ ہے کہ یہاں تجھ کو ہر قسم کی راحت پہنچائی جائے گی سب اپنے ہی لوگ ہیں غیر نہیں، لہٰذا کسی قسم کا اندیشہ نہ کیجئے۔

ان تمام مثالوں میں حذف پر دلیل صرف سماع ہے۔

## دوسرا موقع منادیٰ:

والثانی المنادیٰ وھو المطلوب اقباله بحرف نائبٍ منابَ ادعو لفظاً أو تقدیراً.

**ترجمہ:** اور دوسرا موقع منادیٰ ہے، اور وہ ایسا اسم ہے جس کی توجہ مطلوب ہو ایسے حرف کے ذریعہ جو "ادعو" کا قائم مقام ہو لفظاً یا تقدیراً۔

**تشریح:** یہ (یعنی منادیٰ) دوسرا موقع ہے جہاں مفعول بہ کے عامل کو حذف کرنا واجب ہے، منادیٰ ایسے اسم کو کہتے ہیں جس کی توجہ ایسے حرف کے ذریعہ مطلوب ہو جو "ادعو" کے قائم مقام ہو، خواہ وہ حرف لفظوں میں موجود ہو یا مقدر ہو۔

منادیٰ میں جو توجہ مطلوب اور مقصود ہوتی ہے وہ ایسے حرف کے ذریعہ ہو جو "ادعو" کے قائم مقام ہو، لہٰذا اگر کسی ایسے لفظ سے توجہ مطلوب ہو جو "ادعو" کے قائم مقام نہ ہو تو وہ منادیٰ نہ ہوگا، جیسے: "لیقبل زیدٌ" چاہئے کہ زید متوجہ ہو، اس مثال میں "لیقبل" حرف ہی نہیں، لہٰذا "زیدٌ" منادیٰ نہیں۔

"لفظاً او تقدیراً" میں دو احتمال ہیں: (۱) یا تو یہ نائب کی تفصیل ہو، یعنی وہ حرف جو "ادعو" کا قائم مقام ہے یا تو لفظوں میں موجود ہو، جیسے: "یَا نُوحُ اهْبِطْ" یا لفظوں میں موجود نہ ہو، بلکہ محذوف ہو، جیسے: "یُوسُفُ اعْرِضْ عَنْ هٰذَا" (۲) دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ منادیٰ کی تفصیل ہو، یعنی منادیٰ لفظوں میں موجود ہو، جیسے: "یَا نُوحُ اهْبِطْ" یا منادیٰ

لفظوں میں موجود نہ ہو، جیسے امام کسائیؒ کی قرأت کے اعتبار سے "أَلَا يَا اسْجُدُوْا" "أَيْ أَلَا يَاقَوْمِيْ اسْجُدُوْا" جب کہ امام حفصؒ کی قرأت "أَلَّا يَسْجُدُوْا" مضارع کے صیغہ کے ساتھ ہے، اس صورت میں یہ مثال نہیں بنے گی۔

**ترکیب**: ان دونوں صورتوں میں "لفظاً اوتقديراً ،ملفوظاً اَوْ مَقدراً" کی تاویل میں کیا جائے گا۔ "اى كان ذٰلک الحرف النائب ملفوظاً اومقدراً" (یعنی وہ حرف جو "ادعو" کا قائم مقام ہے، لفظوں میں موجود ہو یا مقدر ہو) یا "كان المنادىٰ ملفوظاً اومقدراً" (منادیٰ لفظوں میں موجود ہو یا مقدر ہو)

## منادیٰ کے اعراب کا بیان:

**ويُبنٰى على مايُرفع به إن كان مفرداً معرفةً نحويا زيدُ ويارجلُ ويازيدان ويازيدون .**

**ترجمہ**: اور منادیٰ مبنی ہوگا اس (حرکت یا حرف) پر جس کے ساتھ اس کو رفع دیا جاتا ہے، اگر منادیٰ مفرد معرفہ ہو، جیسے: یازیدُ یا رجلُ، یازیدانِ، یازیدونَ .

**تشریح**: یہاں سے مصنفؒ منادیٰ کا اعراب بیان کررہے ہیں، منادیٰ کے چار حالات ہیں: (ا) کبھی مبنی ہوتا ہے (۲) کبھی مجرور ہوتا ہے (۳) کبھی مفتوح ہوتا ہے (۴) اور کبھی منصوب ہوتا ہے۔ یہاں سے مصنفؒ مبنی ہونے کی حالت بیان کررہے ہیں کہ اگر منادیٰ مفرد معرفہ ہو تو علامت رفع پر مبنی ہوگا، یعنی منادیٰ بننے سے پہلے جو اس اسم کی رفعی حالت ہوگی، منادیٰ بننے کے بعد اسی حالت پر وہ مبنی ہوگا۔

مفرد تین چیزوں کے مقابلہ میں بولا جاتا ہے (ا) تثنیہ وجمع کے مقابلہ میں، یعنی مفرد وہ اسم ہے جو تثنیہ وجمع نہ ہو (۲) مرکب غیر مفید کے مقابلہ میں، یعنی مفرد وہ اسم ہے جو مرکب اضافی وغیرہ نہ ہو، اس صورت میں تثنیہ وجمع مفرد کے اندر داخل ہوگا، کیونکہ تثنیہ وجمع بھی مرکب غیر مفید نہیں ہوتا (۳) مرکب مفید کے مقابلہ میں، یعنی مفرد وہ اسم ہے جو

مرکب مفید یعنی جملہ نہ ہو، اس صورت میں مرکب غیر مفید مفرد کے اندر داخل ہوگا۔

یہاں پر مفرد، مرکب غیر مفید کے مقابلہ میں ہے، یعنی یہاں پر مفرد سے مراد وہ اسم ہے جو مضاف ومشابہ مضاف وغیرہ نہ ہو، لہٰذا تثنیہ وجمع مفرد کے اندر داخل ہوگا۔

**تنبیه:** معرفہ سے مراد یہ ہے کہ وہ اسم خواہ حرفِ ندا داخل ہونے سے پہلے ہی معرفہ ہو، جیسے: "یا زیدُ" میں، یا حرفِ ندا داخل ہونے کے بعد معرفہ بنا ہو، جیسے: یا رجل میں۔

**مثالیں:** "یازیدُ، یارجلُ" یہ دونوں مثالیں ضمہ پر مبنی ہیں، کیونکہ یہ مفرد منصرف صحیح ہیں، اور مفرد منصرف صحیح کی رفعی حالت ضمہ کے ساتھ ہوتی ہے۔

"یازیدانِ" یہ الف پر مبنی ہے، کیونکہ یہ تثنیہ کی رفعی حالت الف کے ساتھ ہوتی ہے۔

"یازیدونَ" واوٗ پر مبنی ہے، کیونکہ یہ جمع مذکر سالم ہے اور جمع مذکر سالم کی رفعی حالت واوٗ کے ساتھ ہوتی ہے۔

**منادیٰ مفرد معرفه کے مبنی ہونے کی وجه:** منادیٰ مفرد معرفہ کے مبنی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ منادیٰ کافِ اسمی کی جگہ واقع ہوتا ہے، اور کافِ اسمی کافِ حرفی کے لفظاً اور معنیً مشابہ ہے، اور کافِ حرفی مبنی اصل ہے، اور اس کی مشابہت کی وجہ سے کافِ اسمی بھی مبنی ہوا، اور چونکہ منادیٰ کافِ اسمی کی جگہ واقع ہوتا ہے اس لئے وہ بھی مبنی ہوگیا۔

**فائدہ:** کافِ اسمی وہ کاف ہے جس کی جگہ اسم آسکے، جیسے: "ادعوک" کا کاف، کہ یہاں کاف کو ہٹا کر "ادعو زیداً" کہہ سکتے ہیں۔ اور کافِ حرفی وہ کاف ہے جس کی جگہ اسم نہ آسکے، جیسے: "ذٰلک" کا کاف، کہ اس کی جگہ کوئی اسم نہیں آسکتا، مثلاً یا "محمد" میں "محمد" منادیٰ ہے اور یا حرفِ ندا ہے، تو اس میں یا حرفِ ندا "ادعو" کے قائم مقام ہے، اور "محمد" کاف خطابِ اسمی (ضمیر) کے قائم مقام ہے، اور یہ کاف "ذٰلک" کے کاف کے مشابہ ہے جو حرف ہونے کی وجہ سے مبنی الاصل ہے، اور کاف خطاب اسمی اس کے مشابہ ہونے کی وجہ سے مبنی ہے، اور اس کی جگہ "محمد" واقع ہے، لہٰذا وہ بھی مبنی ہوا۔

وَيُخْفَضُ بلام الاستغاثة نحو يا لَزَيدٍ.

**ترجمہ:** اور منادیٰ مجرور ہوتا ہے لام استغاثہ① کی وجہ سے۔ جیسے: یالَزید.

**تشریح:** یہاں سے یہ بات فرماتے ہیں کہ منادیٰ مفرد معرفہ پر اگر لام استغاثہ داخل ہو جائے تو پھر وہ رفع کی علامت پر مبنی نہیں ہوگا، بلکہ مجرور ہو جائے گا، کیونکہ منادیٰ مفرد معرفہ کا مبنی ہونا کافِ اسمی کے واسطے سے کافِ حرفی کی مشابہت کی وجہ سے تھا، اور اب اس پر لام استغاثہ داخل ہو گیا جو لام جارہ ہے اور اسم کا خاصہ ہے، اس لئے اس لام کے دخول کی وجہ سے منادیٰ کی حرف کے ساتھ مشابہت کمزور ہو گئی، لہٰذا اسم کا اصل حال یعنی معرب ہونا لوٹ آئے گا۔②

**ويُفتَحُ لإلحاق ألفها ولا لام فيه نحو يا زيداه .**

**ترجمہ:** اور منادیٰ الف استغاثہ کے لاحق ہونے کی وجہ سے مفتوح ہوگا، اور (اس صورت میں) اس پر لام (داخل) نہ ہوگا۔ جیسے: "یازیداہ".

**تشریح:** اس عبارت میں مصنفؒ دو باتیں بیان فرما رہے ہیں (۱) جب منادیٰ کے آخر میں الف استغاثہ لاحق ہو جائے تو منادیٰ فتحہ پر مبنی ہوگا، کیونکہ الف کا ماقبل ہمیشہ مفتوح

① استغاثہ کے معنی ہیں فریاد کرنا، مدد چاہنا، جس سے مدد چاہی جائے اس کو مستغاث کہتے ہیں اور جس کے لئے مدد چاہی جائے اس کو مستغاث لہ کہتے ہیں، مستغاث بھی حقیقت میں منادیٰ ہی ہوتا ہے، البتہ اس پر لام استغاثہ مفتوح آتا ہے اور مستغاث لہ پر لام مکسور، جیسے: "یَـالَـلّٰـهِ لِـلْـمُـسْـلِمِيْنَ" اے اللہ مسلمانوں کی مدد فرما "يَالَلْقَوْمِ لِلْمَظْلُوْمِ" اے لوگو مظلوم کی مدد کرو۔

② **لام استغاثہ کے مفتوح ہونے کی وجہ:** یہاں یہ سوال ہوتا ہے کہ لام استغاثہ لام جارہ ہے، اور لام جارہ جب اسم ظاہر پر داخل ہوتا ہے تو اس لام پر کسرہ آتا ہے، اور منادیٰ بھی اسم ظاہر ہے تو پھر اس لام پر فتحہ کیوں پڑھا جاتا ہے؟

**جواب:** اس کا جواب یہ ہے کہ منادیٰ مستغاث کافِ اسمی (یعنی کاف ضمیر) کی جگہ واقع ہوتا ہے اور کاف ضمیر پر جب لام جارہ داخل ہوتا ہے تو اس لام پر فتحہ آتا ہے، جیسے: "لکَ" اس لئے منادیٰ مستغاث کے لام پر بھی فتحہ دیا گیا، اور مستغاث لہ کاف ضمیر کی جگہ واقع نہیں ہوتا، اس لئے اس کے لام کو اپنی اصل پر رکھا گیا یعنی کسرہ دیا گیا۔

ہوتا ہے، جیسے: ''یــا زیـدا'' (اور وقف کی حالت میں اس کے آخر میں ''ہ'' بھی داخل ہوسکتا ہے، جیسے: یازیداہ'' جس کا بیان آگے آرہا ہے۔[1]

(۲) اور جب منادیٰ کے آخر میں الف استغاثہ لاحق ہوجائے تو اب اس پر لام استغاثہ داخل نہیں ہوسکتا، کیونکہ الف کا تقاضا یہ ہوگا کہ اس کا ماقبل مفتوح ہو، اور لام استغاثہ کا تقاضا یہ ہوگا کہ وہ مجرور رہو اور ان دونوں میں منافات ہے۔

**وينصب ماسواهما نحو يا عبدالله ويا طالعاً جبلاً ويا رجلاً لغير معين .**

**ترجمہ:** اور وہ منادیٰ جو ان دونوں (یعنی منادیٰ مفرد معرفہ اور منادیٰ مستغاث) کے علاوہ ہے، منصوب ہوگا، جیسے: یاعبدَ اللّٰہ، یاطالعاً جبلاً، یا رجلاً'' حال یہ کہ ''یا رجلاً'' غیر معین شخص کو کہا جائے۔

**تشریح:** اس سے پہلے مصنفؒ نے منادیٰ کی تین صورتیں بیان کی ہیں: (۱) منادیٰ مفرد معرفہ، جو علامت رفع پر مبنی ہوتا ہے (۲) منادیٰ مستغاث باللام، یہ معرب اور مجرور ہوتا ہے (۳) منادیٰ مستغاث بالالف، یہ فتحہ پر مبنی ہوتا ہے، لیکن مصنفؒ نے مستغاث کی دونوں صورتوں کو ایک ہی شمار کیا ہے، اسی وجہ سے ماسواہما میں ہما ضمیر تثنیہ کی لائے، جس کا مرجع منادیٰ مفرد معرفہ اور منادیٰ مستغاث ہے، خواہ مستغاث باللام ہو یا مستغاث بالالف۔ اور عبارت کا مطلب یہ ہے کہ ان صورتوں کے علاوہ منادیٰ معرب ہوگا اور مفعولیت کی بنا پر منصوب ہوگا۔

منادیٰ مفرد معرفہ اور منادیٰ مستغاث کے علاوہ منادیٰ کی چار صورتیں ہیں:

(۱) مفرد نہ ہو، بلکہ مضاف ہو۔ جیسے: یا عبدالله .

(۲) منادیٰ مشابہ مضاف[2] ہو۔ جیسے: یا طالعاً جبلاً ، یاذاهباً إلى المسجد، يا غافلاً عن الدرس ''۔

---

[1] واضح رہے کہ متن میں ''ہ'' کا دخول صحیح معلوم نہیں ہورہا ہے۔

[2] **مشابہ مضاف کی تعریف:** مشابہ مضاف ایسے اسم کو کہتے ہیں (بقیہ صفحہ آئندہ)

(۳) منادیٰ معرفہ نہ ہو، بلکہ نکرہ ہو، جیسے: "یا رجلاً" جب کہ غیر معین شخص کو ندا دی جائے، مثلاً کوئی نابینا شخص "یا رجلاً" کہے، یا کوئی بینا شخص اندھیرے میں "یا رجلاً" کہے، کیونکہ وہ کسی معین شخص کو نہیں پکارتا، اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کوئی بھی شخص آجائے اور میرا مقصد پورا کرے۔

(۴) نہ مفرد ہو اور نہ معرفہ، جیسے: "یا حسناً وجهه ظریفاً" اس مثال میں "حسناً" مشابہ مضاف ہے، کیونکہ وجهه یا اس جیسے لفظ کے بغیر اس کے معنی پورے نہیں ہوتے اور یہ معرفہ بھی نہیں، بلکہ نکرہ ہے، اسی وجہ سے اس کی صفت "ظریفاً" نکرہ ہے۔

**ترکیب:** "لغیر معین، یا رجلاً" سے حال ہے، تقدیری عبارت اس طرح ہے: "حال کونہ مقولاً لرجل غیر معین" مطلب یہ ہے کہ "یا رجلاً" جس وقت غیر معین شخص کو کہا جائے تو منصوب ہوگا۔

## منادیٰ کے توابع کا بیان:

**وتوابع المنادیٰ المبنی المفردةُ من التاکید والصفةِ وعطفِ البیانِ والمعطوفِ بحرفِ الممتنعِ دخولُ یاعلیہ تُرفَعُ علی لفظهٖ وتُنصب علی محله، مثل یا زید العاقلُ والعاقلَ .**

**ترجمہ:** اور منادیٰ مبنی کے مفرد توابع یعنی تاکید، صفت، عطف بیان اور وہ معطوف بحرف جس پر یا (حرفِ ندا) کا داخل ہونا ممتنع ہو، منادیٰ کے لفظ پر حمل کرتے ہوئے مرفوع ہوں گے اور اس کے محل پر حمل کرتے ہوئے منصوب ہوں گے۔ جیسے: یازید العاقلُ والعاقلَ .

**تشریح:** منادیٰ کے اعراب سے فارغ ہونے کے بعد اب مصنفؒ اس کے توابع کا اعراب بیان کر رہے ہیں۔ توابع پانچ ہیں: (۱) صفت (۲) تاکید (۳) بدل (۴) عطف بیان (۵) عطف بحرف۔ مصنفؒ نے عطف بحرف کی دو شکلیں بیان کی ہیں: (۱) وہ معطوف

(بقیہ صفحۂ گذشتہ) کہ جس کے معنی بغیر دوسرے اسم کے ملائے پورے نہ ہوں، جس طرح بغیر مضاف الیہ کے ملائے مضاف کے معنی پورے نہیں ہوتے، جیسے مذکورہ بالا مثالیں۔

بحرف جس پر یا حرفِ ندا کا داخل ہونا ممتنع ہے یعنی معطوف معرف باللام (۲) وہ معطوف بحرف جس پر یا حرفِ ندا کا داخل ہونا درست ہے یعنی معطوف غیر معرف باللام۔

مندرجہ بالا عبارت میں مصنفؒ نے منادیٰ کے توابع میں سے ساڑھے تین (یعنی صفت، تاکید، عطف بیان اور معطوف بحرف کی پہلی قسم) کا اعراب بیان کیا ہے کہ ان توابع کا حکم یہ ہے کہ ان میں منادیٰ کے لفظ اور محل دونوں کی رعایت کی جائے گی، منادیٰ پر لفظاً تو رفع ہے، لہٰذا اس کے توابع پر بھی رفع پڑھا جائے گا، اور منادیٰ محل کے اعتبار سے منصوب ہے، کیونکہ وہ مفعول کی جگہ واقع ہے، تو محل پر حمل کرتے ہوئے اس کا تابع بھی منصوب ہوگا، جیسے: "العاقل، زید" کی صفت ہو تو اس طرح کہیں گے: "یازیدُ العاقلُ، اور یازیدُ العاقلَ" بھی کہہ سکتے ہیں۔

**تاکید کی مثال:** یازیدُ نفسُهُ، یازیدُ نفسَهُ، یامدرسون اجمعون، یامدرسون اجمعین.

**عطف بیان کی مثال:** "یااقبالُ شاعرٌ، یا اقبالُ شاعراً، یارجلُ بشرٌ، یارجل بشراً.

**معطوف معرف باللام کی مثال:** یاخالدُ والکاتبُ، یاخالدُ والکاتبَ.

**فوائد قیود:** لفظ مبنی منادیٰ کی صفت ہے، اور "المفردة" توابع کی صفت ہے۔ منادیٰ کو مبنی کے ساتھ اس لئے مقید کیا کہ آنے والا حکم (ترفع علی لفظہ الخ) منادیٰ معرب کے توابع پر جاری نہیں ہوگا، کیونکہ منادیٰ معرب کے توابع ہمیشہ منادیٰ کے لفظ کے تابع ہوتے ہیں، محل کے تابع نہیں ہوتے۔

اور توابع کو مفردہ[1] کے ساتھ مقید کیا، اور مفردہ سے مراد یہ ہے کہ وہ توابع مضاف باضافت معنوی نہ ہوں، لہٰذا اگر وہ توابع مفرد نہ ہوں گے یعنی مضاف باضافت معنوی ہوں گے تو آنے والا حکم ایسے توابع پر جاری نہ ہوگا۔

---

[1] **مفردة** سے مراد یہ ہے کہ وہ توابع حقیقۃً مفرد ہوں یا حکماً، حقیقۃً مفرد ہونے کا (بقیہ صفحہ آئندہ)

**فائدہ:** معطوف معرف باللام پر یا حرفِ ندا کا داخل ہونا اس وجہ سے ممتنع ہے، کیونکہ الف ولام حرف تعریف ہے اور حرف ندا بھی حرف تعریف ہے، تو معرف باللام پر اگر حرف ندا داخل ہوگا تو تعریف کے دو آلے ایک اسم پر جمع ہو جائیں گے اور یہ درست نہیں۔

**والخيل في المعطوف يختارُ الرفعَ و أبو عمروٍ النصبَ وابو العباس ان كان كالحسن فكالخليل وإلّا فكأبي عمروٍ .**

**ترجمہ:** اور امام خلیل معطوف میں رفع کو پسند کرتے ہیں اور ابو عمرو نصب کو، اور ابو العباس (کہتے ہیں کہ) اگر وہ (معطوف) "الحسن" کی طرح ہو تو وہ امام خلیل کی طرح (رفع پسند کرتے) ہیں، اور اگر "الحسن" کی طرح نہ ہو تو پھر وہ ابو عمرو کی طرح (نصب پسند کرتے) ہیں۔

**تشریح:** خلیل بن احمد نحوی (جو سیبویہ کے استاذ ہیں) اور ابو عمرو بصری (جو نحوی اور قاری سے مشہور ہیں، اور خلیل سے پہلے لوگوں میں سے ہیں) ان دونوں کا مذہب بھی منادیٰ مبنی کے مفرد توابع کے بارے میں جمہور نحویوں کی طرح ہے، یعنی "ترفع على لفظه، وتنصب على محله" البتہ معطوف معرف باللام کے سلسلہ میں ان دونوں کا تھوڑا سا اختلاف ہے۔

خلیل بن احمد کا مسلک یہ ہے کہ اس پر نصب بھی جائز ہے، لیکن رفع مختار ہے، کیونکہ معطوف پر اگر الف لام داخل نہ ہوتا تو وہ مستقل منادیٰ ہوتا، اور مفرد معرفہ ہونے کی وجہ سے علامت رفع پر مبنی ہوتا، لیکن معرف باللام ہونے کی وجہ سے اس پر حرفِ ندا نہیں آیا، اور وہ علامت رفع پر مبنی نہ ہو سکا، تو کچھ ایسی صورت اختیار کی جائے کہ اس کا منادیٰ پن بالکل

(بقیہ صفحہ گذشتہ) مطلب یہ ہے کہ اس میں کسی قسم کی اضافت نہ پائی جائے، نہ معنوی نہ لفظی، اور نہ شبہ مضاف ہو۔ اور مفرد حکمی سے مراد یہ ہے کہ اس میں اضافت لفظی ہو یا شبہ مضاف ہو۔ معلوم ہوا کہ مضاف باضافت لفظی اور شبہ مضاف کا حکم وہی ہے جو مفرد حقیقی کا ہے، کیونکہ مفرد حکمی میں اضافتِ معنوی نہیں ہوتی، اس لئے اس کو بھی مفرد حقیقی کے حکم میں شامل کر لیا گیا۔

ختم نہ ہو، منادیٰ کا کچھ نہ کچھ اثر باقی رہے۔ اس کی صورت یہی ہے کہ اس کو ضمہ پر مبنی قرار نہ دیا جائے معرب ہی رکھا جائے، لیکن معرب کرنے کے بعد اس کو مرفوع رکھا جائے، کیونکہ رفع اور ضمہ میں مناسبت ہے۔

اور ابوعمرو بصری فرماتے ہیں کہ نصب مختار ہے، کیونکہ جب اس معطوف پر حرفِ ندا نہیں آسکتا تو وہ مستقل منادیٰ نہیں ہوسکتا، بلکہ اس کو تابع کا حکم دیا جائے گا اور منادیٰ مبنی کا تابع محل کا تابع ہوتا ہے اور منادیٰ محلاً منصوب ہے، اس لئے معطوف معرف باللام پر بھی نصب آنا چاہئے۔

اور ابوالعباس مبرد یہ کہتے ہیں کہ اگر وہ معطوف معرف باللام الحسن جیسا ہے، یعنی اس اسم سے الف لام کا جدا کرنا جائز ہو تو اس صورت میں خلیل کے مذہب کو ترجیح دی جائے گی، کیونکہ الف لام کے جدا ہونے کی وجہ سے اس کو مستقل منادیٰ بنانا ممکن ہے، لہٰذا مستقل منادیٰ کی رعایت کرتے ہوئے اس میں رفع مختار ہوگا جو ضمہ کے مناسب ہے، اور اگر اس کا الف لام کلمہ سے جدا نہیں ہوسکتا، جیسے: "النجم اور الصعق" میں، تو اس صورت میں ابوعمرو بصری کے مذہب کو ترجیح دی جائے گی، کیونکہ ایسے معطوف کو مستقل منادیٰ نہیں بنایا جاسکتا، اس لئے وہ خالص تابع کے حکم میں ہوگا اور منادیٰ مبنی کا تابع محل کے تابع ہوتا ہے اور منادیٰ محلاً منصوب ہے، لہٰذا معطوف بھی منصوب ہونا چاہئے۔①

**والمضافةُ تُنصبُ .**

**ترجمہ:** اور منادیٰ مبنی کے مضاف توابع منصوب ہوتے ہیں۔

**تشریح:** اوپر مصنفؒ نے منادیٰ مبنی کے مفرد توابع کو بیان کیا ہے، اور مفرد کے اندر مضاف باضافت لفظی بھی داخل ہیں، جس کی تفصیل گذر چکی ہے۔ اب یہاں سے منادیٰ مبنی کے ان توابع کے اعراب کو بیان فرمارہے ہیں جو مضاف باضافت معنوی ہوں۔

① **فائدہ:** اس تفصیل سے یہ بات معلوم ہوئی کہ بعض علم ایسے ہیں جن سے الف لام جدا ہوسکتا ہے اور بعض ایسے ہیں جن سے جدا نہیں ہوسکتا، اس کا اصول یہ ہے کہ اگر علم کے وضع کرنے کے وقت اس پر الف لام تھا تو وہ اس سے جدا نہیں ہوسکتا، کیونکہ وہ کلمہ کا جزء ہوجاتا ہے اور اگر وضع کے وقت الف لام موجود نہ ہو تو وہ جدا ہوسکتا ہے۔

فرماتے ہیں کہ ان کا اعراب نصب ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر یہ مضاف توابع، توابع نہ ہوتے، بلکہ منادیٰ ہوتے تو مضاف ہونے کی وجہ سے منصوب ہوتے، لہٰذا تابع ہونے کی حالت میں بدرجہ اولیٰ نصب آئے گا، جیسے تاکید کی مثال: "یاتیمُ کلّهم" صفت کی مثال: "یازیدُ ذَا المال" عطف بیان کی مثال: "یانعمانُ اباحنیفة" اور معطوف معرف باللام اضافت معنوی کے طور پر مضاف نہیں ہوسکتا، اس لئے اس کی مثال نہیں بن سکتی۔

**والبدل والمعطوف غیرُ ماذکر حکمه حکمُ المستقلّ مطلقاً.**

**ترجمہ:** اور بدل اور وہ معطوف جو اس کے علاوہ ہو جو مذکور ہوا اس کا حکم مستقل منادیٰ کا حکم ہے مطلقاً۔

**تشریح:** اس سے پہلے مصنفؒ نے منادیٰ مبنی کے ساڑھے تین توابع کا حکم بیان کیا تھا اب یہاں سے باقی ڈیڑھ تابع یعنی بدل اور معطوف غیر معرف باللام کا حکم بیان کرتے ہیں کہ ان کا حکم ایسا ہے جیسا کہ مستقل منادیٰ کا ہوتا ہے، یعنی مفرد معرفہ ہو تو علامت رفع پر مبنی ہوگا، اور اگر مضاف وغیرہ ہو تو منصوب ہوگا۔

بدل تو اس لئے کہ بدل مقصود بالنسبت ہوتا ہے، تو یہاں بھی مقصود بالندا بدل ہوگا، منادیٰ (جو مبدل منہ ہے) مقصود نہ ہوگا، تو گیا بدل ہی اصل منادیٰ ہوا، لہٰذا جو حکم منادیٰ کا ہونا چاہئے وہی حکم بدل کا ہوگا۔ اور معطوف غیر معرف باللام اس لئے کیوں کہ جب اس پر الف لام نہیں تو وہ مستقل بنادیٰ بن سکتا ہے، کیونکہ اس پر حرف ندا داخل ہوسکتا ہے، تو جب وہ منادیٰ بن سکتا ہے تو اس کے ساتھ منادیٰ جیسا ہی معاملہ کیا جائے گا۔

مطلقاً کا مطلب یہ ہے کہ ان دونوں توابع کا حکم ہر حال میں مستقل منادیٰ کا حکم ہوگا، خواہ وہ مفرد معرفہ ہوں یا مضاف ہوں، یا مشابہ مضاف ہوں، یا نکرہ ہوں، جیسے: "یازیدُ ثاقبُ[1]"، "یازیدُ أخا عمرٍو، یا زید طالعاً جبلاً، یازیدُ رجلاً صالحاً، یازیدُ وعمرو، یازیدُ وطالعاً جبلاً، یازیدُ ورجلاً صالحاً"۔

---

① ثاقب زید کا تخلص ہو تو یہ بدل کل بن جائے گا۔

**ترکیب:** "مطلقاً" کے اندر ترکیب کے اعتبار سے تین احتمال ہیں: (۱) ظرفیت کی بنا پر منصوب ہو اور "فی کل حال" کی تاویل میں ہو (۲) "اطلق" فعل محذوف کا مفعول مطلق ہو، اس صورت میں یہ مصدر میمی ہوگا (۳) حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہو، "أی حال کون ذٰلک الحکم مطلقاً"۔

**والعلم الموصوف بابن أو ابنةٍ مضافاً إلی علم آخر یختار فتحه .**

**ترجمه:** اور وہ علم جس کی صفت لائی گئی ہو "ابن" یا "ابنة" کے ساتھ، حال یہ کہ وہ دوسرے علم کی طرف مضاف ہو اس کا فتحہ پسندیدہ ہے۔

**تشریح:** اس سے پہلے یہ قاعدہ گذرا ہے کہ اگر منادیٰ مفرد معرفہ ہو تو وہ علامت رفع پر مبنی ہوتا ہے۔ اب فرما رہے ہیں کہ یہ حکم ہر منادیٰ کا نہیں، اگر منادیٰ مفرد معرفہ علم ہو اور وہ موصوف ہو جس کی صفت "ابن" یا "ابنة" کے ذریعہ لائی گئی ہو اور "ابن و ابنة" دوسرے علم کی طرف مضاف ہوں، تو ایسے منادیٰ پر ضمہ بھی جائز ہے، لیکن فتحہ مختار ہے، کیونکہ اس کا استعمال کثیر ہے اور کثرت خفت کی مقتضی ہے اور فتحہ اخف الحرکات ہے، جیسے: "خالدُ ابنَ زیدٍ، یا زینبُ ابنةَ عمرو"۔

**وإذا نودی المعرّف باللام قیل یا أیها الرجل ویاهٰذا الرجل ویاأیهٰذا الرجل .**

**ترجمه:** اور جب معرف باللام کو ندا دی جائے تو کہا جائے گا۔ "یاأیها الرجل، الخ"

**تشریح:** اگر معرف باللام کو منادیٰ بنایا جائے تو حرف ندا اور منادیٰ معرف باللام کے درمیان فصل ضروری ہے، کیونکہ اگر منادیٰ معرف باللام پر حرف ندا داخل کریں گے تو دو آلہ تعریف کا جمع ہونا لازم آئے گا اور یہ درست نہیں، اور فصل کے لئے تین الفاظ استعمال کرتے ہیں:

(۱) "ای" اور "ها" تنبیہ کا مجموعہ یعنی "ایها" اور مؤنث کے لئے "ایتها"۔

(۲) "ها" تنبیہ اور "ذا" اسم اشارہ کا مجموعہ یعنی "هذا" اور مؤنث کے لئے "هٰذِہٖ"

(۳) "ای" اور "هذا" دونوں کا مجموعہ یعنی "ایهٰذا" اور مؤنث کے لئے "ایتهٰذِہٖ" لائیں گے۔

والتزموا رفع الرجل لأنه المقصود بالنداء وتوابعه لأنها توابع معرب .

**ترجمہ**: اور نحویوں نے لازم قرار دیا ہے الرجل کا رفع، اس لئے کہ وہی ندا سے مقصود ہے اور اس کے توابع کا رفع بھی اس لئے کہ وہ معرب کے توابع ہیں۔

**تشریح**: یہاں سے یہ بات بیان فرماتے ہیں کہ "یاأیھا الرجل" وغیرہ میں اصل منادیٰ "ایھا" وغیرہ ہے، اور "الرجل" اس کی صفت ہے، لیکن مقصود بالندا "الرجل" ہی ہے، لہٰذا "الرجل" کے ساتھ نہ تو بالکل صفت جیسا معاملہ کیا گیا، ورنہ اس پر رفع ونصب دونوں جائز ہوتے (جیسا کہ منادیٰ مبنی کے توابع کے بیان میں گذر چکا) اور نہ حقیقی منادیٰ جیسا معاملہ کیا گیا ورنہ علامت رفع پر مبنی ہوتا، بلکہ مقصود بالندا ہونے کی رعایت کرتے ہوئے رفع کو اس پر ضروری قرار دے دیا گیا، کیونکہ اس طرح "الرجل" حقیقۃً منادیٰ بھی نہ ہوا اور رفع کی وجہ سے مقصود بالندا ہونے پر دلالت بھی ہوگئی۔

اسی طرح "الرجل" کے توابع پر بھی صرف رفع جائز ہے نصب جائز نہیں، خواہ وہ توابع مفرد ہوں یا مضاف ہوں، کیونکہ رفع ونصب دونوں منادیٰ مبنی کے مفرد توابع میں ہیں، منادیٰ معرب کے توابع میں نہیں۔

وقالوا یااللّٰه خاصۃً .

**ترجمہ**: اور نحویوں نے کہا ہے "یا اللّٰه" خاص طور پر۔

**تشریح**: اوپر یہ بات بیان کی گئی ہے کہ معرف باللام پر اگر حرفِ ندا داخل کیا جائے گا تو "ایھا" وغیرہ کا فصل ہوگا، اب یہاں فرماتے ہیں کہ لفظ "اللّٰه" اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہے، اس پر اگر حرفِ ندا آئے گا تو بغیر کسی فصل کے "یا اللّٰه" کہا جائے گا۔①

① صاحب شرح جامی علامہ عبدالرحمٰن جامیؒ نے اس کا یہ ضابطہ بیان فرمایا ہے کہ جس کلمہ میں الف لام کسی محذوف کے عوض میں ہو اور وہ کلمہ کے لئے لازم ہو جائے، ایسے کلمہ پر اگر حرفِ ندا آئے گا تو فصل کے بغیر آئے گا، جیسے لفظ "اللّٰہ" کہ اس کی اصل "اِلٰہ" تھی، ہمزہ کو حذف کر کے اس کے عوض میں الف لام لے آئے، "ا ل لا ہ" ہوا، پھر لام کا لام میں ادغام کر دیا "اللّٰہ" ہوگیا، لیکن ایسا کلمہ چونکہ صرف "اللّٰہ" ہے اس لئے مصنفؒ نے "خاصۃً" کہا ہے۔

**ترکیب:** اگر " خاصۃً مخصوصاً" کے معنی میں ہو تو وہ لفظ "اللّٰہ" سے حال بنے گا، اور اگر " خصوصاً" کے معنی میں ہو تو فعل محذوف "خُصَّ" کا مفعول مطلق بنے گا۔

**ولک فی مثل یاتیم تیم عدی الضم والنصب .**

**ترجمہ:** اور تیرے لئے یا تیم تیم عدی جیسے میں جائز ہے ضمہ اور نصب۔

**تشریح:** "یاتیم تیم عدی" جیسے سے ہر ایسی ترکیب مراد ہے جس میں منادیٰ صورت کے اعتبار سے مفرد ہو اور مکرر بھی ہو اور ثانی کے بعد مضاف الیہ مذکور ہو، تو ایسے منادیٰ میں اول میں ضمہ اور نصب دونوں جائز ہیں اور ثانی میں صرف نصب جائز ہے۔

اول میں ضمہ تو اس لئے جائز ہے کہ وہ صورۃً منادیٰ مفرد معرفہ ہے اور منادیٰ مفرد معرفہ علامت رفع پر مبنی ہوتا ہے، اور نصب اس لئے جائز ہے کہ پہلے "تیم" میں دو صورتیں ہیں: (۱) ایک تو یہ کہ وہ "عدی" مذکور کی طرف مضاف ہو، یہ تو سیبویہؒ کا مذہب ہے، اس صورت میں دوسرا "تیم" پہلے "تیم" کی تاکید لفظی ہے (۲) دوسرے یہ کہ "عدی" محذوف کی طرف مضاف ہو، یہ مبردؒ کی رائے ہے۔① پہلی صورت میں عبارت اپنی اصل پر ہے اور دوسری صورت میں عبارت اس طرح ہوگی، "یاتیم عدی تیم عدی" بہر صورت پہلا "تیم" منادیٰ مضاف ہوا اس لئے اس پر نصب آئے گا۔

اور ثانی "تیم" میں صرف نصب اس لئے جائز ہے، کیونکہ اگر پہلا "تیم، عدی" مذکور کی طرف مضاف ہے تو وہ منادیٰ مضاف ہے اور منصوب ہے، لہٰذا اس کا تابع بھی (یعنی "تیم" ثانی جو تاکید ہے) منصوب ہوگا، اور اگر پہلا "تیم، عدی" محذوف کی طرف اور دوسرا "تیم، عدی" مذکور کی طرف مضاف ہو تو یہ تابع مضاف ہوا اور تابع مضاف پر بھی نصب آتا ہے، جیسا کہ گذر گیا۔

---

① **اشکال:** سیبویہؒ کے مذہب پر اشکال لازم آئے گا کہ اس طرح تو مضاف (پہلے تیم) اور مضاف الیہ (عدی مذکور) کے درمیان فصل لازم آئے گا۔

**جواب:** یہ ہے کہ فصل بالاجنبی درست نہیں اور یہ فصل بالاجنبی نہیں، کیونکہ مؤکد و تاکید اجنبی نہیں ایک ہی چیز، لہٰذا یہ فصل درست ہے۔

**والمضاف إلى ياء المتكلم يجوز فيه يا غلامِيْ، ويا غلامِيَ، ويا غلامِ ويا غلامَا، وبالهاء وقفاً.**

**ترجمہ:** اور وہ اسم جو یاء متکلم کی طرف مضاف ہو اس میں جائز ہے یاغلامی الخ، اور وقف کی حالت میں "ھاء" کے ساتھ (بھی درست) ہے۔

**تشریح:** جو اسم یاء متکلم کی طرف مضاف ہو اس کو جب منادیٰ بنایا جائے تو اس میں چار صورتیں جائز ہیں: (۱) یا کا سکون، جیسے: "یاغلامیْ (۲) یا کا فتحہ، جیسے: "یاغلامیَ (۳) یا کا حذف، جیسے: یا غلامِ (۴) یا کو الف سے بدلنا اور الف کے ماقبل فتحہ، جیسے: "یاغلامَا"۔

اور کہیں عبارت میں اس طرح کا لفظ آجائے اور اس اسم پر وقف کیا جائے تو آخر میں "ھا" لگانا بھی درست ہے، مثلاً "یاغلامِیَہ، یاغلامِیَہ، یاغلامِہْ، یاغلامَاہْ، تاکہ وصل اور وقف کے درمیان فرق ہو جائے۔

**وقالوا يا أبي ويا أمي ويا أبتِ ويا امّتِ فتحاً وكسراً وبالالف دون الياء.**

**ترجمہ:** اور نحویوں نے کہا ہے "یاأبی، یا أمی، یاأبت" اور "یاأمت" حال یہ کہ "تا" مفتوح اور مکسور ہو اور الف کے ساتھ، نہ کہ یا کے ساتھ۔

**تشریح:** مطلب یہ ہے کہ "یاأبی" اور "یاأمی" میں "یا غلامی" میں مذکور تخفیف کی چار صورتوں (یعنی "یا أبیْ ویاامّیْ، یا أبیَ وَیَاأمّیَ، یاأبِ ویاامِّ، یا اَبَاویا اَمَّا") کے علاوہ تین صورتیں مزید درست ہیں: (۱) یائے متکلم تا سے بدلا جائے اور تا پر فتحہ پڑھا جائے یعنی "یاأبتَ ویاامّتَ" (۲) تا پر کسرہ پڑھا جائے یعنی "یا أبتِ، یاأمتِ (۳) تیسری صورت یہ ہے کہ یاء متکلم کے بدلہ میں تا اور الف دونوں لائے جائیں، یعنی "یاأبتا، یا امّتَا" البتہ یا اور تا دونوں کو جمع کر کے یا ابتیْ اور یا امّتیْ پڑھنا درست نہیں، کیونکہ اس صورت میں عوض (یعنی تا) اور معوض (یعنی یاء متکلم) دونوں کا اجتماع لازم آتا ہے اور یہ درست نہیں۔

**ترکیب:** "فتحاً و کسراً" دونوں "یاأبت" الخ سے حال واقع ہیں "ای حال کون التاء مفتوحةً ومکسورةً"۔

**ویا ابنَ اُمَّ ویا ابنَ عمَّ خاصّةً مثل باب یاغلامی وقالوا یا ابن اُمَّ ویاابن عمَّ.**

**ترجمہ:** اوریا ابن امَّاوریا ابن عمَّ خاص طور سے باب یاغلامی کی طرح ہے، اورنحویوں نے کہاہے یا ابن اُمَّ اوریا ابن عمَّ۔

**تشریح:** مطلب یہ ہے کہ "یا ابن امَّ" اور "یاابن عمَّ" میں بھی "یاغلامی" کے باب کی طرح تخفیف کی مذکورہ چار صورتیں جائز ہیں، یعنی (۱) یا ابنَ اُمّیْ، یا ابن عَمّیْ (۲) یا ابنَ اُمّیَ، یا ابنَ عَمّیَ (۳) یا ابن امِ یا ابن عَمِ (۴) یا ابن اُمّا، یا ابنَ عمّا، لیکن ان کے علاوہ ایک صورت مزید جائز ہے وہ یہ کہ آخری صورت میں الف کوحذف کرکے فتحہ پراکتفاء کرتے ہوئے "یا ابن اُمَّ" اور "یا ابن عَمَّ" پڑھا جائے، کیونکہ اس کا استعمال بہت زیادہ ہے، اس لئے اس میں مزید تخفیف کی گئی اورفتحہ اخف الحرکات ہے۔

## ترخیم منادیٰ کا بیان:

**وترخیم المنادیٰ جائزٌ وفی غیرہٖ ضرورةً وھو حذفٌ فی اٰخرہٖ تخفیفاً.**

**ترجمہ:** اور منادیٰ کی ترخیم جائز ہے اوراس (منادیٰ) کے علاوہ میں ضرورةً، اور وہ (ترخیم) اس کے آخر میں حذف کرنا ہے تخفیفاً۔

**تشریح:** اس عبارت میں مصنفؒ ترخیم منادیٰ کو بیان فرمارہے ہیں، کیونکہ ترخیم، منادیٰ کا خاصہ ہے اور کسی شئ کا جب خاصہ بیان کردیا جائے تو اس کی مزید وضاحت ہوجاتی ہے۔

فرماتے ہیں کہ منادیٰ کی ترخیم، نثر اور نظم دونوں میں جائز ہے اور غیر منادیٰ میں ضرورتِ شعری کی وجہ سے جائز ہے، نثر میں جائز نہیں۔

**ترخیم کی تعریف:** مصنفؒ نے ترخیم کی تعریف اس طرح کی ہے:"وھو حذف فی آخرہ تخفیفاً" اور ترخیم منادیٰ، منادیٰ کے آخری حرف کوتلفظ آسان کرنے کے لئے حذف کرنا ہے۔

**وشرطه أن لايكون مضافاً ولا مستغاثاً ولا جملةً ويكون إما علماً زائداً على ثلاثةِ أحرفٍ وإما بتاء التانيث.**

**ترجمہ:** اور اس کی شرط یہ ہے کہ وہ (منادیٰ) مضاف نہ ہو، اور نہ مستغاث ہو، اور نہ جملہ ہو، اور وہ یا تو ایسا علم ہو جو تین حروف سے زیادہ ہو اور یا تاء تانیث کے ساتھ ہو۔

**تشریح:** اس عبارت میں مصنفؒ منادیٰ میں ترخیم کے شرائط بیان فرمارہے ہیں، ترخیم کی چار شرائط ہیں: تین عدمی اور ایک وجودی۔

(۱) پہلی شرط یہ ہے کہ منادیٰ مضاف نہ ہو، نہ اس میں اضافت معنوی پائی جائے، نہ اضافت لفظی اور نہ وہ شبہ مضاف ہو، کیونکہ مضاف اور مضاف الیہ لفظ کے اعتبار سے دو کلمے ہیں اور معنی کے اعتبار سے ایک کلمہ ہے، کیونکہ مضاف الیہ کے بغیر مضاف کے معنی پورے نہیں ہوتے۔ اب اگر مضاف کے آخر میں ترخیم کی جائے تو معنی کے اعتبار سے کلمہ کے بیچ میں ترخیم کرنا لازم آتا ہے، حالانکہ ترخیم کلمہ کے آخر میں ہوتی ہے، اور اگر مضاف الیہ کے آخر میں ترخیم کی جائے تو وہ لفظ کے اعتبار سے دوسرا کلمہ ہے منادیٰ نہیں، منادیٰ تو مضاف ہے۔

(۲) دوسری شرط یہ ہے کہ منادیٰ مستغاث نہ ہو، مستغاث باللام ہو اور نہ مستغاث بالالف، مستغاث باللام نہ ہونے کی شرط اس وجہ سے ہے کہ اس پر منادیٰ کا کوئی اثر (یعنی علامت رفع پر بناء یا نصب) ظاہر نہیں، لہٰذا ترخیم بھی اس میں جاری نہ ہوگی، کیونکہ ترخیم تو منادیٰ کا خاصہ ہے۔ اور مستغاث بالالف نہ ہونے کی شرط اس لئے ہے کہ اس میں الف کی زیادتی درازیٔ صوت کے لئے قصداً کی گئی ہے، اور حذف اس کے منافی ہے، حذف سے وہ زیادتی ختم ہوجائے گی۔

(۳) تیسری شرط یہ ہے کہ وہ منادیٰ جس کی ترخیم مقصود ہے جملہ نہ ہو، یعنی اگر کسی

جملہ کے ساتھ کسی شخص کا نام رکھ دیا جائے تو اس کی ترخیم صحیح نہیں، کیونکہ ایسا جملہ امثال کے مانند ہے، اور امثال میں تغیر درست نہیں، اس لئے کہ اگر تغیر کر دیا تو اس مثل کے ذریعہ جس قصہ پر دلالت مقصود ہے وہ فوت ہو جائے گی، اور ترخیم کے لئے تغیر وتبدل ضروری ہے، یعنی آخر سے حذف کیا جاتا ہے، جیسے: "تَابَّطَ شَرًّا" کہ اس کے ساتھ اگر کسی شخص کا نام رکھ دیا جائے تو اس میں ترخیم درست نہیں۔

(۴) ترخیم کی چوتھی شرط وجودی ہے اور اس کے دو جزء ہیں:

(۱) وہ منادیٰ جس کی ترخیم کی جارہی ہے یا تو ایسا علم ہو جس میں تین حروف سے زیادہ ہوں۔

(۲) اور اگر وہ تین حروف سے زائد والا علم نہ ہو تو پھر اس منادیٰ میں تاء تانیث ہو، چاہے ترخیم کے بعد تین حروف سے کم رہ جائیں، جیسے: "ثُبَةٌ" (بکریوں کا ریوڑ) "قُلَةٌ" (گلی ڈنڈا)

ان دو شرطوں میں سے کسی ایک کا ہونا ضروری ہے، اگر دونوں جمع ہو جائیں تو کوئی حرج نہیں، گویا یہ قضیہ مانعۃ الخلو ہے، علم ہونے کی شرط اس وجہ سے ہے کہ علم کثرت سے منادیٰ بنتا ہے، اور کثرت خفت کا تقاضا کرتی ہے، اور ترخیم سے کلمہ خفیف ہو جائے گا اور تین حروف سے زائد ہونا اس لئے ضروری ہے، تا کہ ترخیم کے بعد معرب میں کم از کم تین حروف باقی رہیں۔

اور تاء تانیث کی شرط اس وجہ سے ہے کہ تاء تانیث تو علیحدہ کلمہ ہی ہے، اس کی وضع ہی زوال پر ہے، تو گویا کلمہ میں پہلے سے ہی دو حرف ہیں، ترخیم سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔

**فائدہ:** کوفیین کے نزدیک تین حروف والے علم میں بھی ترخیم جائز ہے، جیسے: "یاعمر" میں "یاعم" "یابکر" میں "یابک"۔

**ترکیب:** "بتاء التانیث، متلبساً" محذوف کے ساتھ متعلق ہے، اور "متلبساً" اپنے متعلق سے مل کر "اسماً" محذوف کی صفت ہو کر پھر "علماً" پر معطوف ہے۔

فإن كان فى اخره زيادتان فى حكم الواحدة كاسماء ومروانَ او حرفٌ صحيحٌ قبله مَدّةٌ وهو اكثرُ من اربعةِ احرفٍ حُذِفَتَا .

**ترجمہ:** پس اگراس (اسم) کے آخر میں ایسی دو زیادتی ہوں جوایک زیادتی کے حکم میں ہو، جیسے: "اسماء" اور "مروان" یا (اس اسم کے آخر میں) ایک ایسا صحیح حرف ہو جس سے پہلے حرف مدہ ہو حال یہ کہ وہ اسم چار حروف سے زیادہ ہو تو وہ دونوں حروف حذف ہو جائیں گے۔

**تشریح:** ترخیم کے شرائط بیان کرنے کے بعد اب اس عبارت میں مصنفؒ یہ بات بیان کرنا چاہتے ہیں کہ ترخیم کی وجہ سے کتنے حروف حذف ہوں گے، فرماتے ہیں کہ جس اسم میں ترخیم کرنا چاہو اس کو دیکھو، اگر اس کے آخر میں دو ایسے حروف ہوں جو ایک ہی زیادتی کے حکم میں ہوں، اس طرح کہ وہ ایک ساتھ ہی زیادہ کئے گئے ہوں (۱)، تو دونوں کو حذف کردیا جائے گا، کیونکہ جب آنے میں ساتھ ہیں تو جانے میں بھی ساتھ ہوں گے۔ جیسے: "اسماء (۲) اور مروان میں اس طرح پڑھیں گے: "یا اَسْمَ، یامَرْوَ"۔

(۲) اور اگر اسم کے آخر میں حرفِ صحیح ہو اور اس کے ماقبل مدہ زائدہ ہو تو اس میں بھی ترخیم کے وقت آخر کے دونوں حرفوں کو یعنی حرفِ صحیح اور اس سے پہلے والے حرفِ مدہ کو

(۱) اگر دونوں زائد حروف ایک زیادتی کے حکم میں نہ ہوں، بلکہ ایک پہلے زیادہ کیا گیا ہو اور ایک اس کے بعد، تو دو حرف حذف نہیں کئے جائیں گے، جیسے: "ثمانيةٌ" اور "مرجانةٌ" کہ ان دونوں کلموں میں دو حرف زائد ہیں، لیکن دونوں زیادتی ایک ساتھ نہیں ہوئیں، اس لئے ترخیم کے وقت صرف تا کو حذف کریں گے، یا اور نون کو حذف نہیں کریں گے۔

(۲) یہ مثال سیبویہؒ کے نزدیک ہے، کیونکہ ان کے نزدیک اس "اسماء" کی اصل "وسماء" بروزن "فعلاء" ہے، جو "وسم" کی جمع ہے، اور "وسامةٌ" بمعنی خوبصورتی سے ماخوذ ہے، "وسماء" کے واؤ کو ہمزہ سے بدل دیا گیا "اسماء" ہوگیا، اور اگر "اسماء" کو "اسم" کی جمع قرار دیں تو اس کا وزن افعال ہوگا، اور اس صورت میں یہ عمار کے قبیل سے ہوگا، جس کا بیان متصلاً آگے آرہا ہے۔

حذف کردیں گے① بشرطیکہ اس اسم میں چار حروف سے زیادہ ہوں، تا کہ حذف کے بعد کم از کم تین حروف باقی رہیں، کیونکہ معرب میں کم از کم تین حروف ضروری ہیں، جیسے: یامنصور میں یا منصُ یاعمار میں یاعم، یا مسکین میں یامسکُ۔

**وإن كان مركباً حذف الاسم الأخير .**

**ترجمہ:** اور اگر وہ (منادیٰ) مرکب ہو تو (ترخیم کے وقت) آخری اسم کو حذف کیا جائیگا۔

**تشریح:** اور اگر منادیٰ جس کی ترخیم کی جارہی ہے مرکب ہو، یعنی مرکب بنائی اور مرکب منع صرف (جیسا کہ ترخیم کی شرائط سے واضح ہے) اور یہ کسی کا علم نہ ہو، تو ترخیم کے وقت آخری جز کو حذف کردیا جائے گا، کیونکہ یہ آخری حرف کے قائم مقام ہے، جیسے: "خمسة عشر" میں "یا خمسة" اور "بعلبک" میں "یا بعل"۔

**وإن كان غير ذلك فحرف واحدٌ .**

**ترجمہ:** اور اگر اس کے علاوہ ہو تو ایک حرف (حذف) ہوگا۔

**تشریح:** یعنی اگر منادیٰ اوپر ذکر کی ہوئی تینوں قسموں کے سوا ہو تو ترخیم کے وقت اس کا صرف ایک ہی حرف حذف کیا جائے گا، کیونکہ مقصود تخفیف ہے اور تخفیف ایک حرف کے حذف کرنے سے حاصل ہوجاتی ہے، جیسے: "یاحارث میں یاحارُ اور یا مالکُ میں مالُ"۔

**وهو في حكم الثابت على الاكثر فيقال يا حارِ ويا ثموُ ويا كرو، وقد يجعل اسماً برأسه فيقال يا حارُ ويا ثمِيُ ويا كرا .**

**ترجمہ:** اور (حرف محذوف) اکثر استعمال پر موجود کے حکم میں ہے، چنانچہ کہا جائے گا "یاحار اور یا ثموُ اور یا کرَوَ"۔ اور کبھی اس کو (یعنی باقی کو) مستقل اسم قرار دیا جاتا ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے: "یاحارُ اور یا ثمی اور یا کرا۔

① کیونکہ جب حرف صحیح کو جو طاقت ور ہے حذف کردیا تو حرف مدہ جو کمزور ہے اس کو بدرجہ اولیٰ حذف کردیں گے، ورنہ یہ مثل صادق آئے گی: "صلتَ على الأسد بُلت عن النقد" (یعنی شیر پر تو حملہ کردیا اور بکری کو دیکھ کر پیشاب کردیا)

**تشریح:** یہاں سے مصنفؒ یہ بیان فرماتے ہیں کہ ترخیم کے بعد منادیٰ کے آخر میں جو حرکت ہے وہی باقی رکھی جائے گی یا اس میں کچھ تصرف ہوگا۔ تو فرماتے ہیں کہ اکثر استعمال میں منادیٰ مرخم کے ساتھ ایسا معاملہ کیا جاتا ہے جیسا کہ اس سے کوئی حرف حذف نہ ہوا ہو، لہٰذا ترخیم کے بعد جو آخری حرف بچا ہے اس کی ترخیم سے پہلے جو حالت تھی وہی ترخیم کے بعد بھی باقی رہے گی، جیسے: "یاحارث میں یاحارِ راء کے کسرہ کے ساتھ پڑھا جائے گا، جیسا کہ ترخیم سے پہلے تھا، اور یاثمود میں یاثمو اور یاکروان میں یاکَرَوَ اور یاادریس میں ادرِ یا وغیرہ۔

لیکن کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ترخیم کے بعد منادیٰ کو مستقل اسم کا درجہ دے دیا جاتا ہے، گویا اس میں سے کوئی بھی حرف حذف نہیں ہوا، لہٰذا اس کے مبنی ہونے میں اور اس کو صحیح رکھنے میں اور اس کے اندر تعلیل جاری کرنے میں اس موجود اسم کا ہی اعتبار ہوتا ہے، اس کی اصل کا اعتبار نہیں ہوتا، اس صورت میں یاحارث میں یا حارُ ضمہ کے ساتھ پڑھیں گے، گویا یہ اسم مفرد معرفہ مستقل ہے، اور یاثمود میں یاثمی پڑھیں گے، کیونکہ ترخیم کے بعد یاثمو ہوا۔ اور قاعدہ ہے کہ جو واؤ طرف میں ضمہ کے بعد واقع ہو تو اس واؤ کو یاء سے بدل دیتے ہیں، اور ماقبل کا ضمہ کسرہ ہو جاتا ہے، جیسے: ادلوٌ سے ادلٍ ہوگیا۔ اسی قاعدہ سے "ثَمُوٌ، ثَمِیٌ" ہوگیا۔

اور یاکروان میں یاکرا پڑھیں گے۔ کیونکہ قاعدہ ہے کہ واؤ متحرک ماقبل مفتوح ہو تو واؤ کو الف سے بدل دیتے ہیں۔

## مندوب کا بیان:

وقد استعملوا صيغة النداء في المندوب وهو المتفجع عليه بيا او واء واختصّ بوا.

**ترجمہ:** اور نحویوں نے صیغہ ندا کو مندوب میں استعمال کیا ہے، اور وہ (مندوب)

وہ شخص ہے جس پر غم کیا جائے یــا کے ذریعہ یا وا کے ذریعہ، اور مندوب کو وا کے ساتھ خاص کیا گیا ہے۔

**تشــریح:** مندوب[1] کو منادیٰ کے ساتھ چوں کہ اکثر احکام میں (مثلاً حرفِ ندا کے داخل ہونے میں اور معرب ومبنی ہونے میں) مناسبت ہے، اس لئے مصنفؒ منادیٰ کے بعد اب مندوب کو بیان فرما رہے ہیں، فرماتے ہیں کہ:

(۱) نحوی حضرات حرفِ ندا یا کو مندوب میں بھی استعمال کرتے ہیں، کیونکہ مندوب کو بھی منادیٰ کی طرح پکارا جاتا ہے۔ دوسرے حروفِ ندا مندوب میں استعمال نہیں ہوتے۔

(۲) اصطلاح میں مندوب ایسے شخص کو کہتے ہیں کہ جس پر اظہارِ رنج وغم کیا جائے یــا کے ذریعہ یا وا کے ذریعہ، جیسے: یازیداہ، واعمراہ، یاحسرتاہ، واویلاہ وغیرہ۔

(۳) اور مندوب کو کلمہ وا کے ساتھ خاص کیا گیا ہے، یعنی وا صرف مندوب میں آتا ہے، منادیٰ میں نہیں آتا، جب کہ یا منادیٰ اور مندوب دونوں میں آتا ہے۔

**وحکمه في الاعراب والبناء حکم المنادیٰ.**

**ترجمه:** اور اس (مندوب) کا حکم معرب ومبنی ہونے میں منادیٰ کے حکم کی طرح ہے۔

**تشــریح:** مطلب یہ ہے کہ جس طرح منادیٰ مفرد معرفہ علامت رفع پر مبنی ہوتا ہے، مندوب مفرد معرفہ بھی علامت رفع پر مبنی ہوتا ہے، جیسے: وَازَیْــــــدُ اور جس طرح منادیٰ مضاف ومشابہ مضاف منصوب ہوتا ہے اسی طرح مندوب مضاف ومشابہ مضاف بھی منصوب ہوتا ہے، جیسے: واعَبْدَ اللّٰہِ، وَاطَالِعًا جَبَلًا۔

**فائدہ:** واضح رہے کہ مندوب نکرہ نہیں ہوتا، بلکہ اس کا معرفہ ہونا شرط ہے، جیسا کہ آگے آرہا ہے۔

---

[1] مندوب، ندبۃ سے ماخوذ ہے، اور ندبۃ کے معنی نوحہ کرنے کے آتے ہیں، اور مندوب اس میت کو کہتے ہیں جس پر کوئی شخص روئے اور اس کی خوبیاں بیان کرے، تاکہ لوگوں کو معلوم ہوجائے کہ مرنے والا شخص معمولی شخص نہیں تھا، بلکہ بڑے محاسن کا حامل تھا، اس لئے اس کا سانحہ امر عظیم ہے، اور پھر وہ لوگ بھی اس کے ساتھ غم میں شریک ہوجائیں۔

ولک زيادة الألف في اٰخرہٖ فإن خِفتَ اللَّبسَ قلت واغلامكيه واغلامكموه، ولک الهاء في الوقف.

**ترجمہ:** اور تیرے لئے جائز ہے الف زیادہ کرنا مندوب کے آخر میں، پس اگر تجھے التباس کا خوف ہو تو کہے واغلامکیہ و اغلامکموہ، اور تیرے لئے جائز ہے وقف کی حالت میں ھاء۔

**تشریح:** اس عبارت میں مصنفؒ نے تین باتیں بیان فرمائی ہیں: (۱) مندوب کے آخر میں الف زیادہ کرنا جائز ہے، کیونکہ ندبہ میں درازیٔ صوت مطلوب ہے، مثلاً: وازیدُ کے بجائے وازیدا کہیں۔ (۲) اگر مندوب کے آخر میں الف زیادہ کرنے کے سبب کسی دوسرے صیغہ کے ساتھ التباسؔ کا اندیشہ ہو تو الف کو اس حرف سے بدل دیں گے جو مندوب کے آخری حرف کی حرکت کے مناسب ہو، مثلاً جب واحد مؤنث حاضر کے غلام کا ندبہ کیا جائے تو واغلامکِ ہوا، اب اگر کؔ ضمیر پر درازیٔ صوت کے لئے الف داخل کریں تو واغلامکا ہوا، حالانکہ یہی اس صورت میں بھی ہوگا جب کہ واحد مذکر حاضر کے غلام کا ندبہ کیا جائے، لہٰذا اس التباس سے بچنے کے لئے واحد مونث حاضر کے غلام کے ندبہ کی صورت میں الف کو یاء سے بدل کر واغلامکی کہا جائے گا، کیونکہ مندوب کے آخری حرف کؔ پر کسرہ ہے اور اس کے مناسب یاء ہے۔

اسی طرح جب جمع مذکر حاضر کے غلام کا ندبہ کیا جائے تو واغلامکم ہوگا، اب درازیٔ صوت کے لئے الف داخل کرنے کے بعد واغلامکما ہوا، تو اب تثنیہ مذکر حاضر کے غلام کے ندبہ کے ساتھ التباس ہوگا، لہٰذا اس التباس سے بچنے کے لئے الف کو واؤ سے بدل کر واغلامکمو کہا جائے گا، کیونکہ اس میم پر اصل میں ضمہ تھا اور ضمہ کے مناسب واؤ ہے۔

(۳) وقف کی حالت میں مندوب میں ھاء زیادہ کرنا بھی جائز ہے، مثلاً: وازیدہ، واعمراہ، وارجلاہ، واغلامکیہ، واغلامکموہ.

ولا يندب إلا المعروف فلا يقال وارجلاه.

**ترجمہ:** اور ندبہ نہیں کیا جائے گا مگر مشہور شخص کا، پس نہیں کہا جائے گا: وا رجلاہ.

**تشریح:** مطلب یہ ہے کہ ندبہ اور اظہار درد صرف معروف اور مشہور شخص کا ہوتا ہے ،تا کہ مندوب کے مشہور ہونے کی وجہ سے ندبہ کرنے والا اظہار غم میں معذور سمجھا جائے اور دوسرے لوگ بھی اس کے غم میں شریک ہوجائیں، غیر معروف شخص کے ندبہ کرنے میں لوگ اس کا مذاق اڑائیں گے،اسی وجہ سے وارجلاہ نہیں کہیں گے، کیونکہ اس لفظ کے ساتھ کوئی خاص مندوب مشہور نہیں ہے،جس کی طرف ذہن منتقل ہو۔

وامتنع وازيد الطويلاه خلافاً ليونس .

**ترجمہ:** اور ممتنع ہے وازيد الطويلاه، امام یونسؒ نے اختلاف کیا ہے۔

**تشریح:** مطلب یہ ہے کہ اگر مندوب کی کوئی صفت آئے تو الف اور ھاء کی زیادتی اس صفت کے آخر میں کر کے مثلاً وازيد الطويلاه کہنا درست نہیں، بلکہ مندوب موصوف کے آخر میں ہی الف اور ہاء کی زیادتی کی جائے گی اور مثلاً اس طرح کہا جائے گا: وازيداه الطويل (بشرطیکہ وازیداہ پر وقف کیا جائے، کیونکہ ہاء وقف کی حالت میں ہی آتی ہے۔)

اس میں امام یونس نحویؒ کا اختلاف ہے،ان کے نزدیک صفت کے آخر میں بھی الف اور ہاء کی زیادتی جائز ہے، وہ اس کو ترکیب اضافی پر قیاس کرتے ہیں کہ جس طرح مضاف الیہ کے آخر میں الف اور ہاء کی زیادتی جائز ہے، جیسے: یا أمیر المؤمنیناہ ،اسی طرح صفت کے آخر میں بھی الف اور ہاء کی زیادتی جائز ہے۔ جمہور علماء اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ مضاف الیہ کے بغیر مضاف کے معنی پورے نہیں ہوتے ،لہٰذا مضاف الیہ مضاف کے جزء کی طرح ہے،تو ان میں اتصال قوی ہے، جب کہ موصوف وصفت کے درمیان ایسا اتصال نہیں پایا جاتا، اس لئے یہ قیاس صحیح نہیں اور اگر کہیں مندوب کی صفت کے آخر میں الف اور ہاء لاحق ہو تو وہ شاذ ہے، جیسے ایک اعرابی کا قول: "وَاجُمْجُمَتَيَّ الشَّامِيَّتَيْنَاهُ"

(ہائے میرے شامی دو پیالو)

## منادی کے بعض اور احکام:

ویجوز حذف حرف النداء إلا مع اسم الجنس والإشارة والمستغاث والمندوب نحو: (یُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا) وایها الرجل.

**ترجمہ**: اور حرفِ ندا کو حذف کرنا جائز ہے مگر اسم جنس، اسم اشارہ، منادیٰ مستغاث اور مندوب کے ساتھ جیسے: (یُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا) اور أیها الرجل.

**تشریح**: مطلب یہ ہے کہ قرینہ کے وقت منادیٰ سے حرفِ ندا کا حذف کرنا جائز ہے، لیکن اگر منادیٰ اسم جنس[1] ہو، یا اسم اشارہ ہو، یا منادیٰ مستغاث ہو، یا مندوب ہو تو پھر حرفِ ندا کا حذف کرنا جائز نہ ہوگا۔

اسم جنس اور اسم اشارہ سے حرفِ ندا کا حذف کرنا اس وجہ سے ناجائز ہے کہ اسم جنس اور اسم اشارہ کا منادیٰ ہونا علَم کی طرح مشہور اور کثیر نہیں، لہٰذا حرفِ ندا کے حذف ہوجانے کے بعد اسم جنس اور اسم اشارہ کے منادیٰ ہونے کی طرف ذہن منتقل نہیں ہوگا۔

اور منادیٰ مستغاث اور مندوب سے حرفِ ندا کا حذف کرنا اس وجہ سے ناجائز ہے کہ ان دونوں میں درازیٔ صوت مطلوب ہے اور حذف اس کے منافی ہے، جیسے: یوسف اعرض عن هٰذا اور أیها الرجل.

پہلی مثال میں حرفِ ندا کے حذف کا قرینہ یہ ہے کہ اگر یہاں حرفِ ندا محذوف نہیں اور یوسف منادیٰ نہیں، تو پھر یوسف ترکیب میں مبتدا ہوگا، اور اعرض عن هٰذا اس کی خبر بنے گا، حالانکہ اعرض عن هٰذا جملہ انشائیہ ہے جو بغیر تاویل کے خبر نہیں بن سکتا، اس سے معلوم ہوا کہ یوسف سے پہلے حرفِ ندا محذوف ہے۔

اور دوسری مثال میں حرفِ ندا کے حذف کا قرینہ یہ ہے کہ قاعدہ ہے کہ اگر معرف باللام

---

[1] اسم جنس سے مراد وہ اسم ہے جو ندا سے پہلے نکرہ ہو، اور ندا کے بعد خواہ معرفہ ہو گیا ہو، جیسے: یا رجل میں، یا نکرہ ہی رہے، جیسے: یا رجلاً میں۔

منادیٰ بنے تو حرفِ ندا اور منادیٰ کے درمیان أیھا وغیرہ کا فصل لاتے ہیں۔ (تفصیل گذر گئی) معلوم ہوا کہ یہ اصل میں یا ایھا الرجل تھا، اگر حرفِ ندا محذوف نہ مانا جائے تو أیھا لانے کی ضرورت نہیں تھی، تو لفظ أیھا خود حرفِ ندا کے حذف کا قرینہ ہے۔

وشذَّ اِصْبَحْ لَیْلُ وَافْتَدِ مَخْنُوْقُ وَاَطْرِقْ کَرَا .

**ترجمہ**: اور اصبح لیل الخ شاذ ہے۔

**تشریح**: مصنفؒ اس عبارت میں ایک اشکال کا جواب دے رہے ہیں، اشکال یہ ہے کہ ابھی آپ نے بیان کیا ہے کہ منادیٰ اسم جنس سے حرفِ ندا کو حذف کرنا درست نہیں، حالانکہ اصبح لیل [1]، افتد مخنوق [2]، اور اطرق کرا [3]، میں لیل، مخنوق اور کرا اسم جنس ہیں، اس کے باوجود ان سے حرفِ ندا محذوف ہے۔

① اِصْبَحْ لَیْلُ (اے رات تو صبح ہو جا) یہ امرءالقیس شاعر کی بیوی کا قول ہے۔ یہ قول اس نے شب زفاف میں امرءالقیس سے نفرت کے سبب کہا تھا، جب اس سے نفرت کا سبب معلوم کیا گیا تو اس نے بتایا کہ امرالقیس کا سینہ بھاری، سرین ہلکے اور سریع الانزال ہے، جب امرءالقیس نے سنا تو فوراً طلاق دے دی۔ اب اس قول کا استعمال کسی چیز کی شدت کے ساتھ طلب کرنے کے وقت ہوتا ہے، قول کا مطلب یہ ہے کہ اے رات تو صبح جلدی ہو جا تا کہ میں اس سے چھٹکارا حاصل کر سکوں۔

② اِفْتَدِ مَخْنُوْقُ (اے گلا گھونٹے ہوئے فدیہ دے) اس کا قصہ یہ ہے کہ سلیک بن سلکہ چت سو رہا تھا، ایک شخص آیا اور اس کا گلا گھونٹ کر کہا کہ افتد مخنوق اے گلا گھونٹے ہوئے شخص فدیہ یعنی مال دے، تا کہ میں تجھے چھوڑ دوں قتل نہ کروں۔

③ اَطْرِقْ کَرَا (اے کروان پرندے سر جھکا لے) یہ ایک منتر ہے، جس کو پڑھ کر کروان پرندے کا شکار کرتے ہیں، پوا منتر اس طرح ہے: اطرق کرا اطرق کرا، ان النعامة فی القریٰ (یعنی اے کروان سر جھکا لے، کیونکہ تجھ سے بڑے پرندے شتر مرغ کا شکار کر کے لوگ بستی میں لے گئے، تیری تو کیا حیثیت) اس کو سن کر وہ زمین سے چمٹ جاتا ہے، اور شکاری اس پر چادر ڈال کر پکڑ لیتا ہے، یہ پرندہ مرغی سے چھوٹا بڑے پاؤں والا ہوتا ہے، عربی میں اس کو حباریٰ کہتے ہیں۔ واضح رہے کہ اطرق کرا میں دو شذوذ ہیں: (۱) اسم جنس سے حرفِ ندا کو حذف کیا گیا (۲) غیر علم میں ترخیم کی گئی۔

شارح جواب دیتے ہیں کہ یہ مثالیں قیاس کے مطابق نہیں ہیں، بلکہ شاذ ہیں۔

**وقد يحذف المنادىٰ لقيام قرينة جوازًا مثل ألا يااُسْجُدُوْا .**

**ترجمہ:** اور کبھی منادیٰ کو قرینہ کے قائم ہونے کے وقت جوازاً حذف کردیا جاتا ہے، جیسے: ألا يا اسجدوا.

**ترجمہ:** اس سے پہلے مصنفؒ نے حرفِ ندا کے حذف کو بیان کیا تھا، اب منادیٰ کے حذف کو بیان فرمارہے ہیں۔فرماتے ہیں کہ کبھی قرینہ کے پائے جانے کے وقت منادیٰ کو حذف کردیتے ہیں، جیسے: أَلَا يَـا اُسْـجُدُوْا یہاں منادیٰ کے حذف کا قرینہ یہ ہے کہ اسجدوا فعل امر ہے، اور حرفِ ندا یا فعل پر داخل نہیں ہوتا، اس سے معلوم ہوا کہ یہاں یا حرفِ ندا کا مدخول یعنی منادیٰ محذوف ہے، اصل عبارت: ألا ياقومي اسجدوا ہے۔

**فائدہ:** ایک قرأت میں (جو امام حفصؒ کی قرأت ہے) ألا يسجدوا لله الذى الخ ہے، اس میں أن ناصبہ ہے، اور لا یسجدوا جمع مذکر غائب کا صیغہ ہے، نونِ اعرابی أن ناصبہ کی وجہ سے گر گیا، اور أن ناصبہ کے نون کا لام میں ادغام ہوگیا، ألّا يسجدوا ہوگیا، اس قرأت کے اعتبار سے یہ منادیٰ کے حذف کی مثال نہیں ہوگی۔

# مفعول بہ کے عامل کے حذف کا تیسرا موقع

## ما اضمر عامله على شريطة التفسير

**والثالث ماأضمر عامله على شريطة التفسير وهو كل اسم بعده فعل أو شبهه مشتغل عنه بضميره او متعلقه لوسُلِّطَ عليه هو أومناسبه لنصبه، مثل زيداً ضربته وزيداً مررتُ به وزيداً ضربت غلامه وزيداً حُبِسَت عليه، يُنصب بفعل مضمرٍ يُفسِّره مابعده اى ضربت وجاوزت وأهنت ولابست .**

**ترجمہ**: اور تیسرا (موقع) ما اضمر عامله علی شريطة التفسير ہے، (یعنی وہ مفعول بہ ہے کہ جس کے عامل کو تفسیر کی بناء پر حذف کر دیا گیا ہو) اور وہ ہر ایسا اسم ہے جس کے بعد ایسا فعل یا شبہ فعل ہو جو اس اسم سے اعراض کرنے والا ہو اس کی ضمیر کی وجہ سے یا اس کے متعلق کی وجہ سے، اگر مسلط کر دیا جائے اس اسم پر اس فعل کو یا اس کے مناسب کو تو وہ اس کو نصب دے دے، جیسے: زيداً ضربته و زيداً مررت به و زيداً ضربت غلامه و زيداً حبست عليه، نصب دیا جا رہا ہے اس اسم کو اس پوشیدہ فعل کی وجہ سے جس کی تفسیر اس کا مابعد کر رہا ہے، یعنی ضربت، جاوزت، اهنت اور لابست کی وجہ سے۔

**تشریح**: ان چار موقعوں میں سے تیسرا موقع جہاں مفعول بہ کے عامل (فعل) کو حذف کرنا واجب ہے ما اضمر عامله علی شريطة التفسير ہے، ما سے مراد مفعول بہ ہے۔ أضمر إضمار سے مشتق ہے، اس کے معنی ہے: پوشیدہ کرنا، شريطة بمعنی شرط ہے۔

اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ تیسرا موقع وہ مفعول بہ ہے کہ جس کے عامل ناصب کو اس بنا پر حذف کر دیا گیا ہو کہ اس کی تفسیر آگے آ رہی ہے، اس مفعول بہ کے عامل کو حذف کرنا اس وجہ سے واجب ہے کہ اگر اس کو حذف نہ کیا گیا تو مفسَّر اور مفسِّر کا اجتماع لازم آئے گا جو درست نہیں۔

ما أضمر عامله علی شريطة التفسير ایسے اسم کو کہتے ہیں کہ جس کے بعد فعل یا شبہ فعل ہو جو اس اسم کی ضمیر یا اس کے متعلق میں عمل کرنے کی وجہ سے اس اسم میں عمل نہ کرتا ہو، اور اگر اس فعل یا شبہ فعل کو یا اس کے مناسب کو اس اسم پر مسلط کر دیں، یعنی اس اسم کی ضمیر کو یا اس اسم کے متعلق کو حذف کر کے فعل یا شبہ فعل یا اس کے مناسب کو مقدم کر دیں تو وہ اس اسم کو اپنا معمول بنا کر نصب دیدے۔

**فائدہ**: اس تعریف سے معلوم ہوا کہ اس فعل یا شبہ فعل کے اسم مذکور میں عمل نہ کرنے کی دو وجہوں میں سے کوئی ایک ہے: اسم مذکور کی ضمیر میں عمل کرنا، یا اس کے متعلق میں عمل کرنا۔ نیز تسلیط کے بارے میں فرمایا کہ کبھی فعل یا شبہ فعل کی تسلیط ہوگی اور کبھی ان کے

مناسب کی، پھر مناسب عام ہے، خواہ مناسب مرادف ہو یا مناسب لازم، اس طرح ما اضمر الخ کی عقلاً کل بارہ صورتیں نکلتی ہیں، کیونکہ فعل اسم مذکور سے یا تو اعراض کرے اسم کی ضمیر کی وجہ سے اور تسلیط بعینہٖ اسی فعل کی ہو، یا اس کے مناسب مرادف کی یعنی ایسے فعل کی جو اس کے ہم معنی ہو، یا مناسب لازم کی، یہ تین صورتیں ہوئیں۔ اور اگر اسم کے متعلق میں عمل کرنے کی وجہ سے اعراض کرے تو اس میں بھی یہی تین صورتیں ہوں گی، البتہ اس شکل میں بعینہٖ فعل کی یا اس کے مناسب مرادف کی تسلیط نہیں ہوسکتی، صرف مناسب لازم کی ہوسکتی ہے، اور یہی چھ شکلیں شبہ فعل کی بھی نکلیں گی، اور اس میں بھی جب اسم کے متعلق کی وجہ سے اعراض کرے تو تسلیط صرف شبہ فعل کے مناسب لازم کی ہوسکتی ہے، بعینہٖ شبہ فعل کی یا اس کے مناسب مرادف کی نہیں ہوسکتی۔ تو دو شکلیں فعل میں اور دو شکلیں شبہ فعل میں غیر معتبر ہیں، باقی آٹھ شکلیں معتبر ہیں۔ تفصیل مع امثلہ حسب ذیل ہے:

(۱) فعل اسم مذکور میں عمل کرنے سے اعراض کرے اس کی ضمیر میں عمل کرنے کی وجہ سے اور تسلیط بعینہٖ فعل کی ہو، مثلاً آئندہ مثال میں ضمیر کو حذف کرکے ضربت کو زیداً پر مقدم کردیا جائے، جیسے: زیداً ضربته أی ضربت زیداً.

(۲) فعل اس کی ضمیر کی وجہ سے اعراض کرے اور تسلیط فعل کے مناسب مرادف کی ہو، جیسے: زیداً مررت به، اس مثال میں اگر خود مررت کو زیداً پر مسلط کریں تو وہ اس کو نصب نہ دے گا، کیونکہ وہ باء کے صلہ کے ساتھ استعمال ہوتا ہے، بلکہ اس کا مناسب مرادف جاوزت ہے، لہٰذا اگر اس کو اسم مذکور پر مسلط کردیں تو نصب دے دے گا، جیسے: جاوزت زیداً (میں نے زید سے تجاوز کیا)

(۳) فعل اسم کی ضمیر کی وجہ سے اعراض کرے اور تسلیط فعل کے مناسب لازم کی ہو، جیسے: زیداً حُبِسْتُ علیه کہ حبست اسم مذکور زیداً میں عمل کرنے سے اس کی ضمیر "ہ" کی وجہ سے اعراض کر رہا ہے، اور اگر اس فعل کو "زیداً" پر مقدم کردیں تو یہ فعل "زیداً" کو نصب نہیں دے گا، ایسے ہی اس کا مناسب مرادف بھی مفعول کو نہیں چاہتا، اس لئے اس

کے مناسب لازم کو یعنی لابست کو اگر مقدم کریں گے تو وہ زیداً کو نصب دے دے گا، اور لابست اس کا مناسب لازم اس وجہ سے ہے کہ جب ایک شئی کو دوسری شئی پر حبس (قید کیا جاتا ہے) تو وہ شئی دوسری کے ملابس (ملی ہوئی) ضرور ہوتی ہے۔

(۴) فعل اسم کے متعلق میں عمل کرنے کی وجہ سے اسم مذکور میں عمل کرنے سے اعراض کرے اور تسلیط بعینہٖ فعل کی ہو، جیسے: زیداً ضربت غلامه یہاں فعل اسم مذکور یعنی زیداً کے متعلق یعنی غلام میں عمل کرنے کی وجہ سے زیداً میں عمل کرنے سے اعراض کر رہا ہے، لیکن یہاں بعینہٖ فعل کی یا اس کے ہم معنی کسی دوسرے فعل کی (یعنی مناسب مرادف کی) تسلیط نہیں ہو سکتی، کیونکہ ضربت کو اگر مقدم کریں گے تو معنی ہوں گے: "میں نے زید کی پٹائی کی"، حالانکہ زید مضروب نہیں، مضروب تو اس کا غلام ہے اس لئے یہ صورت باطل ہے۔

(۵) فعل اسم مذکور سے اس کے متعلق کی وجہ سے اعراض کرے اور تسلیط اس کے مناسب مرادف (ہم معنی کوئی دوسرا فعل) کی ہو، یہ صورت بھی باطل ہے، تفصیل اوپر کی قسم میں آگئی۔

(۶) فعل اسم مذکور سے اس کے متعلق کی وجہ سے اعراض کرے اور تسلیط اس فعل کے مناسب لازم کی ہو، جیسے: زیداً ضربت غلامه، اس مثال میں ضربت کا مناسب لازم اهنت ہے، اس کو اگر زیداً پر مقدم کر دیا جائے تو وہ زیداً کو نصب دے دے گا۔ اور اس کے لازم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ کسی شخص کے غلام کی پٹائی کے لئے اس کے آقا کی توہین لازم ہے۔

(۷) شبہ فعل اسم کی ضمیر کی وجہ سے اعراض کرے اور تسلیط بعینہٖ شبہ فعل کی ہو، جیسے: "زیداً انا ضاربه أی أنا ضاربٌ زیداً".

(۸) شبہ فعل اسم مذکور سے اس کی ضمیر کی وجہ سے اعراض کرے اور تسلیط اس کے مناسب مرادف کی ہو، جیسے: زیداً أنا مارٌ به ای انا مجاوز زیداً انا مارٌ به.

(۹) شبہ فعل اسم کی ضمیر کی وجہ سے اعراض کرے اور تسلیط اس کے مناسب لازم کی ہو، جیسے: زیداً انا محبوس علیه ای انا ملابسٌ زیداً انا محبوس علیه.

(۱۰) شبہ فعل اسم کے متعلق کی وجہ سے اعراض کرے اور تسلیط بعینہ شبہ فعل کی ہو، یہ صورت باطل ہے، تفصیل اوپر آ گئی۔

(۱۱) شبہ فعل اسم کے متعلق کی وجہ سے اعراض کرے اور تسلیط شبہ فعل کے مناسب مرادف کی ہو، یہ صورت بھی باطل ہے۔

(۱۲) شبہ فعل اسم کے متعلق کی وجہ سے اعراض کرے اور تسلیط اس کے مناسب لازم کی ہو، جیسے: **زیداً انا ضاربٌ غلامه ای انا مهین زیداً انا ضاربٌ غلامه.**

**فائدہ:** مصنفؒ نے جو چار مثالیں دی ہیں ان میں سے تین مثالیں اس کی ہیں جب کہ فعل اسم کی ضمیر کی وجہ سے اعراض کرے، اور ایک مثال اس کی ہے جب کہ فعل اسم کے متعلق کی وجہ سے اعراض کرے، لیکن مصنفؒ نے اس کی مثال جب کہ فعل اسم کے متعلق کی وجہ سے اعراض کرے، تیسرے نمبر پر بیان کی ہے، حالانکہ جب فعل اسم کی ضمیر کی وجہ سے اعراض کرے اس کی تینوں مثالیں بیان کرنے کے بعد چوتھے نمبر پر مصنفؒ کو متعلق والی مثال بیان کرنی چاہئے تھی، اس کی وجہ یہ ہے کہ مصنفؒ یہ چاہتے ہیں کہ فعل معروف کی مثالیں پہلے بیان ہو جائیں پھر فعل مجہول کی مثال بیان ہو۔ واللہ اعلم

## ما اضمر عامله کے اعراب کی صورتیں:

**ويختار الرفع بالابتداء عند عدم قرينة خلافه اوعند وجود اقوى منها كَاَمَّا مع غير الطلب وإذا للمفاجاة .**

**ترجمہ:** اور رفع پسندیدہ ہے ابتداء کی وجہ سے اس کے خلاف کے قرینہ کے نہ ہونے کے وقت، یا اس سے زیادہ قوی قرینہ کے پائے جانے کے وقت، جیسا کہ **أما** غیر طلب کے ساتھ، اور إذا جو مفاجاۃ کے لئے آتا ہے۔

**تشریح:** اگر یقینی طور پر یہ بات متعین ہو جائے کہ یہ "**ما اضمر عامله على شريطة التفسير**" ہے تو اس پر نصب ہی آئے گا، اور اگر یقین نہ ہو، بلکہ "**ما اضمر**" ـــــغ" کا ظن ہو اور وہ بھی محض ظاہری اعتبار سے، تو اعراب کے اعتبار سے اس کی پانچ

صورتیں ہیں :(۱) اختیارِ رفع (۲) اختیارِ نصب (۳) وجوبِ رفع (۴) وجوبِ نصب (۵) تساویٔ رفع ونصب۔ مندرجہ بالا عبارت میں مصنفؒ ان میں سے پہلی صورت کو بیان فرمارہے ہیں، جس کی تفصیل یہ ہے کہ دو صورتوں میں رفع مختار ہے۔

(۱) رفع کے خلاف (نصب) کا کوئی قرینہ مرجحہ نہ پایا جائے، بلکہ رفع کا قرینہ مرجحہ پایا جائے تو وہ اسم (جو ما اضمر عامله على شريطة التفسير کے ظن میں ہو) مبتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع ہوگا، جیسے: زید ضربته، اس مثال میں زید پر نصب ورفع دونوں آسکتے ہیں۔ نصب تو اس لئے کہ اس کے بعد ایسا فعل ہے کہ اگر اس کو زید پر مسلط کر دیا جائے تو وہ فعل اس کو نصب دیدے گا، اور رفع اس لئے کہ زید عوامل لفظیہ سے خالی ہے، لیکن چونکہ نصب کے لئے کوئی قرینہ مرجحہ نہیں پایا جاتا برخلاف رفع کے کہ اس کے لئے یہ قرینہ مرجحہ پایا جاتا ہے کہ اس میں حذف نہیں ماننا پڑتا ہے، جب کہ نصب کی صورت میں فعل محذوف ماننا پڑتا ہے، جس کی یہ فعل مذکور تفسیر کرتا ہے، اس لئے یہاں رفع مختار وپسندیدہ ہے۔

(۲) رفع کے مختار ہونے کی دوسری صورت یہ ہے کہ اس اسم میں رفع ونصب دونوں کا قرینہ مرجحہ پایا جاتا ہو، لیکن رفع کا قرینہ مرجحہ زیادہ قوی ہو۔

رفع کے قرینہ مرجحہ کے زیادہ قوی ہونے کے دو مقام ہیں: (۱) وہ اسم جو ما اضمر عامله الخ کے ظن میں ہو اس پر أما داخل ہو، اور اس اسم کے بعد جو فعل ہو (جو اس اسم میں عمل کرنے سے اعراض کررہا ہے) وہ طلب پر دلالت نہ کرتا ہو، یعنی وہ جملہ خبریہ ہو جملہ انشائیہ نہ ہو، جیسے: لقيت القوم واما زيد فاكرمته، اس مثال میں زید پر رفع پڑھنا بھی صحیح ہے، کیونکہ یہ عامل لفظی سے خالی ہے اور نصب بھی صحیح ہے، کیونکہ زید کے بعد ایسا فعل ہے کہ اگر اس کو زید پر مسلط کر دیا جائے تو وہ اس کو نصب دیدے گا۔

اور نصب کا قرینہ مرجحہ یہ ہے کہ اگر زید سے پہلے فعل محذوف مان کر زید پر نصب پڑھا جائے تو جملہ فعلیہ (زیداً فاكرمته) کا عطف جملہ فعلیہ (لقيت القوم) پر ہو جائے گا، اور

ان مذکورہ صورتوں میں نصب اس وجہ سے مختار ہے کہ یہ سب فعل کے مواقع ہیں، یعنی ان مواقع میں اکثر فعل لایا جاتا ہے①۔

(۸) نصب کے مختار ہونے کی آٹھویں اور آخری شکل یہ ہے کہ اسم مذکور (یعنی جس سے فعل اعراض کر رہا ہے) پر رفع پڑھنے کی صورت میں مفسّر کا التباس صفت کے ساتھ لازم آتا ہو، یہاں مفسّر سے مراد خبر ہے، اس پر مفسّر کا اطلاق مجازاً کر دیا گیا، اس اعتبار سے کہ وہ حالت نصب میں مفسّر (یعنی فعل محذوف کی تفسیر کرنے والا) ہو جاتا ہے۔ تو خلاصہ یہ ہوا کہ وہ فعل جو اسم مذکور پر نصب پڑھانے کی صورت میں مفسّر ہے اگر اس اسم پر رفع پڑھا جائے گا تو یہ پتہ نہ چلے گا کہ فعل، اسم مذکور کی خبر ہے یا صفت، جب کہ خبر بنانے کی صورت میں مطلب صحیح ہوتا ہے، اور صفت بنانے کی صورت میں معنی فاسد ہو جاتے ہیں، تو اس التباس سے بچنے کے لئے اس اسم پر نصب مختار ہوگا، جیسے: "إنا كل شيئ خلقنه بقدر" اس میں ترکیب کے اعتبار سے تین احتمال ہیں:

پہلا احتمال یہ ہے کہ کل پر ما أضمر عامله الخ بنا کر نصب پڑھا جائے، اس صورت میں کل شيئ خلقنا کا مفعول بہ ہوگا اور بقدر جار مجرور سے مل کر خلقنا کا متعلق ہوگا، ترجمہ یہ ہوگا، ہم نے ہر چیز کو اندازہ کے ساتھ پیدا کیا۔ اس آیت میں یہی بتانا بھی مقصود ہے۔

اور اگر کل پر رفع پڑھا جائے تو اس کی دو ترکیبیں ہیں: پہلی ترکیب کل شيئ مضاف و مضاف الیہ سے مل کر مبتدا خلقناه بقدر اس کی خبر۔ ترجمہ ہوگا: ہر چیز پیدا کیا ہم نے ہر چیز کو اندازہ کے ساتھ، یہ ترجمہ بھی صحیح ہے اور مقصود کے مطابق ہے، یہ دوسرا احتمال ہوا۔

دوسری ترکیب یہ ہے کہ کل شيئ موصوف، خلقناه اس کی صفت، موصوف و صفت سے مل کر مبتدا، بقدر ثابت کے متعلق ہو کر اس کی خبر۔ اس صورت میں ترجمہ ہوگا، ہر ایسی چیز جس کو ہم نے پیدا کیا وہ اندازہ کے ساتھ ہے۔ اس میں یہ شبہ ہوتا ہے کہ باقی

① چھٹی اور ساتویں صورت میں نصب مختار ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اگر اس اسم پر رفع پڑھیں گے تو اس کا مابعد اس کی خبر بنے گا، حالانکہ وہ تو جملہ انشائیہ ہے، اور جملہ انشائیہ بغیر تاویل کے خبر نہیں بن سکتا۔

دوسری چیزیں جن کو ہم نے پیدا نہیں کیا وہ اندازہ کے ساتھ نہیں، اور یہ بالکل غلط مطلب ہے، جو رفع پڑھنے کی صورت میں ایک ترکیب کے اعتبار سے لازم آیا، اب ظاہر ہے کہ اگر کل شیئ پر رفع پڑھا جائے تو یہ پتہ نہیں چلے گا کہ اس کے بعد والا فعل ترکیب میں خبر ہے (جو کہ صحیح ہے) یا صفت (جو صحیح نہیں ہے) اس التباس سے بچنے کے لئے اس اسم پر نصب مختار ہے۔

**ویستوی الأمران في مثل زیدٌ قام وعمروًا أکرمته .**

**ترجمہ:** اور زیدٌ قام وعمروًا أکرمتہ جیسی مثالوں میں دونوں امر برابر ہیں۔

**تشریح:** اس سے پہلے اختیار رفع ونصب کی صورتوں کو بیان کیا گیا، اب وہ صورت بیان کررہے ہیں جس میں رفع ونصب دونوں برابر ہیں۔ فرماتے ہیں کہ زیدٌ قام وعمروًا اکرمتہ جیسی مثال میں رفع ونصب دونوں مساوی ہیں، اس جیسی مثال سے مراد ہر ایسی ترکیب ہے کہ جس میں اس جملہ کا عطف جس میں "ما اضمر عامله الخ" واقع ہے، ایسے جملہ اسمیہ پر کیا جائے جس میں خبر جملہ فعلیہ ہو، جیسے مثال مذکور میں عمروًا اکرمتہ ایک جملہ ہے، جس میں عمروًا پر ما اضمر عامله علی شریطة التفسیر کی تعریف صادق آتی ہے، اس جملہ میں دو احتمال ہیں:

(۱) اگر عمروٌ پر رفع پڑھا جائے اور اس کو جملہ اسمیہ بنایا جائے تو اس کا عطف جملہ اسمیہ کبریٰ یعنی زیدٌ قام (جس کو جملہ کبریٰ کہا گیا) پر ہو جائے گا، اور دونوں جملوں میں مناسبت ہو جائے گی۔

(۲) اور اگر عمروٌ پر نصب پڑھا جائے تو پھر یہ جملہ فعلیہ ہوگا اور اس کا عطف جملہ فعلیہ صغریٰ یعنی صرف قام پر ہوگا (جس کو جملہ صغریٰ کہا گیا) اور اس صورت میں بھی دونوں جملوں میں مناسبت موجود ہے، اس وجہ سے رفع ونصب دونوں مساوی ہوں گے، کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح حاصل نہ ہوگی۔

**ویجب النصب بعد حرف الشرط وحرف التحضیض مثل ان زیداً ضربتهٗ ضربک وألّا زیداً ضربتهٗ .**

**ترجمہ:** اور واجب ہے نصب حرفِ شرط کے بعد اور حرفِ تحضیض کے بعد، جیسے: إن زیداً ضربتہ ضربک (اگر تو زید کو مارے گا تو وہ تجھ کو مارے گا) اور ألّا زیداً ضربتہ (تو نے زید کی پٹائی کیوں نہیں کی؟)

**تشریح:** یہاں سے مصنفؒ وجوبِ نصب کی صورتیں بیان کر رہے ہیں، فرماتے ہیں کہ وہ اسم جس میں عمل کرنے سے بعد والا فعل اعراض کر رہا ہے اگر حرفِ شرط یا حرفِ تحضیض کے بعد واقع ہو تو اس پر نصب ہی ضروری ہے، جیسے مندرجہ بالا مثالیں، ان مثالوں میں زیداً سے پہلے ضَرَبْتَ فعل محذوف ہے، جس کی تفسیر بعد والا فعل کر رہا ہے۔

یہاں حرفِ شرط سے مراد إن اور لو ہیں: کیونکہ أما بھی اگرچہ حرفِ شرط ہے، لیکن اس کا حکم ماقبل میں بالتفصیل گذر گیا، اور حرفِ تحضیض چار ہیں: أَلَّا، هلَّا، لو لَا، لَوْمَا۔

ان دونوں قسموں کے حروف کے بعد نصب اس وجہ سے واجب ہے، کیونکہ یہ حروف ہمیشہ فعل پر داخل ہوتے ہیں خواہ[1] وہ فعل لفظوں میں ہو یا مقدر، اب ظاہر ہے کہ وہ فعل بعد والے اسم کو نصب ہی دے گا، رفع کا احتمال نہیں۔

**ولیس أزید ذُهبَ بهٖ منه فالرفع.**

**ترجمہ:** اور أزیدٌ ذهب به، ما اضمر الخ کے باب سے نہیں ہے، پس رفع (لازم) ہے۔

**تشریح:** اس عبارت سے مصنفؒ ایک اعتراض کا جواب دے رہے ہیں، اعتراض

---

[1] حرفِ شرط تو اس لئے کہ حرفِ شرط تعلیق زمانی پر دلالت کرتا ہے اور زمانہ پر فعل ہی دلالت کرتا ہے، اور حرفِ تحضیض اس وجہ سے فعل پر ہی داخل ہوتا ہے کہ حرفِ تحضیض جب ماضی پر داخل ہوتا ہے تو ترکِ فعل پر توبیخ اور ڈانٹ ڈپٹ کے لئے آتا ہے، جیسے: ألّا ضربت زیداً. تو نے زید کو کیوں نہیں مارا؟ اور جب مستقبل پر داخل ہوتا ہے تو کسی کام پر آمادہ کرنے کے لئے آتا ہے۔ جیسے: ألّا تضرب زیداً. تو زید کو کیوں نہیں مارے گا؟ یعنی تجھے مارنا چاہئے، اور ظاہر ہے کہ فعل ماضی و مستقبل فعل ہیں، اس لئے یہ حروف فعل پر ہی داخل ہوتے ہیں۔ واللہ اعلم

یہ ہے کہ اوپر بیان کیا گیا کہ حرفِ استفہام کے بعد اس مذکور میں نصب مختار ہے، جب کہ أزیدٌ ذھب بہٖ میں زیدٌ ہمزۂ استفہام کے بعد ہے، حالانکہ اس میں نصب درست ہی نہیں، مختار تو کیا ہوتا۔

مصنفؒ اس کا جواب دے رہے ہیں کہ یہ مثال ما اُضمر الخ کے باب سے ہی نہیں ہے، کیونکہ اگر بعینہٖ اسی فعل (ذُھِبَ) کو زیدٌ پر مقدم کردیا جائے تو یا تو با کے ساتھ مقدم ہوگا، یا بغیر با کے۔ اگر با کے ساتھ مقدم کیا جائے گا تو عبارت ہوگی: ذُھِبَ بِزَیدٍ، اور اگر بغیر با کے مقدم کیا جائے تو یہ درست نہیں، کیونکہ بغیر با کے یہ لازم ہے، با کے ذریعہ اس کو متعدی بنایا گیا ہے اور فعل لازم سے مجہول نہیں آتا۔

اور اگر ذُھِبَ بہٖ کے مناسب اُذھِبَ کو اس پر مقدم کریں تو عبارت ہوگی: أذھب زیدٌ بہرحال کسی بھی صورت میں یہ فعل اس اسم مذکور کو نصب نہیں دے گا، لہٰذا یہ مثال حقیقت میں ما اضمر عاملہ علی شریطۃ التفسیر کے باب سے نہیں ہے، البتہ بظاہر ہے، اس لئے اس اسم (زید) پر رفع لازم ہے، یہ وجوبِ رفع کی صورت ہے۔

**وکذٰلک "کُلُّ شَیئٍ فَعَلُوْہُ فِی الزُّبُرِ".**

**ترجمہ:** اور اسی طرح "کُلُّ شَیئٍ فَعَلُوْہُ فِی الزُّبُرِ".

**تشریح:** مطلب یہ ہے کہ جس طرح أزیدٌ ذھب بہ، ما اضمر الخ کے باب سے نہیں، اسی طرح کل شیئ الخ بھی ما اضمر عاملہ الخ کے باب سے نہیں ہے، تفصیل یہ ہے کہ اس میں ترکیب کے اعتبار سے تین احتمال ہیں:

(١) "کل شیئ" فعلوا کا مفعول بہ ہو، اور "فی الزبر" فعلوا کا متعلق ہو، اس صورت میں ترجمہ ہوگا: "کیا لوگوں نے ہر کام نامہ اعمال میں"۔ یہ ترجمہ فاسد ہے: اس لئے کہ نامہ اعمال لوگوں کے اعمال کا محل نہیں ہے۔

(٢) فعلوا فعل با فاعل، کل شیئ موصوف، فی الزبر کائن کے متعلق ہو کر صفت، موصوف اپنی صفت سے مل کر فعلوا کا مفعول بہ۔ اس صورت میں ترجمہ ہوگا: "کیا بندوں

نے ہر وہ کام جو نامہ اعمال میں (درج) ہے۔ یہ ترجمہ صحیح ہے، مگر مقصود کے خلاف ہے، اس لئے کہ مقصد تو یہ بتانا ہے کہ لوگوں کے سب اعمال، نامہ اعمال میں درج ہیں، مقصود نہیں کہ جو کچھ نامہ اعمال میں درج ہے وہ سب بندوں کے افعال ہیں، یہ دونوں احتمال اس وقت ہیں جب کہ کل شیئ کو ما اضمر عامله الخ کے باب سے مان کر اس پر نصب پڑھا جائے۔

(۳) اور اگر کل شیئ پر رفع پڑھا جائے تو ترکیب اس طرح ہوگی: کل شیئ موصوف فعلو صفت، موصوف صفت سے مل کر مبتدا، فی الزبر کائن کے متعلق ہو کر خبر، اس صورت میں ترجمہ یہ ہوگا: ہر وہ کام جو بندوں نے کیا وہ سب نامہ اعمال میں درج ہے، یہ معنی بالکل صحیح ہے۔ اور قرآن کریم کی دوسری آیت: "کل صغیر و کبیر مستطر" کے عین مطابق ہے۔

معلوم ہوا کہ کل شیئ کو مااضمر عامله الخ بنا کر نصب پڑھنے کی صورت میں یا تو معنی کا فساد لازم آتا ہے، یا مقصود کے خلاف لازم آتا ہے، جب کہ رفع کی صورت میں کوئی خرابی لازم نہیں آتی، لہٰذا کل شیئ پر رفع لازم ہے، اور یہ ما اضمر الخ کے باب سے نہیں ہے، یہ بھی وجوب رفع کی صورت ہے۔

---

**ونحو "اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ" الفاء بمعنى الشرط عند المبرد وجملتان عند سيبويه وإلّا فالمختار النصب.**

---

**ترجمہ:** اور جیسے: "الزانية والزاني الخ" امام مبردؒ کے نزدیک فا شرط کے معنی میں ہے، اور دو جملے ہیں امام سیبویہؒ کے نزدیک، ورنہ تو پس نصب مختار ہے۔

**تشریح:** ماقبل میں یہ بات گذر چکی ہے کہ جس اسم کے بارے میں ما اضمر عامله الخ کا گمان ہو وہ اگر امر و نہی سے پہلے واقع ہو تو اس پر نصب مختار ہے، اس قاعدہ کی بنا پر مذکورہ آیت الزانية والزاني الخ پر نصب آنا چاہئے، حالانکہ قراء سبعہ ان کے رفع پر متفق ہیں، نصب کو جائز نہیں کہتے۔

تو اس کا جواب امام مبردؒ کے نزدیک تو یہ ہے کہ الزانیة والزانی یہ دونوں الفاظ اسم فاعل کے صیغے ہیں، اور اسم فاعل پر جو الف لام آتا ہے وہ اسم موصول ہوتا ہے، اور اسم فاعل اس کا صلہ ہوتا ہے، موصول اپنے صلہ سے مل کر مبتدا متضمن بمعنی شرط ہے، اور اس کی خبر فاجلدوا ہے، جو جزا کے درجہ میں ہے، اور اس پر جو فا داخل ہے وہ فا جزائیہ اور سببیہ ہے۔ اور قاعدہ ہے کہ فاء جزائیہ کا مابعد ماقبل میں عمل نہیں کرتا: لہٰذا اجلدوا فعل کو الزانیة الخ پر مسلط نہیں کیا جا سکتا، اور الزانیة الخ کو وہ مفعول بہ بنا کر نصب نہیں دے سکتا، معلوم ہوا کہ یہ ما أضمر عامله الخ کے باب سے نہیں ہے، پس یہ مبتدا متضمن بمعنی شرط ہے اور مرفوع ہے۔

اور امام سیبویہؒ کے نزدیک یہ آیت دو مستقل جملے ہیں، الزانیة والزانی سے پہلے مضاف محذوف ہے، اور پھر یہ مبتداء ہے، اس کی خبر محذوف ہے، عبارت کی اصل یہ ہے: حکم الزانیة والزانی فیما یتلیٰ علیکم یعنی زانیہ اور زانی کا حکم اس آیت میں ہے جو تم پر تلاوت کی جائے گی، اور فاجلدوا سے پہلے اس کی شرط محذوف ہے، عبارت اس طرح ہے: إن ثبت زنا هما فاجلدوا الخ۔ یعنی اگر ان دونوں کا زنا ثابت ہو جائے تو ان کو سو کوڑے مارو، تو یہ الگ مستقل جملہ ہے، اور ظاہر ہے کہ ایک جملہ کا جز دوسرے جملہ کے جز میں عمل نہیں کر سکتا، اس لئے یہاں بھی فاجلدوا کو الزانیة والزانی پر مسلط کرنا ممکن نہیں، لہٰذا اس صورت میں بھی یہ مااضمر عامله الخ کے باب سے نہیں ہے۔

اور اگر اس آیت میں مبردؒ اور سیبویہؒ کے مسلک کو اختیار نہ کیا جائے تو پھر نحویوں کے قاعدہ کے مطابق یہ مااضمر عامله الخ کے باب میں داخل ہو کر نصب مختار ہوتا، کیونکہ امر سے پہلے ہے جب کہ نصب کا اختیار کرنا باطل ہے، جیسا کہ بیان کیا گیا کہ قراء سبعہ کا رفع پر اتفاق ہے، اس لئے مبردؒ اور سیبویہؒ میں سے ہی کسی کی بات ماننا لازم ہے، تا کہ رفع متعین ہو جائے۔ واللہ اعلم

# چوتھا موقع تحذیر

**والرابع: التحذير وهو معمول بتقدير اتق تحذيراً مما بعده اوذكر المحذر منه مكرراً مثل إياك والأسد، وإياك وأن تحذف، والطريق الطريق.**

**ترجمہ**: چوتھا موقع تحذیر ہے، اور وہ اتق کی تقدیر کے ساتھ معمول ہوتا ہے ڈرانے کے لئے اس چیز سے جو اس کے بعد ہے، یا محذر منہ کو مکرر ذکر کیا گیا ہو، جیسے: إیاک والأسد الخ.

**تشریح**: جن مقامات میں مفعول بہ کے عامل کا حذف کرنا واجب ہے، ان میں سے چوتھا اور آخری موقع تحذیر ہے، اس میں فعل کا حذف وقت کی تنگی کی وجہ سے ہوتا ہے، کیونکہ مقصود محذر (جس کو ڈرایا جائے) کو محذر منہ (جس سے ڈرایا جائے) سے بچانا ہے اور فعل کے ذکر کرنے میں کچھ وقت تو خرچ ہوتا ہی ہے، اس میں اندیشہ ہے کہ وہ شخص محذر منہ کی زد میں آجائے اور اس کو نقصان پہنچ جائے، اس لئے فعل کو حذف کر دیا جاتا ہے۔

تحذیر کی دو قسمیں ہیں: (۱) مفعول بہ اتَّقِ یا بَعِّدْ مقدر کی وجہ سے منصوب ہو، اور اس کو مابعد سے ڈرایا جائے (۲) اتَّقِ یا بَعِّدْ مقدر کی وجہ سے منصوب ہو اور محذر منہ مکرر ہو۔ پہلی دو مثالیں پہلی قسم کی ہیں، ایک اسم تحقیقی کی اور ایک اسم تاویلی کی اور تیسری مثال دوسری قسم کی ہے۔

**فائدہ**: إیاک والأسد اصل میں بَعِّدْ نَفْسَکَ وَالْاَسَدَ ہے، فعل کو حذف کر دیا گیا اور ضمیر متصل کو منفصل بنالیا گیا، مطلب ہے: بَعِّدْ نَفْسَکَ مِنَ الْاَسَدِ وَالْاَسَدَ مِنْ نَفْسِکَ، اپنے کو شیر سے اور شیر کو اپنے سے دور رکھ۔ اسی طرح دوسری مثال کا مطلب ہے: بَعِّدْ نَفْسَکَ عَنْ حَذْفِ الْاَرْنَبِ وَحَذْفَ الْاَرْنَبِ عَنْ نَفْسِکَ، یعنی اپنے کو خرگوش کو لاٹھی مارنے سے اور خرگوش کو لاٹھی سے مارنے کو اپنے سے

دور رکھ۔ دونوں مثالوں میں مطلب یہ ہے کہ اپنے کو اس سے بچاؤ۔ تیسری مثال کا مطلب: "اتَّقِ الطَّرِيقَ بچ تو راستہ سے یعنی راستہ میں خطرہ ہے اس لئے اس راستہ سے مت جا۔

**ترکیب:** تحذیراً یا تو حُذِّرَ فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے، اصل عبارت یوں ہے: حُذِّرَ ذٰلِکَ الْمَعْمُوْلُ تَحْذِيْرًا الخ اور یا ذُکِرَ فعل محذوف کا مفعول لہ ہے، ای ذُكِرَ ذٰلِکَ الْمَعْمُوْلُ تَحْذِيْرًا مِمَّا بَعْدَهٗ.

---

**وتقول إياک من الأسد ومن أن تحذف وإياک أن تحذف بتقدير من ولا تقول إياک الأسد لامتناع تقدير مِنْ .**

---

**ترجمہ:** اور تو کہے گا إياک من الاسد، اور من أن تحذف اور إياک أن تحذف، من کی تقدیر کے ساتھ، اور تو نہیں کہے گا (یعنی مت کہہ) إياک الاسد، من کی تقدیر کے ممتنع ہونے کی وجہ سے۔

**تشریح:** مصنفؒ یہاں سے تحذیر کی دو قسموں میں محذر منہ کے استعمال کی صورتیں بیان فرمارہے ہیں، محذر منہ کے استعمال کی عقلاً آٹھ صورتیں ہیں، جن کا بیان یہ ہے کہ محذر منہ اسم تحقیقی ہوگا یا اسم تاویلی، پھر ان دونوں میں سے ہر ایک یا تو واؤ کے ساتھ استعمال ہوگا یا من کے ساتھ، پھر ہر ایک میں یا تو واؤ اور من مذکور ہوں گے یا محذوف، لیکن اسم تحقیقی وتاویلی سے واؤ کے حذف والی شکل اور اسم تحقیقی سے من کے حذف والی شکل مستعمل نہیں، لہٰذا صرف پانچ شکلیں مستعمل ہیں، تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) محذر منہ اسم تحقیقی ہو اور واؤ مذکور ہو، جیسے: إياک والأسد .

(۲) محذر منہ اسم تحقیقی ہو اور من مذکور ہو، جیسے: إياک من الأسد .

(۳) محذر منہ اسم تحقیقی ہو اور واؤ محذوف ہو، یہ غیر مستعمل ہے۔

(۴) محذر منہ اسم تحقیقی ہو اور واؤ محذوف ہو، یہ بھی غیر مستعمل ہے۔

(۵) محذر منہ اسم تاویلی ہو اور واؤ مذکور ہو، جیسے: إياک وان تحذف .

(٦) محذر منہ اسم تاویلی ہو اور من مذکور ہو، جیسے: إياک من ان تحذف .

(۷) محذر منہ اسم تاویلی ہو اور واؤ محذوف ہو، یہ غیر مستعمل ہے۔

(۸) محذر منہ اسم تاویلی ہو اور من محذوف ہو، جیسے: إیاک أن تحذف. واللہ اعلم

## (۳) مفعول فیہ:

**المفعول فیہ هو مافُعِلَ فیه فِعْلٌ مذکورٌ من زمان او مکان .**

**ترجمہ**: مفعول فیہ وہ اسم ہے جس میں فعل مذکور کیا گیا ہو، یعنی زمان یا مکان۔

**تشریح**: مفاعیل خمسہ میں سے تیسرا مفعول فیہ ہے، مفعول فیہ وہ زمان یا مکان ہے جس میں اس سے پہلے ذکر کیا ہوا فعل (کام) کیا گیا ہو، یہاں فعل سے مراد فعل لغوی یعنی معنی مصدری (کام) ہے۔

مفعول فیہ کی تعریف میں مافعل میں جوما ہے من زمان او مکان اس کا بیان ہے، اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مفعول فیہ کی دو قسمیں ہیں: (مفعول فیہ کو ظرف بھی کہتے ہیں) (۱) ظرفِ زمان (۲) ظرف مکان۔ اور ان دونوں قسموں کے احکام الگ الگ ہیں، ان احکام کے بیان کے لئے یہ الفاظ (من زمان أو مکان) بطور تمہید لائے گئے ہیں۔

**فوائد قیود**: تعریف تمام اسمائے زمان ومکان کو شامل تھی، لیکن مذکورٌ کی قید سے یوم الجمعة یوم طیب جیسی مثالیں خارج ہوگئیں، کیونکہ جمعہ کے دن کوئی نہ کوئی کام تو ضرور کیا گیا ہوگا، مگر وہ یہاں مذکور نہیں، نیز ما جنس کے درجہ میں ہے جو تمام مفاعیل کو شامل تھا، فیہ کی قید سے باقی تمام مفاعیل خارج ہو گئے۔

**ترکیب**: المفعول فیه کی تین ترکیبیں ہوسکتی ہیں: (۱) یہ مبتدا محذوف کی خبر ہو اور اصل عبارت یہ ہو: هٰذا باب المفعول فیه (۲) یہ مبتدا ہو اور خبر محذوف ہو، یعنی ومنه المفعول فیه (۳) یہ مبتدا ہو اور اس کی خبر آئندہ جملہ مافعل فیه الخ ہو، اور هو ضمیر فصل ہو۔

**وشرطُ نَصبه تقدیرُ فی .**

**ترجمہ**: اور اس کے منصوب ہونے کی شرط فی کا مقدر ہونا ہے۔

**تشریح**: مصنفؒ کے نزدیک اگر فی حرفِ جر لفظوں میں موجود ہو تو وہ بھی مفعول

فیہ ہے (جب کہ جمہور کے نزدیک وہ مفعول فیہ نہیں، بلکہ جار مجرور ہے) اس لئے مصنفؒ کو مفعول فیہ کے منصوب ہونے کی یہ شرط لگانی پڑی کہ مفعول فیہ منصوب اس وقت ہوگا جب کہ اس سے پہلے فی مقدر ہو، اگر مقدر نہ ہو، بلکہ موجود ہو تو مصنفؒ کے نزدیک وہ مفعول فیہ تو ہوگا، لیکن مجرور ہوگا، گویا مصنفؒ کے نزدیک مفعول فیہ کی دو قسمیں ہیں: (۱) فی حرف جر لفظوں میں موجود ہو، اس صورت میں مفعول فیہ منصوب نہیں ہوگا، بلکہ مجرور ہوگا۔ (۲) فی حرفِ جر لفظوں میں موجود نہ ہو، بلکہ مقدر ہو تو مفعول فیہ منصوب ہوگا۔

**وظروف الزمان کلها تقبل ذٰلک.**

**ترجمہ**: اور ظروفِ زمان سب کے سب فی کی تقدیر کو قبول کرتے ہیں۔

**تشریح**: اوپر بیان کیا گیا کہ ظرف یعنی مفعول فیہ کی دو قسمیں ہیں: زمان و مکان۔ پھر ہر ایک کی دو دو قسمیں ہیں: (۱) مبہم (۲) محدود۔

مبہم وہ ظرف ہے جس کی کوئی حد متعین نہ ہو، جیسے: دھر، اور محدود وہ ہے جس کی کوئی حد متعین ہو، جیسے: یوم، وغیرہ۔ پس ظرف کی کل چار قسمیں ہیں: (۱) ظرفِ زمان مبہم، جیسے: دھر، حین. (۲) ظرفِ زمان محدود، جیسے: یوم، لیل، شھر (۳) ظرفِ مکان مبہم، جیسے: جہاتِ ستہ، امامٌ، خلفٌ، یمینٌ، شمال، فوقٌ، تحتُ (۴) ظرفِ مکان محدود، جیسے: دار، مسجد، بیت۔

تو مصنفؒ یہاں سے یہ بیان فرما رہے ہیں کہ ان قسموں میں سے کہاں فی مقدر ہوتا ہے اور کہاں مقدر نہیں ہوتا۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ ظروفِ زمان خواہ مبہم ہوں یا محدود، ان دونوں قسموں میں فی مقدر ہوتا ہے، اور وہ منصوب ہوتے ہیں۔

ظرفِ زمان مبہم تو اس وجہ سے منصوب ہوتا ہے کہ فعل میں تین جزء ہوتے ہیں: (۱) معنیٰ مصدری (۲) نسب الی الفاعل (۳) زمانہ۔ اور فعل میں جو زمانہ ہوتا ہے وہ مبہم ہوتا ہے، اور قاعدہ ہے کہ جب جزءِ فعل کو فعل سے الگ کریں تو وہ منصوب ہوتا ہے، جیسے: مفعول مطلق کہ وہ مصدر ہے اور مصدر فعل کا ایک جزء ہوتا ہے، اسی طرح زمان مبہم کو جب

بغیر حرفِ جر کے واسطہ کے ذکر کریں گے تو منصوب ہوگا۔ اور زمانِ محدود کو زمانِ مبہم پر حمل کرلیا گیا، کیونکہ زمانیت میں دونوں شریک ہیں۔

**وظروف المكان إن كان مبهماً قُبِلَ ذٰلك وإلّا فلا .**

**ترجمہ:** اور ظروفِ مکان اگر مبہم ہوں تو تقدیر فی کو قبول کرتے ہیں ورنہ نہیں (یعنی اگر ظروفِ مکان مبہم نہ ہوں، بلکہ محدود ہوں تو ان میں لفظوں میں فی آئے گا، فی مقدر نہ ہوگا)

**تشریح:** مطلب یہ ہے کہ ظروفِ مکان اگر مبہم ہوں تو ان میں بھی فی مقدم ہوگا اور ان کو منصوب پڑھا جائے گا، کیونکہ یہ ظروفِ زمانِ مبہم کے ساتھ ابہام میں شریک ہیں، جیسے: جلستُ خلفکَ، خلفٌ مبہم ہے جس کی کوئی حد متعین نہیں ہے۔

اور ظروفِ مکان محدود میں فی مقدر نہیں ہوگا، بلکہ فی لفظوں میں موجود ہو کر مجرور ہوگا، کیونکہ زمانِ مبہم کے ساتھ یہ ظروف نہ تو زمانیت میں شریک ہیں اور نہ ابہام میں۔

**وفُسِّرَ المبهم بالجهات الستّ .**

**ترجمہ:** اور مکانِ مبہم کی تفسیر جہاتِ ستہ کے ساتھ کی گئی ہے۔

**تشریح:** مصنفؒ فرماتے ہیں کہ مکانِ مبہم کی تفسیر جہاتِ ستہ یعنی قدام (آگے) خلفٌ (پیچھے) یمینٌ (دائیں) یسارٌ (بائیں) فوق (اوپر) تحت (نیچے) کے ساتھ کی جاتی ہے اور جو بھی ان کے ہم معنی ہو وہ بھی مکانِ مبہم میں داخل ہے۔

**وحمل عليه عند ولدیٰ وشبههما لإبهامهما .**

**ترجمہ:** اور عند، لدیٰ اور ان دونوں جیسے اسموں کا ان کے مبہم ہونے کی وجہ سے مکانِ مبہم پر حمل کرلیا گیا ہے۔

**تشریح:** اوپر مصنفؒ نے ظروفِ مکانِ مبہم کا حکم بیان کیا تھا کہ اس پر نصب آتا ہے، پھر مکانِ مبہم کی تفسیر جہاتِ ستہ کے ساتھ کی، اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مکانِ مبہم میں صرف جہاتِ ستہ پر ہی نصب آئے گا، یہاں سے یہ بات بتاتے ہیں کہ جہاتِ ستہ

کے علاوہ کچھ اور الفاظ پر بھی نصب آئے گا، مثلاً عند اور لدی اور ان کے مشابہ دوسرے الفاظ۔ اور وجہ یہ بیان کی کہ جس طرح مکانِ مبہم میں ابہام ہے ان میں بھی ابہام ہے، اس لئے یہ الفاظ مکانِ مبہم پر محمول ہیں۔

**ولفظ مکان لکثرته .**

**ترجمہ:** اور لفظ مکان کو بھی (ظرفِ مکان مبہم پر حمل کرلیا گیا) اس کے کثرتِ استعمال کی وجہ سے۔

**تشریح:** یعنی لفظ مکان پر بھی نصب آتا ہے حالانکہ یہ محدود ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ظرفِ مکانِ مبہم کے ساتھ اگر چہ ابہام میں شریک نہیں، لیکن کثرتِ استعمال میں شریک ہے، لہٰذا جس طرح مکانِ مبہم پر نصب آتا ہے لفظ مکان پر بھی نصب آئے گا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ کثیر الاستعمال ہے اور کثرتِ استعمال خفت کا مقتضی ہے اور تخفیف فی حرفِ جار کو حذف کر کے نصب دینے میں ہے۔

**ومابعد دخلت علی الأصح .**

**ترجمہ:** اور دخلت کے مابعد کو بھی (ظرفِ مکانِ مبہم پر حمل کرلیا گیا) اصح مذہب پر۔

**تشریح:** یعنی دخلت کا مابعد بھی اگر چہ محدود ہوتا ہے، لیکن کثرتِ استعمال کی بنا پر مکانِ مبہم کی طرح اس پر بھی نصب آتا ہے، کیونکہ اصح مذہب دخلت کے مابعد میں یہ ہے کہ وہ مفعول فیہ ہوتا ہے، بعض نحاۃ اس کو مفعول بہ مانتے ہیں۔

الأصح استعمال کی صفت بھی ہوسکتا ہے، مطلب یہ ہے کہ دخلت کے مابعد پر فی کو لفظوں میں لاکر مجرور بھی پڑھ سکتے ہیں، لیکن فی کو مقدر مان کر منصوب پڑھنا یہ استعمال زیادہ صحیح ہے۔

**وینصب بعامل مضمر وعلی شریطة التفسیر .**

**ترجمہ:** اور نصب دیا جاتا ہے مفعول فیہ کو عامل مقدر کے ذریعہ، اور تفسیر کی شرط پر (بھی نصب دیا جاتا ہے)

**تشریح:** مطلب یہ ہے کہ مفعول فیہ عامل مقدر کی وجہ سے بھی منصوب ہوتا ہے، پھر اس عامل کی دو صورتیں ہیں:

(۱) کبھی تو اس عامل مقدر کی تفسیر کے لئے کوئی فعل مفعول فیہ کے بعد ذکر نہیں کرتے، اس کو بیان کرنے کے لئے مصنفؒ بعامل مضمر کے الفاظ لائے ہیں، جیسے کوئی سائل سوال کرے: متی تذهب؟ (تو کب جائے گا) اس کے جواب میں کہا جائے: یوم الجمعة ای اذهب یوم الجمعة.

(۲) اور کبھی اس عامل مقدر کی تفسیر کے لئے کوئی فعل لایا جاتا ہے، اس کو مصنفؒ نے علی شریطة التفسیر[1] کے الفاظ سے تعبیر فرمایا ہے، جیسے: یَوْمَ الْجُمُعَةِ صُمْتُ فِیْهِ۔ اصل عبارت صُمْتُ یَوْمَ الْجُمُعَةِ صُمْتُ فِیْهِ ہے، دوسرے صمت کی وجہ سے پہلے صمت کو حذف کر دیا گیا۔

## (۴) مفعول لہ:

**المفعول له هو ما فعل لأجله فعلٌ مذكورٌ مثل ضربته تاديباً وقعدتُ عن الحرب جبناً، خلافاً للزجاج لإنه عنده مصدرٌ.**

[1] علی شریطة التفسیر کے الفاظ اس طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ اس سلسلہ میں یہاں بھی وہی تفصیل ہے جو مفعول بہ کے عامل کو وجوباً حذف کرنے کے تیسرے مقام میں گذری، اور جو تسلیط کی صورتیں وہاں ہیں وہی یہاں بھی ہیں، اور جس طرح اعراب کے اعتبار سے وہاں پانچ صورتیں نکلتی ہیں، اسی طرح مفعول فیہ کے اندر بھی اعراب کے اعتبار سے پانچ صورتیں نکلتی ہیں۔

(۱) رفع مختار ہو، جیسے: یومُ الجمعة صُمْتُ فیه.

(۲) نصب مختار ہو، جیسے: أیومَ الجمعة صُمْتُ فیه.

(۳) رفع واجب ہو، جیسے: أیومُ الجمعة صِیْمَ فیه.

(۴) نصب واجب ہو، جیسے: إن یوم الجمعة صمتُ فیه صمتُ فیه.

(۵) تساوی رفع ونصب ہو، جیسے: زیدٌ صام ویوم الجمعة صمت فیه.

**ترجمہ:** مفعول لہ وہ ایسا اسم ہے جس کی وجہ سے فعل مذکور کیا گیا ہو، جیسے: ضربته تادیباً اور قعدتُ عن الحرب جبناً، امام زجاجؒ نے اختلاف کیا ہے، کیونکہ ان کے نزدیک وہ مصدر ہے۔

**تشریح:** لأجلہ میں لام تعلیلیہ ہے اور "ہ" ضمیر سے پہلے لفظ تحصیل یا وجود مضاف محذوف ہے، اب عبارت اس طرح ہوئی: لأجل تحصیلہ یا لأجل وجودہ۔

اب مفعول لہ کی تعریف اس طرح ہوئی: "مفعول لہ ایسا اسم ہے جس کے حاصل کرنے کے واسطے یا جس کے پہلے سے موجود ہونے کی وجہ سے وہ کام کیا گیا ہو جو اس سے پہلے ذکر کیا گیا ہو"۔ جیسے: ضربته تادیباً۔ (میں نے اس کی پٹائی کی ادب سکھانے کے لئے) یہ اس مفعول لہ کی مثال ہے جس کے حاصل کرنے کے واسطے ضرب کا تحقق ہوا، اور قعدت عن الحرب جبناً (میں جنگ سے بیٹھ گیا بزدلی کی وجہ سے) یہ اس مفعول لہ کی مثال ہے جس کے پہلے سے موجود ہونے کی وجہ سے فعل کا یعنی قعود عن الحرب کا تحقق ہوا۔

امام زجاجؒ جمہور نحاۃ کے برخلاف یہ کہتے ہیں کہ مفعول لہ مستقل معمول نہیں، بلکہ "مفعول مطلق من غیر لفظہ" ہے۔ ان کے نزدیک ضربته تادیباً کی تاویل ضربته وأدبته تادیباً، یا ضربته ضرب تادیب ہے، اور قعدت عن الحرب جبناً کی تاویل قعدت عن الحرب وجبنت جبناً ہے، یا قعدت عن الحرب قعودَ جبنٍ ہے۔

لیکن امام زجاجؒ کی یہ بات صحیح نہیں، کیونکہ ایک نوع کو دوسرے نوع کی تاویل میں کرنے سے پہلی نوع کا وجود ختم نہیں ہوتا، جیسے: اگر مفعول فیہ کو حال کی تاویل میں کرلیا جائے تو مفعول فیہ کا وجود ختم نہیں ہوجاتا۔

---

وشرط نصبه تقدیر اللام.

---

**ترجمہ:** اور اس (مفعول لہ) کے منصوب ہونے کی شرط لام کا مقدر ہونا ہے۔

**تشریح:** مفعول فیہ کی طرح مفعول لہ کے بارے میں بھی مصنفؒ کا مسلک جمہور سے الگ ہے، مصنفؒ کے نزدیک اگر لام لفظوں میں موجود ہو تو اس کو بھی مفعول لہ کہتے ہیں

اور وہ مجرور ہوتا ہے، اور لام نہ ہو تو منصوب ہوتا ہے، اسی وجہ سے مصنفؒ نے مفعول لہ کے منصوب ہونے کی یہ شرط بیان کی کہ لام مقدر ہو لفظوں میں موجود نہ ہو۔

**وانما یجوز حذفها إذا كان فعلاً لفاعل الفعل المعلل به ومقارناً له في الوجود.**

**ترجمہ:** اور بلاشبہ جائز ہے لام کو حذف کرنا جب کہ وہ (مفعول لہ) فعل معلل بہ کے فاعل کا اثر ہو اور وجود میں اس کے مقارن ہو۔

**تشریح:** مطلب یہ ہے کہ مفعول لہ سے لام کے حذف ہونے کی دو شرطیں ہیں:

(۱) مفعول لہ فعل معلل بہ (وہ فعل جس کی علت لائی جارہی ہے) یعنی اپنے فعل کے فاعل کا اثر اور نتیجہ ہو عین نہ ہو، اس کا علیحدہ سے خارج میں وجود نہ ہو اپنے فعل ہی کے ضمن میں اس کا وجود ہو، یعنی اثر بھی، ہو اور مفعول لہ کا فاعل اور اس کے فعل کا فاعل دونوں متحد ہوں، جیسے: ضربته تاديباً، کہ اس میں تادیب فاعل کا اثر ہے، نیز ضرب اور تادیب کا فاعل ایک ہے، اگر ایسا نہ ہو تو پھر لام محذوف نہ ہوگا، جیسے: جئتك للسمن اس مثال میں سمن متکلم کے آنے کی علت ہے، لیکن چونکہ عین ہے اثر نہیں، اس لئے لام حذف نہیں کیا گیا، اور جیسے: جِئتك لمجيئك إياى (آیا میں تیرے پاس تیرے آنے کی وجہ سے میرے پاس) اس میں جئت کا فاعل متکلم ہے اور مجی کا فاعل مخاطب ہے، دونوں کا فاعل متحد نہیں، اس لئے لمجیئک سے لام حذف نہیں ہوا۔

(۲) دوسری شرط یہ ہے کہ مفعول لہ کا زمانہ اور اس کے فعل کا زمانہ ایک ہو، اس کی تین صورتیں ہیں:

(۱) دونوں کا زمانہ بالکل متحد ہو، جیسے: ضربته تاديبا کہ ضرب اور تادیب دونوں کا زمانہ بالکل ایک ہے۔

(۲) فعل کا زمانہ مفعول لہ کے زمانہ کا جز ہو، جیسے: قعدت عن الحرب جبنا کہ بزدلی پہلے سے ہے اور قعود عن الحرب کا زمانہ اس کا جزء ہے۔

(۳) اس کا عکس ہو، یعنی مفعول لہ کا زمانہ اپنے فعل کے زمانہ کا جزء ہو، جیسے: شھدتُ الحروبَ ایقاعاً للصلح (میں لڑائی میں صلح کرانے کے لئے حاضر ہوا) ظاہر ہے کہ سارا وقت صرف صلح کرانے میں ہی خرچ نہ ہوگا، بلکہ دوسری ضروریات میں بھی صرف ہوگا، تو شھود کا زمانہ کل ہوا اور ایقاع صلح کا زمانہ اس کا جزء ہوا۔

اگر مفعول لہ اور اس کے فعل کا زمانہ متحد نہ ہو اور ان تینوں صورتوں میں سے کوئی صورت نہ پائی جائے تو مفعول لہ سے لام حذف نہ ہوگا، جیسے: اکرمتک الیوم لوعدی بذلک أمس، اس مثال میں اکرام کا زمانہ آج ہے اور وعدہ کا زمانہ کل گذشتہ ہے، اس لئے لوعدی سے لام حذف نہیں ہوا۔

## (۵) مفعول معہ:

**المفعول معه هو مذكور بعد الواؤ لمصاحبة معمول فعل لفظاً أو معنىً.**

**ترجمہ:** مفعول معہ وہ ایسا اسم ہے جو مذکور ہو واؤ کے بعد، فعل کے معمول کے ساتھ ہونے کو بتانے کے لئے، لفظی ہو یا معنوی۔

**تشریح:** مفاعیل خمسہ میں سے پانچواں اور آخری مفعول، مفعول معہ ہے۔ مفعول معہ وہ اسم ہے جو اس واؤ کے بعد مذکور ہو جو فعل کے معمول کی مصاحبت کے لئے آتی ہے، وہ فعل خواہ لفظوں میں موجود ہو یا لفظوں میں موجود نہ ہو، بلکہ معنوی ہو۔ مصاحبت کا مطلب یہ ہے کہ وہ واؤ یہ بتاتی ہے کہ یہ اسم اس معمول کے ساتھ حکم میں شریک ہے، اگر فعل کا معمول فاعل ہے تو صدور فعل میں مصاحبت ہوگی یعنی فاعل کی طرح مفعول معہ سے بھی فعل کا صدور ہوگا، جیسے: استوی الماء والخشبة (پانی لکڑی کے ساتھ برابر ہوگیا) اس مثال میں الخشبة برابر ہونے میں الماء کے ساتھ شریک ہے۔

اور اگر فعل کا معمول مفعول بہ ہے تو وقوع فعل میں مصاحبت ہوگی، یعنی مفعول بہ کی طرح مفعول معہ پر بھی فعل واقع ہوگا، جیسے: کفاک وزیداً درھمٌ اس مثال میں زیداً وقوع فعل میں ک ضمیر کے ساتھ شریک ہے۔

اور مفعول معہ کا عامل کبھی تو لفظوں میں موجود ہوتا ہے، جیسے: استوی الماء والخشبة وغیرہ میں، اور کبھی عامل معنوی ہوتا ہے، جیسے: مالک وزیداً کہ اس مثال میں فعل لفظوں میں موجود نہیں، لیکن مالک سے ماتصنع کے معنی سمجھے جاتے ہیں، اس لئے اس کو فعل معنوی کہتے ہیں۔

**فائدہ:** مفعول معہ کی چار صورتیں ہیں: (۱) فعل لفظوں میں ہو اور معیت فاعل کے ساتھ ہو، جیسے: جَاءَ الْبَرْدُ وَالْجُبَّاتِ (سردی جبّوں کے ساتھ آئی)

(۲) فعل لفظوں میں ہو اور معیت مفعول کے ساتھ ہو، جیسے: کَفَاکَ وَزَیْدًا دِرْهَمٌ (تیرے اور زید کے لئے ایک درہم کافی ہے)

(۳) فعل معنوی ہو اور معیت فاعل کے ساتھ ہو، جیسے: مَالَکَ وَزَیْدًا (آپ کو زید سے کیا لینا)

(۴) فعل معنوی ہو اور معیت مفعول کے ساتھ ہو، جیسے: حَسْبُکَ وَزَیْدًا دِرْهَمٌ (آپ کے لئے اور زید کے لئے ایک درہم کافی ہے)

---

**فإن كان الفعل لفظاً وجاز العطف فالوجهان مثل جئت انا وزيدٌ وزيداً وإلّا تعين النصبُ مثل جئتُ وزيداً .**

---

**ترجمہ:** پس اگر فعل لفظی ہو اور عطف بھی جائز ہو تو دو وجہیں (جائز) ہیں، جیسے: جئت أنا وزیدٌ وزیداً، ورنہ تو نصب متعین ہے، جیسے: جئتُ وزیداً

**تشریح:** مفعول معہ کا عامل یعنی فعل کبھی لفظوں میں موجود ہوتا ہے اور کبھی موجود نہیں ہوتا، بلکہ معنی کے اعتبار سے مفہوم ہوتا ہے۔ مصنفؒ یہاں سے دونوں کے احکام بیان کررہے ہیں، فرماتے ہیں کہ اگر فعل لفظوں میں موجود ہو اور مفعول معہ کا عطف فعل کے معمول پر کرنا درست ہو تو دو صورتیں جائز ہیں:

(۱) عطف کر کے فعل کے معمول پر جو اعراب ہے وہی اعراب مفعول معہ کو دیا جائے۔

(۲) مفعول معہ بنا کر نصب دیا جائے۔

جیسے: جئت انا وزیدٌ اس مثال میں زید کا عطف جئت کی ضمیر متصل پر ہو سکتا ہے، کیونکہ قاعدہ ہے کہ جب ضمیر متصل کی تاکید ضمیر منفصل کے ذریعہ لائی جائے تو اس ضمیر متصل پر کسی اسم کا عطف کرنا صحیح ہے، اور ضمیر متصل فاعل ہے اور مرفوع ہے، لہٰذا زیدٌ پر بھی وہی اعراب آئے گا اور مفعول معہ بنا کر نصب پڑھنا بھی جائز ہے، جیسے: جئت أنا وزیداً۔

اور اگر مفعول معہ کا عطف فعل کے معمول پر کرنا درست نہ ہو تو نصب پڑھنا متعین ہوگا، جیسے: جئت وزیداً، اس مثال میں ضمیر مرفوع متصل کی تاکید ضمیر مرفوع منفصل کے ذریعہ نہیں لائی گئی، اس لئے عطف صحیح نہیں، اس وجہ سے مفعول معہ پر صرف نصب آئے گا، رفع پڑھنا صحیح نہیں۔

**وإن كان معنىً وجاز العطف تعين العطف نحو مالزيدٍ وعمروٍ وإلا تعين النصب مثل مالك وزيداً وماشانك وعمرواً لأن المعنى ماتصنع.**

**ترجمہ:** اور اگر فعل معنوی ہو اور عطف جائز ہو تو عطف متعین ہے، جیسے: مالزیدٍ وعمروٍ، ورنہ تو نصب متعین ہے، جیسے: مالک وزیداً اور ماشانک وعمرواً، اس لئے کہ معنی ما تصنع کے ہیں۔

**تشریح:** مطلب یہ ہے کہ اگر فعل معنوی ہو اور مفعول معہ کا فعل کے معمول پر عطف کرنا جائز ہو تو عطف متعین ہوگا یعنی معطوف علیہ کا جو اعراب ہوگا وہی اعراب واوٗ کے بعد والے اسم کا بھی ہوگا، جیسے: مالزیدٍ وعمروٍ، (زید اور عمرو کو ایک دوسرے سے کیا لینا) اس مثال میں فعل معنوی ہے اور عمرو کا عطف زید پر صحیح ہے، اس لئے عطف ہی کیا جائے گا اور زید کی طرح عمرو بھی مجرور ہوگا اور اس میں فعل معنوی ہونے کی وجہ آگے مصنفؒ خود بیان فرمائیں گے۔

اور اگر فعل معنوی ہو اور عطف صحیح نہ ہو تو پھر نصب متعین ہوگا، جیسے: مالک وزیداً (آپ کو زید سے کیا لینا) وماشانک وعمرواً (آپ کا اور عمرو کا کیا حال ہے؟) ان

مثالوں میں عطف اس وجہ سے صحیح نہیں کہ لک اور شانک میں کاف ضمیر مجرور متصل ہے، پہلی مثال میں لام کی وجہ سے اور دوسری مثال میں مضاف کی وجہ سے۔ اور ضمیر مجرور پر عطف اعادۂ جار کے بغیر درست نہیں، جب کہ ان مثالوں میں زید پر لام کا اور عمرو پر شان کا اعادہ نہیں کیا گیا، اس وجہ سے عطف ناجائز ہے، لہٰذا واؤ کے بعد والے اسم پر نصب متعین ہوگا۔

ان مثالوں میں فعل معنوی اس وجہ سے ہے کہ معنیٰ ماتصنع وغیرہ کے ہیں، یعنی پہلی مثال میں مایصنع کے معنیٰ اس طرح ہوں گے: مایصنع زید وعمرواً اور دوسری وتیسری مثال میں ماتصنع کے معنیٰ اس طرح ہوں گے: ماتصنع وزیداً، ماتصنع وعمرواً۔ واللہ اعلم

## (۶) حال:

**الحال مایبین هیئة الفاعل او المفعول به لفظاً او معنىً نحو ضربت زيداً قائماً وزيدٌ فى الدار قائماً وهٰذا زيدٌ قائماً.**

**ترجمہ:** حال وہ اسم ہے جو فاعل یا مفعول بہ کی حالت بیان کرے وہ فاعل یا مفعول بہ لفظی ہو یا معنوی، جیسے: ضربت زيداً قائماً الخ۔

**تشریح:** حال کے لغوی معنیٰ تغیر وتبدل کے ہیں، اور اصطلاحی معنیٰ یہ ہیں: حال ایسے اسم کو کہتے ہیں جو فاعل یا مفعول بہ[۱] کی حالت بیان کرے۔ تعریف میں أو تردید کیلئے ہے،

---

[۱] فاعل یا مفعول بہ عام ہیں، خواہ حقیقۃً ہوں یا حکماً، اس میں مفعول معہ اور مفعول مطلق بھی شامل رہیں گے، لہٰذا حال ان سے بھی واقع ہوگا، کیونکہ اگرچہ مفعول معہ حقیقۃً فاعل یا مفعول بہ نہیں ہے، لیکن وہ صدور فعل میں فاعل کے اور وقوع فعل میں مفعول کے مصاحب ہوتا ہے، اس لئے وہ بھی حکماً فاعل یا مفعول بہ ہے، جیسے: جئت وزيداً راكبين میں مفعول معہ سے حال ہے۔

اسی طرح مفعول مطلق سے بھی مفعول بہ کی تاویل میں ہوکر حال واقع ہوسکتا ہے۔ جیسے: ضربت الضرب شديداً، احدثت الضرب شديداً کے معنیٰ میں ہے، البتہ مفعول مطلق سے حال واقع ہونے کے لئے مفعول مطلق کا معرفہ ہونا ضروری ہے، کیونکہ ذوالحال معرفہ ہوتا ہے۔ (بقیہ صفحہ آئندہ)

اور یہ قضیہ مانعۃ الخلو ہے، مطلب یہ ہے کہ حال وہ اسم ہے جو فاعل یا مفعول یا دونوں کی حالت بیان کرے، جیسے: ضرب زیدٌ عمرواً راکبین میں فاعل ومفعول دونوں سے حال ہے۔

تعریف میں لفظ ماجنس ہے جو تمام اسماء کو شامل ہے، ہیئت کے ذکر سے تمیز خارج ہوئی، کیونکہ تمیز ذات سے ابہام کو دور کرتی ہے، ہیئت بیان نہیں کرتی۔

**لفظاً أو معنیً**: أی سواء کان الفاعل او المفعول بہ لفظیاً او معنویاً یعنی جس فاعل یا مفعول سے حال واقع ہے وہ لفظی ہو یا معنوی۔ لفظی کا مطلب یہ ہے کہ فاعل کی فاعلیت اور مفعول کی مفعولیت کلام کے لفظ سے سمجھی جارہی ہو، کسی ایسے معنی کا اعتبار نہ کرنا پڑتا ہو جو کلام سے خارج ہو۔

پھر لفظی کی دو قسمیں ہیں: حقیقۃً ملفوظ ہو یا حکماً، اور معنوی کا مطلب یہ ہے کہ فاعل کی فاعلیت اور مفعول کی مفعولیت کلام کے الفاظ سے معلوم نہ ہو، بلکہ کسی ایسے امر معنوی کے اعتبار سے فاعلیت یا مفعولیت کا علم ہو جو کلام سے خارج ہو۔

**مثالیں**: (۱) ضربت زیداً قائماً یہ لفظی حقیقی کی مثال ہے، کیونکہ قائماً یا تو ضربت کی ضمیر سے حال ہے یا زیداً سے حال ہے، اور وہ دونوں حقیقۃً ملفوظ ہیں۔

(۲) زیدٌ فی الدار قائماً: یہ لفظی حکمی کی مثال ہے اس میں فی الدار استقرّ یا ثابتٌ کے متعلق ہو کر خبر ہے، اور استقرّ یا ثابتٌ کی ضمیر زیدٌ کی طرف راجع ہے، اس ضمیر سے قائماً حال واقع ہے اور ضمیر مستتر حکماً ملفوظ ہوا کرتی ہے۔

---

(بقیہ صفحہ گذشتہ) اور اگر تعریف میں یبین مضارع معروف کے بجائے تبین مضارع مجہول یا ماضی معروف پڑھا جائے تو پھر یہ کی قید المفعول کے ساتھ نہیں رہے گی، بلکہ یہ فعل کے متعلق ہوگی اور ضمیر ما کی طرف لوٹے گی، اور المفعول سے مراد ہر ایک مفعول ہوگا۔ ترجمہ یہ ہوگا: "حال وہ اسم ہے جس کے ذریعہ فاعل یا مفعول کی حالت بیان کی جائے"۔ پھر مفعول معہ وغیرہ کو داخل کرنے کے لئے کسی تاویل کی ضرورت نہیں۔ واللہ اعلم

(۳) ھٰذا زیدٌ قائماً: یہ مفعول معنوی سے حال واقع ہونے کی مثال ہے، اس مثال میں زید مفعول بہ ہے، لیکن اس کی مفعولیت کلام سے نہیں سمجھی جارہی ہے، بلکہ لفظ ھٰذا سے أشیر اور انبہُ کے معنی سمجھے جاتے ہیں اور اس سے زید کا مفعول ہونا سمجھا جاتا ہے، اسی سے قائماً حال واقع ہے۔

**وعاملها الفعل أو شبهه او معناه .**

**ترجمہ:** اور اس کا عامل فعل ہوتا ہے یا شبہ فعل یا معنی فعل۔

**تشریح:** مصنفؒ فرماتے ہیں کہ حال کا عامل یا تو فعل ہوگا یا شبہ فعل یا معنی فعل، شبہ فعل میں اسم فاعل، اسم مفعول، صفت مشبہ، اسم تفضیل اور مصدر سب داخل ہیں، مثلاً زیدٌ ذاهبٌ ركباً، زيدٌ مضروبٌ قائماً ، زيدٌ حسنٌ ضاحكاً، هٰذا بسراً أطيب منه رطباً، ضربني زيداً قائماً ۔

اور معنی فعل کا مطلب یہ ہے کہ فعل نہ تو صراحۃً موجود ہو اور نہ مقدر، بلکہ مضمون کلام سے فعل کے معنی مفہوم ہوں، معنی فعل میں اسم اشارہ، اسم فعل، نداء، تمنی، ترجی اور تشبیہ وغیرہ سب داخل ہیں، مثلاً: ھٰذا زیدٌ قائماً میں معنی فعل أشیر ہے، اوریا زید راكباً میں ادعو ہے، علیک زیداً راكباً میں الزم ہے، لیتک عندنا قائماً میں أتمنّٰی ہے، لعله في الدار قاعداً میں اَترجّی ہے اور كانه أسد صائلاً میں أشبّهُ معنی فعل ہیں۔

**وشرطها أن تكون نكرةً وصاحبها معرفةً غالباً.**

**ترجمہ:** اور اس (حال) کی شرط یہ ہے کہ وہ نکرہ ہو اور اس کا صاحب (ذوالحال) اکثر معرفہ ہو۔

**تشریح:** مطلب یہ ہے کہ حال کے لئے دو شرطیں ہیں:

(۱) ایک تو یہ کہ وہ نکرہ ہو، کیونکہ اگر حال معرفہ ہوگا تو صفتِ منصوب کے ساتھ التباس لازم آئے گا، مثلاً: ضربتُ زیداً قائماً تو اگر قائماً کو معرفہ لائیں اور زیدًا القائمَ کہیں تو پتہ نہیں چلے گا کہ وہ زیداً کی صفت ہے یا اس سے حال ہے۔

(۲) دوسری شرط یہ ہے کہ ذوالحال معرفہ ہو، اس کی وجہ یہ ہے کہ ذوالحال محکوم علیہ ہوتا ہے اور محکوم علیہ کا معرفہ ہونا ضروری ہے۔ اور وہ محکوم علیہ اس لئے ہوتا ہے، کیونکہ ذوالحال اور حال مبتدا و خبر کے معنی میں ہیں۔

لیکن ذوالحال کے معرفہ ہونے کی شرط اکثری ہے، یعنی اکثر مواقع میں ذوالحال کا معرفہ ہونا شرط ہے، کچھ مواقع ایسے بھی ہیں جن میں ذوالحال کا معرفہ ہونا شرط نہیں، بلکہ ان مواقع میں ذوالحال نکرہ ہوتا ہے[1]۔

---

[1] وہ مواقع جن میں ذوالحال نکرہ ہوتا ہے، پانچ ہیں:

(۱) ذوالحال نکرۂ موصوفہ ہو، جیسے: جاء نی رجل من بنی تمیم فارساً۔

(۲) ذوالحال نکرہ ہو اور اس میں ایسی تخصیص پیدا ہو جائے کہ معرفہ کی ضرورت باقی نہ رہے، جیسے: فیھا یفرق کل امر حکیم امراً من عندنا کہ اس میں کل امر میں تمام افراد کا احاطہ ہو گیا اور تخصیص کی ضرورت باقی نہیں رہی۔

(۳) ذوالحال نکرہ ہو اور تحت الاستفہام واقع ہو، جیسے: ھل اتاک رجل راکباً، کیونکہ متکلم کا مخاطب سے کسی شئی کے بارے میں دریافت کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ مخاطب کو مستفہم عنہ کا علم ہے، لہٰذا اس میں نکارت محضہ نہیں رہی۔

(۴) ذوالحال نکرہ منفیہ ہو اور حال اِلّا کے معنی ختم ہو جائیں، جیسے: ماجاء نی رجلٌ اِلّا راکباً، کہ اس میں نفی اور اِلّا کی وجہ سے حصر ہوگا اور تخصیص ہو جائے گی۔

(۵) حال ذوالحال پر مقدم ہو جائے، جیسے: ماجاء نی راکباً رجلٌ، کہ اس میں تقدیم کی وجہ سے تخصیص پیدا ہو جائے گی۔

ان پانچ صورتوں میں معرفہ ہونا اس وجہ سے ضروری نہیں، کیونکہ یہ سب صورتیں ایسی ہیں جن میں کسی نہ کسی اعتبار سے تخصیص حاصل ہو گئی ہے، اب مزید تعریف کی ضرورت نہیں رہی۔

تو ایک قسم تو ذوالحال کی یہ پانچ صورتیں ہیں، دوسری قسم ان پانچ مواقع کے علاوہ ہیں اور زیادہ تر ذوالحال کے مواقع ان پانچ کے علاوہ ہی ہیں، جن میں معرفہ ہونا شرط ہے، اس لئے مصنفؒ نے غالباً کہا۔

**وأرسلها العراک ومررت بہ وحدہ ونحوہ متأوّلٌ .**

**ترجمہ:** اورأرسلها العراک اورمررت بہ وحدہ اوران جیسی مثالوں میں تاویل کی گئی ہے۔

**تشریح:** یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ ابھی آپ نے قاعدہ بیان کیا ہے کہ حال کے لئے نکرہ ہونا ضروری ہے، لیکن ارسلھا العراک وغیرہ مثالوں میں حال معرفہ ہے۔ جواب یہ ہے کہ ان مثالوں میں تاویل کرلی گئی ہے، ان میں دو تاویلیں کی گئی ہیں:

(۱) یہ حال نہیں، بلکہ مفعول مطلق ہیں اوران سے پہلے فعل محذوف ہے، مثلاً: العراک سے پہلے تعترک، اور وحدہ سے پہلے ینفرد یاانفردت، اور وحدہ، انفرادہ کے معنی میں ہے، اوراسی طرح فعلتہ جھدک میں جھدک سے پہلے فعل تجتھد محذوف ہے۔

(۲) دوسری تاویل یہ ہے کہ یہ حال ہی ہیں، لیکن نکرہ کی تاویل میں ہیں، چنانچہ العراک، معترکۃ کے اور وحدہ، منفرداً کے اور جھدک، مجتھداً کے معنی میں ہے، جیسے: حسن الوجہ کہ یہ صورۃً معرفہ ہے، مگر حقیقۃً نکرہ ہے، اسی طرح یہ بھی حقیقۃً نکرہ ہیں۔

**فائدہ:** وأرسلها الخ یہ شاعر اسلام حضرت لبیدؓ کے ایک شعر کا جزء ہے، پورا شعر اس طرح ہے:

وأرسلها العِراک ولم یَذُدُها ۞ وَلَمْ یُشْفِقْ عَلی نَغْصِ الدِّخَالِ

مطلب یہ ہے کہ حمار وحشی نے اپنی مادینوں کو ایک ساتھ چھوڑ دیا اوران کو جمع ہونے سے نہیں روکا، اور نہ اس بات کا اندیشہ کیا کہ وہ ایک ساتھ سب کے سب جاکر پانی پینے سے ہوسکتا ہے کہ سیراب نہ ہوں۔

اس شعر میں حضرت لبیدؓ نے اپنے چشم دید ایک واقعہ کی منظر کشی کی ہے، قصہ یہ ہے کہ ایک دن حضرت لبیدؓ ایک مقام پر تھے، وہاں دیکھا کہ ایک حمار وحشی نے اپنی مادینوں (مؤنث نیل گایوں) کو پانی پینے کے لئے ایک دم سے پورے غول کے غول کو چھوڑ دیا اور

خودنگرانی کے لئے کھڑا ہوگیا، تا کہ کوئی شکاری ان پر حملہ نہ کرے، اس پر حضرت لبیدؓ نے یہ شعر کہا۔ نغص کا مطلب سیراب نہ ہونا، اور دخال کی صورت یہ ہے کہ ایک اونٹ کو پانی پلاکر پھر اس کو اس کے بندھنے کی جگہ بھیج دیا جائے، اس کے بعد دو پیاسے اونٹوں کے درمیان لے جاکر پھر پانی پلایا جائے، تا کہ پہلی مرتبہ اگر کچھ کمی رہ گئی ہو تو ان اونٹوں کو پانی پیتے ہوئے دیکھ کر پھر پی لے اور سیراب ہو جائے، اس طرح ہر اونٹ کے ساتھ کیا جائے۔

**فإن كان صاحبها نكرةً وجب تقديمها .**

**ترجمہ:** پس اگر اس کا صاحب (ذوالحال) نکرہ ہو تو اس کا مقدم کرنا واجب ہے۔

**تشریح:** مطلب یہ ہے کہ ذوالحال اکثر مواقع میں تو معرفہ ہوتا ہے اور حال پر مقدم ہوتا ہے، لیکن بعض مواقع میں ذوالحال منصوب ہو تو اس صورت میں اگر حال کو مقدم نہیں کریں گے تو حال کا صفت کے ساتھ التباس ہو جائے گا، جیسے: رأیت رجلاً راکباً کہ اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ راکباً رجلاً کی صفت ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ رجلاً کا حال ہو، لیکن اگر راکباً کو مقدم کردیں گے تو حال ہونا متعین ہو جائے گا، کیونکہ صفت اپنے موصوف پر مقدم نہیں ہوتی، جب کہ حال ذوالحال پر مقدم ہو سکتا ہے، اور جب نصب کی حالت میں مقدم کیا تو باقی حالتوں (رفع وجر) میں بھی باب کی موافقت کی وجہ سے مقدم کردیا، اگرچہ ان دو صورتوں میں التباس لازم نہیں آتا۔

**ولا يتقدم على العامل المعنوي بخلاف الظرف ولا على المجرور على الاصح .**

**ترجمہ:** اور حال عامل معنوی پر مقدم نہیں ہوتا ہے برخلاف ظرف کے اور مجرور پر اصح مذہب پر۔

**تشریح:** مصنفؒ اس عبارت میں حال کے سلسلہ میں تین احکام بیان فرماتے ہیں:

(۱) پہلا حکم تو یہ ہے کہ حال کا عامل اگر معنوی ہو تو حال اس پر مقدم نہیں ہوسکتا، اس لئے کہ عامل معنوی ضعیف عامل ہے وہ اپنے ضعف کی وجہ سے معمول مقدم میں عمل نہیں

کرسکتا، جیسے: ھٰذا زیدٌ قائماً میں قائماً کو ھٰذا پر مقدم کرنا درست نہیں①۔

(۲) بخلاف الظرف: اس کے دو مطلب ہوسکتے ہیں: (۱) حال اپنے عامل معنوی پر مقدم نہیں ہوسکتا، لیکن اگر حال میں ظرف عامل ہو (ظرف کے عامل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کا متعلق عامل ہو) تو اس پر حال مقدم ہوسکتا ہے، جیسے: زیدٌ قائماً فی الدار، ای زید قائماً استقر / مستقر فی الدار.

(۲) دوسرا مطلب یہ ہے کہ حال عامل معنوی پر مقدم نہیں ہوتا، لیکن ظرف کا یہ حکم نہیں؟ بلکہ وہ عامل معنوی پر مقدم ہوجاتا ہے، کیونکہ ظرف میں وسعت بہت زیادہ ہے، جیسے: وقت القیام لیتک عندنا.

(۳) تیسرا حکم یہ ہے کہ جس طرح حال اپنے عامل معنوی پر مقدم نہیں ہوسکتا اسی طرح حال اپنے ذوالحال مجرور پر بھی مقدم نہیں ہوسکتا۔

مجرور کی دو صورتیں ہیں: (۱) مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے مجرور ہو (۲) حرف جر کی وجہ سے مجرور ہو، اگر مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے مجرور ہو تو تمام نحاۃ کا اتفاق ہے کہ ایسے ذوالحال پر حال مقدم نہ ہوگا، کیونکہ مضاف الیہ پر مقدم ہونے کی دو صورتیں ہیں: (۱) یا تو حال صرف مضاف الیہ پر مقدم ہو (۲) یا مضاف پر بھی مقدم ہو، یہ دونوں صورتیں درست نہیں۔ مضاف الیہ پر حال کے مقدم نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس صورت میں مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان فصل لازم آئے گا۔

---

① یہاں پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ ابھی قاعدہ بیان کیا گیا کہ حال عامل معنوی پر مقدم نہیں ہوتا، لیکن زیدٌ قائمٌ کعمرو قاعداً میں قائماً، زید سے حال ہے، اور اس میں عامل تشبیہ کے معنی ہیں، جو کعمرو میں کاف سے سمجھ میں آتے ہیں اور وہ عامل معنوی ہے جس پر قائماً حال مقدم ہے۔

**جواب:** یہ مثال اور اس جیسی مثالیں ایک قاعدہ کی وجہ سے اس حکم سے خارج ہیں۔ قاعدہ یہ ہے کہ جب دو حال دو مختلف اسموں سے یا ایک اسم سے دو مختلف اعتباروں سے واقع ہوں تو ہر حال کے لئے ضروری ہے کہ اپنے ذوالحال سے متصل ہو، اس مثال مذکور میں یہی بات پائی جاتی ہے، اس مجبوری کی وجہ سے ہر حال اپنے ذوالحال کے متصل ہے، تاکہ ایک کا حال دوسرے کے حال سے ملتبس نہ ہوجائے۔

اور مضاف پر مقدم نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ حال ذوالحال کے تابع ہوتا ہے، اور ذوالحال چونکہ مضاف الیہ ہے، اور قاعدہ ہے کہ مضاف الیہ مضاف پر مقدم نہیں ہوسکتا تو جو اس کا تابع ہے یعنی حال، وہ کس طرح مضاف پر مقدم ہوجائے گا؟

اور اگر ذوالحال حرفِ جر کی وجہ سے مجرور ہوتو مصنفؒ اور اکثر نحاۃ کے نزدیک اس پر بھی حال مقدم نہیں ہوسکتا اسی وجہ سے علی الأصح کہا۔①

**وکل مادل علی هیئة صحّ أن یقع حالاً، مثل هٰذا بُسرًا أطیب منه رطباً.**

**ترجمہ:** اور ہر وہ اسم جو کسی حالت اور صفت پر دلالت کرے اس کا حال بنا صحیح ہے، جیسے: هٰذا بسراً أطیب منه رطباً (یہ کھجور کھٹ میٹھا ہونے کی حال میں اچھا ہے اسی کھجور سے درآں حالیکہ خوب میٹھا ہو)

**تشریح:** مصنفؒ اس عبارت میں یہ بات فرماتے ہیں کہ جو اسم بھی ہیئت پر دلالت کرے یعنی جس اسم سے بھی فاعل یا مفعول کی حالت معلوم ہوجائے وہ حال واقع ہوسکتا ہے، خواہ وہ اسم جامد ہو یا مشتق۔ حال کے لئے مشتق ہونا ہی کوئی ضروری نہیں، لہٰذا اگر جامد حال واقع ہوتو اس کو مشتق کی تاویل میں کرنے کی ضرورت نہیں، یہ مصنفؒ کا مسلک ہے۔

جمہور نحاۃ کے نزدیک اسم جامد کا حال واقع ہونا صحیح نہیں، اگر وہ حال واقع ہوتو مشتق کی تاویل میں کیا جائے گا، البتہ مصنفؒ کے نزدیک بھی حال کا مشتق ہونا ہی اغلب ہے۔

① بعض نحاۃ کے نزدیک اس صورت میں حال مقدم ہوسکتا ہے، ان کا استدلال قرآن کریم کی آیت: "وما أرسلنک إلّا کافّةً للناس" سے ہے کہ اس آیت میں کافّةً، ناس سے حال ہے اور وہ حرفِ جار کی وجہ سے مجرور ہے، اس کے تین جواب دیے گئے ہیں:

(۱) کافّةً کی ضمیر مفعول سے حال ہے نہ کہ ناس سے اور تاء اس میں مبالغہ کے لئے ہے۔

(۲) کافّةً حال نہیں، بلکہ مفعول مطلق کی صفت ہے، تقدیری عبارت اس طرح ہے: إلّا رسالةً کافّةً.

(۳) کافّةً ہی مفعول مطلق ہے، تقدیری عبارت یہ ہے: یکفُ کافّةً.

**مثال کی توضیح:** اس مثال میں بسراً اور رطباً حال ہیں اور جامد ہیں، لیکن چونکہ یہ دونوں ہیئت اور صفت پر دلالت کرتے ہیں، اس لئے حال واقع ہونا صحیح ہوگا۔ بُسر کھجور کو کہتے ہیں جس کے اندر گدراپن ہو یعنی کھٹا میٹھا ہو اور رطب پختہ کھجور کو کہتے ہیں جس میں صرف مٹھاس ہو، تو چونکہ بسر کھجور کے گدراپن اور رطب کھجور کی پختگی پر دلالت کررہا ہے اور کھجور کی یہ دونوں صفت ہیں، اس لئے ہیئت پر دلالت کرنے کی وجہ سے ان کا حال بننا درست ہوگیا، تاویل کی ضرورت نہیں۔

البتہ جن کے نزدیک حال کا مشتق ہونا ضروری ہے ان کے نزدیک بسراً کو مبسراً اور رطباً کو مرطباً کی تاویل میں کیا جائے گا، نیز رطباً میں باتفاق نحاۃ أطیب عامل ہے اور محققین کے نزدیک بسراً میں بھی أطیب ہی عامل ہے۔

---

وقد تكون حال جملةً خبريةً .

---

**ترجمہ:** اور کبھی حال جملہ خبریہ ہوتا ہے۔

**تشریح:** لفظ قد تقلیل کے لئے آتا ہے، مطلب یہ ہے کہ اصل تو یہی ہے کہ حال مفرد ہو، کیونکہ حال خبر کے درجہ میں ہوتا ہے، اور خبر میں اصل مفرد ہونا ہے، اس لئے حال بھی مفرد ہوگا، لیکن کبھی کبھی جملہ بھی ہوجاتا ہے، کیونکہ حال کا مقصد یہ ہے کہ وہ فاعل یا مفعول کی حالت بیان کرے، اور یہ مقصد کبھی جملہ سے بھی حاصل ہوجاتا ہے، اس لئے حال کا جملہ ہونا بھی صحیح ہے، اور جملہ خبریہ لانے کی وجہ یہ ہے کہ حال محکوم بہ اور خبر کے درجہ میں ہے اور جملہ خبریہ بھی محکوم بہ بن جاتا ہے، جملہ انشائیہ بغیر تاویل کے محکوم بہ نہیں بن سکتا۔

**فائدہ:** حال کی اولاً دو قسمیں ہیں: (۱) محققہ (۲) مقدرہ۔

محققہ کی مثال، جیسے: جاء زیدٌ راکباً کہ اس میں زید کا آنا درحقیقت بوقت رکوب ہوا ہے۔

اور مقدرہ کی مثال، جیسے: فادخلوها خالدين، اہل جنت سے کہا جائے گا کہ جنت میں اس حال میں داخل ہوجاؤ کہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہو۔ ظاہر ہے کہ ابھی دخول کے ساتھ خلود نہیں ہے، لیکن خلود کو اہل جنت کے لئے مان کر ان سے ادخلوها کہا گیا۔

پھر حال کی سات قسمیں ہیں:

(۱) **حال منتقلہ**: جو ذوالحال سے جدا ہو جائے، جیسے: **جاء نی زیدٌ راکبا** کہ رکوب، زید سے جدا ہو سکتا ہے۔

(۲) **مؤکدہ**: جو اکثر اوقات ذوالحال سے جدا نہیں ہوتا، جیسے: **زیدٌ ابوک عطوفاً** کہ عطوفت اور مہربانی اکثر اوقات باپ سے لازم رہتی ہے۔

(۳) **دائمہ**: وہ حال ہے جو کبھی ذوالحال سے جدا نہیں ہوتا، جیسے: **وکفیٰ باللہ شھیداً**.

(۴) **متداخلہ**: وہ حال ہے جو حال کی ضمیر سے حال ہو، جیسے: **جاء نی زیدٌ راکباً ضاحکاً**.

(۵) **مترادفہ**: وہ حال ہے جو ایک ہی ذوالحال سے کئی حال ہوں، جیسے: **جاء نی زیدٌ راکباً عالماً**.

(۶) **مطلوبہ**: وہ حال ہے جس کا ذوالحال مطلوب ہو۔

(۷) **معنویہ**: وہ حال ہے جس کا عامل محذوف ہو، جیسے: **زیدٌ فی الدار قائماً**.

پھر مؤکدہ کی دو قسمیں ہیں:

(۱) وہ حال جو اپنے عامل کو مؤکد کرے، جیسے: **ثم ولیتم مدبرین** کہ **ادبار**، **تولیۃ** کی تاکید ہے، اور **ولا تعثوا فی الأرض مفسدین** کہ **افساد**، **عثی** کی تاکید ہے، کیونکہ دونوں کے ایک ہی معنی ہیں۔

(۲) وہ حال ہے جو مضمونِ جملہ کی تاکید کرے، جیسے: **زیدٌ ابوک عطوفاً** کہ **عطوفاً** مضمون جملہ کی تاکید ہے۔

---

**فالاسمیة بالواوٗ والضمیر أو بالواوٗ أو بالضمیر علی ضعف.**

---

**ترجمہ**: چنانچہ جملہ اسمیہ واؤ اور ضمیر کے ساتھ مرتبط ہوگا یا صرف واؤ کے ساتھ یا صرف ضمیر کے ساتھ ضعف کے ساتھ۔

**تشریح**: ابھی اوپر بیان کیا کہ حال جملہ بھی ہوتا ہے، لیکن چونکہ جملہ فائدہ پہنچانے میں مستقل ہوتا ہے، دوسری شئی کے ساتھ ربط کو نہیں چاہتا، اور حال کا ذوالحال سے ربط ہوتا ہے، لہٰذا جب جملہ حال واقع ہو تو اس میں کسی رابط کا ہونا ضروری ہے، جو ذوالحال سے ربط پیدا کردے، تو یہاں سے مصنفؒ ربط کی تفصیل بیان فرمارہے ہیں۔

**حال واقع ہونے والے جملے**: جملہ خبریہ جو حال واقع ہوتا ہے اس کی اولاً دو قسمیں ہیں: (۱) جملہ اسمیہ (۲) جملہ خبریہ۔ پھر فعلیہ کی چار قسمیں ہیں: (۱) ماضی مثبت (۲) ماضی منفی (۳) مضارع مثبت (۴) مضارع منفی۔ گویا کل پانچ قسمیں ہوگئیں: (۱) جملہ اسمیہ (۲) فعل ماضی مثبت (۳) فعل ماضی منفی (۴) مضارع مثبت (۵) مضارع منفی۔

ان پانچ جملوں میں کبھی صرف واؤ رابط ہوتی ہے، کبھی صرف ضمیر، کبھی دونوں۔
مندرجہ بالا عبارت میں مصنفؒ نے جملہ اسمیہ میں رابط کی تفصیل بیان کی ہے۔

**جملہ اسمیہ میں ربط کی تفصیل**: جملہ اسمیہ میں ربط کی تین صورتیں ہیں:

(۱) واؤ ضمیر دونوں سے ربط ہو، اس کی وجہ یہ ہے کہ جملہ اسمیہ مستقل ہونے میں زیادہ قوی ہے، اس لئے رابط بھی قوی ہونا چاہئے، اور جب دونوں رابط جمع ہو جائیں گے تو ربط قوی ہو جائے گا، جیسے: جئت وأنا راكبٌ.

(۲) یا صرف واؤ سے ربط ہو، کیونکہ واؤ کی اصل وضع یہ ہے کہ ماقبل و مابعد دونوں کو جمع کردے، اور واؤ شروع میں آتا ہے، اس لئے شروع میں آنے کی وجہ سے ابتداء ہی سے وہ ربط پر دلالت کرتا ہے، جیسے: كنتُ نبياً وادم بين الماء والطين. ①

(۳) ربط کی تیسری صورت یہ ہے کہ تنہا ضمیر کے ساتھ ربط ہو، لیکن تنہا ضمیر کا رابط بنا

① واضح رہے کہ ربط کی مذکورہ بالا دونوں صورتیں حالِ منتقلہ میں ہیں، حالِ مؤکدہ میں ذوالحال اور حال کے درمیان شدتِ اتصال کی وجہ سے ربط کی ضرورت نہیں، کیونکہ حالِ موکدہ اور ذوالحال کے درمیان واؤ آجائے گا تو فصل ہو جائے گا، اتصال باقی نہیں رہے گا۔

ضعیف ہے، اس لئے کہ ضمیر کا شروع میں آنا ضروری نہیں، لہٰذا وہ ابتدا ہی سے ربط پر دلالت نہیں کرے گی، جیسے: کَلَّمْتُہٗ فُوْہُ اِلٰی فِیَّ (میں نے اس سے اس حال میں بات کی کہ اس کا منہ میرے منہ کی جانب تھا)

**والمضارع المثبت بالضمير وحده .**

**ترجمہ:** اور مضارع مثبت تنہا ضمیر کے ساتھ حال واقع ہوتا ہے۔

**تشریح:** یہاں تک مصنفؒ نے جملہ اسمیہ کے ربط کی تفصیل ذکر کی تھی، اب جملہ فعلیہ کے ربط کی تفصیل ذکر فرماتے ہیں، اوپر بیان کیا گیا کہ جملہ فعلیہ کی چار قسمیں ہیں: (۱) مضارع مثبت (۲) مضارع منفی (۳) ماضی مثبت (۴) ماضی منفی۔ مذکورہ بالا عبارت میں مثبت کے ربط کو بیان کیا گیا ہے۔

**مضارع مثبت کا ربط اور وجہ:** مصنفؒ فرماتے ہیں کہ اگر مضارع مثبت حال واقع ہو تو اس وقت اس میں ربط کے لئے ضمیر کافی ہے، اس لئے کہ مضارع مثبت کو اسم فاعل کے ساتھ مشابہت لفظی و معنوی دونوں ہیں، اور اسم فاعل میں ربط کے لئے ضمیر کافی ہے، لہٰذا مضارع میں بھی ضمیر کافی ہوگی۔

مضارع مثبت کو اسم فاعل کے ساتھ مشابہت لفظی تو اس طرح ہے کہ وہ اسم فاعل کے ساتھ تعداد حروف و حرکات و سکنات میں برابر ہے۔

اور مشابہت معنوی اس طرح ہے کہ مضارع مثبت کی جگہ اسم فاعل کا واقع ہونا صحیح ہے، جیسے: جاء نی زیدٌ یسرع کی جگہ جاء نی زیدٌ سارعاً کہنا صحیح ہے۔

**وماسواهما بالواؤ والضمير اوباحدهما ،ولا بدفى الماضى المثبت من قد ظاهرة اومقدرة .**

**ترجمہ:** اور ان دونوں کے ماسوا واؤ اور ضمیر دونوں کے ساتھ یا ان دونوں میں سے کسی ایک کے ساتھ مرتبط ہوتے ہیں، اور ضروری ہے ماضی مثبت میں قد، ظاہر ہو یا مقدر۔

**تشریح:** ماقبل میں ذکر کردہ پانچ قسموں کے جملوں میں سے جملہ اسمیہ اور فعل

مضارع مثبت میں ربط کی تفصیل اوپر بیان کردی گئی، اب باقی تین جملوں (فعل مضارع منفی، فعل ماضی مثبت اور فعل ماضی منفی) میں ربط کی صورتیں بیان کررہے ہیں۔

فرماتے ہیں کہ ان تینوں جملوں کے حال واقع ہونے کی صورت میں ربط کے لئے یا تو (۱) واؤ اور ضمیر دونوں لائے جائیں گے (۲) یا صرف واؤ لائی جائے گی (۳) یا صرف ضمیر لائی جائے گی۔ اوران میں سے کوئی صورت ضعیف نہیں، کیونکہ جملہ اسمیہ کے علاوہ باقی اور جملوں میں اس درجہ استقلال نہیں، اس لئے ان میں ربط کے لئے ضمیر کافی ہوسکتی ہے۔

**فعل مضارع منفی کے مثالیں:** جیسے: جاء نی زیدٌ ومایتکلم غلامہ، جاء نی زیدٌ ومایتکلم عمروٌ، جاء نی زیدٌ مایتکلم غلامہ۔

لیکن ماضی مثبت جب حال واقع ہو تو واؤ کے ساتھ ساتھ اس میں قد کا آنا ضروری ہے، خواہ لفظوں میں ہو یا پوشیدہ[1]۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ماضی زمانہ گذشتہ پر دلالت کرتا ہے، اور حال موجودہ زمانہ پر دلالت کرتا ہے اور ماضی وحال میں بعد اور دوری ہے، تو اس بعد کو قد کے ذریعہ دور کیا جاتا ہے، کیونکہ قد ماضی کو حال کے قریب کردیتا ہے۔

**فائدہ:** قد اگرچہ ماضی کو حالِ لغوی (زمانہ حال) کے قریب کرتا ہے، اور حال اصطلاحی (جس کی بحث چل رہی ہے) حال لغوی سے الگ چیز ہے، قد اس کے قریب نہیں کرتا، مگر چوں کہ حال لغوی اور حال اصطلاحی دونوں کا نام مشترک ہے، اس اشتراک کی وجہ سے مجازاً ایسا سمجھ لیا گیا، گویا قد ماضی کو حال اصطلاحی کے ہی قریب کرتا ہے۔

**فعل ماضی مثبت کی مثال:** جیسے: جاء نی زیدٌ وقد خرج غلامہ، جاء نی زید وقدرکب غلامہ، جاء نی زیدٌ وقد قرأ عمرو۔

---

[1] ماضی مثبت جب حال واقع ہو تو اس میں قد کا لانا (ظاہر ہو یا مقدر) بصریین کے نزدیک ضروری ہے، کوفیین کے نزدیک قد کا لانا نہ لفظاً ضروری ہے نہ تقدیراً، کیونکہ فعل، اسم فاعل کی طرح تجدد وحدوث پر دلالت کرتا ہے، اور اسم فاعل جب حال واقع ہو تو اس پر قد نہیں آتا۔ اسی طرح فعل ماضی میں بھی قد نہیں آئے گا، جیسے: جاء وکم حصرت صدورھم، ھذہ بضاعتنا ردت الینا، کیف تکفرون باللہ وکنتم امواتا۔

**قد کے مقدر ہونے کی مثال:** جیسے: جاء وکم حصرت صدورھم ای قد حصرت .

**فعل ماضی منفی کی مثال:** جیسے: جاء نی زیدٌ وما خرج غلامه، جاء نی زیدٌ ماخرج غلامه، جاء نی زیدٌ وماخرج بکرٌ.

ویجوز حذف العامل کقولک للمسافر راشداً مهدیاً .

**ترجمہ:** اور (حال کے) عامل کا حذف کرنا جائز ہے، جیسا کہ مسافر (سفر کا ارادہ کرنے والے) کو تیرا کہنا: راشداً مهدیاً .

**تشریح:** یعنی اگر کوئی قرینہ پایا جائے، قرینہ حالیہ ہو یا مقالیہ، تو حال کے عامل کو حذف کرنا جائز ہے، جیسے: کوئی شخص سفر کا ارادہ کرنے والے کو راشداً مهدیاً کہے، تو یہاں قرینہ حالیہ (سفر کے لئے سامان کی تیاری) کی وجہ سے سِر فعل کو حذف کر دیا گیا۔ راشد وہ شخص ہے جو خود راستہ جانتا ہو، اور مهدی وہ شخص ہے جس کو راستہ بتایا گیا ہو۔

**ترکیب:** مهدیاً یا تو راشداً کی صفت ہے، یا راشداً حالِ اول اور مهدیاً حال ثانی ہے۔

اور جیسے کوئی شخص کسی سے سوال کرے کیف جئت؟ اور اس کے جواب میں کہا جائے: راکباً ای جئت راکباً، تو یہاں سوال میں فعل کے قرینہ سے جواب سے فعل کو حذف کر دیا۔ اور جیسے: بلیٰ قادرین میں اس کا عامل نجمعها محذوف ہے، کیونکہ اس سے پہلی آیت: أیحسب الانسان ان لن نجمع عظامه میں اس کا قرینہ موجود ہے۔

ویجب فی المؤکدة مثل زیدٌ أبوک عطوفاً أی أحقه .

**ترجمہ:** اور (عامل کا حذف کرنا) حال مؤکدہ میں واجب ہے، جیسے: زیدٌ أبوک عطوفاً (زید تیرا باپ ہے اس حال میں کہ وہ مہربان ہے) یعنی میں ثابت کرتا ہوں اس کا باپ ہونا اس حال میں کہ وہ مہربان ہے۔

**تشریح:** مطلب یہ ہے کہ حال مؤکدہ کے عامل کو حذف کرنا واجب ہے، جیسے:

زیدٌ ابوک عطوفاً. یہاں عطوفاً حالِ مؤکدہ ہے اور اس کا عامل احقہ محذوف ہے۔ احقہ ہمزہ کا فتحہ اور ضمہ دونوں درست ہے، اور دونوں صورتوں میں یہ مضارع متکلم کا صیغہ ہے، فتحہ کی صورت میں باب ضرب سے، اور ضمہ کی صورت بابِ افعال سے۔

البتہ حالِ مؤکدہ میں عامل کے حذف ہونے کی ایک شرط ہے جو آگے آرہی ہے۔

**وشرطها ان تكون مقرّرةً لمضمون جملةٍ اسميةٍ .**

**ترجمہ:** اور اس کی شرط یہ ہے کہ وہ (حالِ مؤکدہ) جملہ اسمیہ کے مضمون کو پختہ کرنے والا ہو۔

**تشریح:** حال کے عامل کا حذف اس وقت واجب ہے جب کہ وہ جملہ اسمیہ کے مضمون کی تاکید کررہا ہو، اگر وہ مضمون کے بجائے اس کے بعض اجزاء کی تاکید کررہا ہو تو حال کے عامل کا حذف واجب نہیں، جیسے: اِنَّا اَرْسَلْنَاکَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا اس میں رسولاً حال ہے، لیکن وہ پورے جملہ کے مضمون کی تاکید نہیں کررہا ہے، بلکہ اس کے ایک جزء صرف رسالت کی تاکید کررہا ہے اس لئے فعل حذف نہیں کیا گیا۔

## (۷) تمیز:

**التميز مايرفع الابهام المستقر عن ذات مذكورة او مقدرةٍ .**

**ترجمہ:** تمیز وہ اسم ہے جو اٹھادے (ختم کردے) ابہام راسخ کو ذاتِ مذکورہ سے یا مقدرہ سے۔

**تشریح:** مفاعیل کے ملحقات میں سے دوسرا "تمیز" ہے، تمیز وہ اسم ہے جو ذاتِ مذکورہ یا مقدرہ سے اس ابہام کو دور کرے جو راسخ اور پختہ ہو، راسخ اور پختہ سے مراد یہ ہے کہ اس لفظ (ممیز) میں وہ ابہام وضع کے وقت موجود ہو[1]۔ اس قید کے ذریعہ مشترک کی صفت (جیسے: رأیت عیناً جاریۃً) مبہمات کی صفت (جیسے: ھٰذا الرجل) اور عطف بیان

[1] کیونکہ قاعدہ ہے کہ المطلق اذا اطلق یراد به الفرد الکامل اور عبارت میں المستقر مطلق ہے اور ابہام میں فردِ کامل وہ ابہام ہوتا ہے جو وضع کے وقت ہو۔

(جیسے:اقسم باللّٰہ ابو حفص عمر )نکل گئے، کیونکہ اگر چہ یہ بھی ابہام کو دور کرتے ہیں مگر وہ ابہام استعمال کے اعتبار سے پیدا ہوتا ہے، وضع کے اعتبار سے ان میں کوئی ابہام نہیں۔

**مذکورۃ أومقدرۃ:** دونوں ذات کی صفت ہیں، اوراس سے تمیز کی دو قسموں کی طرف اشارہ ہے:(۱)ذاتِ مذکورہ یعنی پہلے ذکر کی ہوئی چیز سے ابہام کو دور کرے، جیسے: عندی لیترٌ دُھْنًا، لیٹر کی جنس معلوم نہیں تھی کہ وہ کیا ہے؟دھناً نے وہ ابہام دور کر دیا۔ (۲)ذاتِ مقدرہ یعنی فرض کی ہوئی ذات سے ابہام کو دور کرے، جیسے:طاب زیدٌ نفساً. یعنی طاب شیئ منسوبٌ الی زیدٍ، نفساً تمیز ہے، جوشئی سے ابہام کو دور کررہا ہے، اور وہ مقدر ہے اس کا عبارت میں ذکر نہیں۔

---

**فالأول عن مفرد مقدار غالباً، أما فی عدد نحو عشرون درھماً وسیأتی، وأما فی غیرہ نحو رطلٌ زیتاً ومنوان سمناً وقفیزانِ برًّا وعلی التمرۃ مثلھا زبداً.**

---

**ترجمہ:** پس پہلی قسم عام طور پر مفرد مقدار سے ابہام کو دور کرتی ہے، وہ مقدار یا تو محقق ہوگی عدد کے ضمن میں، جیسے:عشرون درھماً اور عنقریب آرہا ہے، یا مقدار غیر عدد کے ضمن میں پائی جائے گی، جیسے:رطلٌ زیتاً، منوان سمناً، قفیزان براً اورعلی التمرۃ مثلھا زبداً.

**تشریح:** مطلب یہ ہے کہ تمیز کی پہلی قسم جو تمیز ذاتِ مذکورہ سے ابہام کو دور کرتی ہے وہ ذاتِ مذکورہ اکثر مفرد مقدار ہوتی ہے، کیونکہ مفرد مقدار میں ابہام کثرت سے ہوتا ہے، تو ظاہر ہے کہ تمیز زیادہ تر مفرد مقدار سے ہی ابہام کو دور کرے گی۔

**مفرد مقدار کا مطلب:** مفرد سے مراد یہ ہے کہ جملہ، مشابہ جملہ اور مضاف نہ ہو، خواہ تثنیہ وجمع ہو۔ اور مقدار کا مطلب یہ ہے کہ وہ آلہ جس سے کسی شئی کا اندازہ کیا جائے اور مقدار معلوم کی جائے۔ مقدار پانچ ہیں: (۱)عدد(۲)وزن(۳) کیل (۴)ذراع(۵)مقیاس۔

اب وہ مفرد مقدار یا تو عدد کے ضمن میں پائی جائے اور یا غیر عدد کے ضمن میں، عدد کی

مثال، جیسے: عندی عشرون درھماً، اس میں عشرون کے اندر ابہام تھا، یہ معلوم نہیں کہ وہ بیس کیا چیز ہے؟ درھماً نے اس ابہام کو دور کر دیا اور عدد کی تمیز کا بیان آگے قریب ہی آرہا ہے، یہی وسیأتی کا مطلب ہے۔

غیر عدد کی مثال: جیسے: عندی رطلٌ زیتاً۔ یہ وزن کی مثال ہے، رطلٌ کے اندر ابہام تھا یہ معلوم نہیں تھا کہ وہ ایک رطل کیا چیز ہے؟ زیتاً نے یہ ابہام دور کر دیا، رطل کا وزن موجودہ اوزان سے ۳۹۳ر گرام اور ٦٦٦ر ملی گرام ہے، اس میں ابہام تھا کہ دو من کیا چیز ہے؟ سمناً نے ابہام دور کر دیا کہ وہ چیز گھی ہے۔

عندی قفیزانِ براً، یہ کیل کی مثال ہے، قفیزانِ قفیزٌ کا تثنیہ ہے، قفیز کا وزن موجودہ اوزان سے ۳۷ر کلو ۹۱۷ر گرام اور ۳۶۰ر ملی گرام ہے، اس میں ابہام تھا کہ دو قفیز کیا چیز ہے؟ براً نے ابہام دور کر دیا کہ وہ گیہوں ہے۔

علی التمرۃ مثلھا زبداً، یہ مقیاس (اندازہ سے ایک شئی کو دوسری شئی کے برابر کرنا) کی مثال ہے، اس میں ابہام تھا کہ کھجور پر کھجور کے برابر کیا چیز ہے؟ زبداً نے ابہام دور کر دیا کہ وہ مکھن ہے۔ اور مثل اگرچہ بظاہر مفرد نہیں، بلکہ مضاف ہے، لیکن چونکہ رفع ابہام من حیث المضاف نہیں ہے، اس لئے یہ مفرد ہی کے حکم میں ہے۔

**فائدہ:** مصنفؒ نے تمام مقادیر کی مثالیں بیان نہیں کیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ تمیز کا حال اسم تام ہوتا ہے[1]، تو مصنفؒ کا مقصد یہ ہے کہ مثالوں کے ذریعہ سے اسم کے تام ہونے کا ذکر کر دیں، اور اسم کے تام ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اسم ایسی حالت میں ہو کہ اس کے ہوتے ہوئے اس اسم کی اضافت نہ ہوسکتی ہو، چنانچہ اسم کے تام ہونے کی چار شکلیں ہیں: (۱) تنوین سے تام ہو (۲) نونِ تثنیہ سے (۳) نونِ جمع و مشابہ نون سے (۴) اضافت سے۔ تو مصنفؒ نے ایک مثال تنوین کی ذکر کی، ایک مشابہ نونِ جمع کی، نونِ جمع اور مشابہ نونِ جمع کا حکم ایک ہوتا ہے، ایک نونِ تثنیہ کی[2] اور اضافت کی۔

---

① اسم تام تمیز کو نصب اس لئے دیتا ہے کہ جب اسم تنوین، نون اور اضافت کے ذریعہ تام (بقیہ صفحہ آئندہ)

**ترکیب:** الأول کا موصوف محذوف ہے: أی فالقسم الأول، عن مفرد فعل محذوف یرفع کا متعلق ہے، ای یرفع الابهام عن مفرد مقدار، فی عدد ای فی ضمن عدد، پھر یہ یتحقق فعل محذوف کا متعلق ہے، ای ذلک المفرد المقدار إما یتحقق فيْ ضمن عددٍ .

فيفرد إن كان جنساً إلّا أن يقصد الأنواع ويجمع في غيره .

**ترجمہ:** اگر جنس ہو تو تمیز مفرد ہوگی، مگر یہ کہ انواع کا ارادہ کرلیا جائے، اور اس کے علاوہ میں جمع لائی جائے گی۔

**تشریح:** یہاں سے مصنفؒ غیر عدد کی تمیز کا طریقہ بیان فرما رہے ہیں کہ کس صورت میں اس کو مفرد لایا جائے گا اور کس صورت میں تثنیہ و جمع لایا جائے گا؟ چنانچہ فرماتے ہیں کہ:

(۱) اگر تمیز جنس ہو① تو اس کو مفرد لایا جائے گا، خواہ اسم تام تثنیہ ہو یا جمع، کیونکہ جب جنس کا اطلاق قلیل و کثیر سب پر ہوتا ہے تو مفرد لانے سے ہی کام چل جائے گا، تثنیہ و جمع لانے کی ضرورت نہیں، جیسے: عندي حوضٌ ماءً، عندي حوضين ماءً، عندي حياضٌ ماءً .

(بقیہ صفحہ گذشتہ) ہو جائے تو وہ فعل کے مشابہ ہو جائے گا، کیونکہ فعل اپنے فاعل سے مل کر تام ہو جاتا ہے، اور فاعل کے بعد جو اسم آتا ہے وہ مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہوتا ہے، اسی طرح اسم جب ان مذکورہ چیزوں کی وجہ سے تام ہو جائے گا تو یہ چیزیں فاعل کے مشابہ ہوں گی، اور اسم تام کی جو تمیز آئے گی وہ مفعول کے درجہ میں ہو کر منصوب ہوگی۔

② یہاں سوال ہوتا ہے کہ مصنفؒ نے نونِ تثنیہ کی دو مثالیں کیوں دیں؟ تو جواب یہ ہے کہ مصنفؒ نے یہ مثال اس لئے ذکر کی، کیونکہ وزن کی دو مثالیں ہو گئی تھیں، ایک رطلٌ زیتاً اور دوسری منوانِ سمناً، تو مصنفؒ نے ایک کیل کی مثال ذکر فرمادی، قفیزان کیل ہے۔

(صفحہ ہذا) ① جنس وہ ہے جس کا اطلاق کل پر بھی ہوتا ہو اور اس کے ہر ہر جزء پر بھی ہوتا ہو، اور اس کے ساتھ تا لاحق نہ ہو، کیونکہ تا کے ہوتے ہوئے بھی ایک فرد مراد لیا جاتا ہے، جیسے: ماء کہ ایک قطرہ بھی ماءٌ ہے اور پورا سمندر بھی ماءٌ ہے، ایسے ہی تمرٌ (کھجور)۔

(۲) اس کے بعد اس سے استثناء کر کے فرمارہے ہیں کہ تمیز کے جنس ہونے کی صورت میں اگر اس سے انواع کا ارادہ کرلیا جائے تو پھر حسب مقصود اس کو تثنیہ وجمع لایا جائے گا۔ انــواع سے مراد مافوق الواحد ہے، یعنی تثنیہ وجمع دونوں کو یہ حکم شامل ہے کہ دونوع مقصود ہو تو تمیز کو تثنیہ لایا جائے گا، جیسے: عـنـدی رطـل زیتین (میرے پاس ایک رطل تیل ہے دوقسم کا) اور اگر چند نوعیں مقصود ہوں تو تمیز کو جمع لایا جائے گا، جیسے: عـنـدی رطلٌ زیوتاً (میرے پاس کئی قسم کا ایک رطل تیل ہے) عندی حوضٌ ماء ین، عندی حوض میاهاً وغیرہ۔

(۳) اور اگر تمیز جنس کے علاوہ کوئی اور اسم ہو تو پھر تمیز کو تثنیہ وجمع لایا جائے گا، جنس کی طرح اس کو ہر صورت میں واحد ہی نہیں لایا جائے گا، جیسے: عـنـدی عـدلٌ ثوباً، عندی عدلٌ ثوبین، عندی عدلٌ اثواباً .

---

**ثم إن كان بتنوين أو بنون التثنية جازت الإضافة وإلّا فلا .**

---

**ترجمہ:** پھر اگر وہ اسم تنوین یا نونِ تثنیہ کے ساتھ تام ہو تو اضافت جائز ہے، ورنہ تو نہیں (اضافت جائز نہیں)

**تشریح:** مطلب یہ ہے کہ اگر اسم تام کی تمامیت تنوین یا نون تثنیہ کے ذریعہ ہو، تو اس اسم تام کی تمیز کی طرف اضافت جائز ہے، اور یہ اضافت بیانیہ ہوگی، کیونکہ اس میں تخفیف کے ساتھ مقصود حاصل ہو رہا ہے، یعنی ابہام بھی دور ہو رہا ہے اور تنوین یا نونِ ثنیہ کے گرجانے سے تخفیف بھی حاصل ہو رہی ہے، جیسے: عـنـدی رطلُ زیتٍ، منوا سمنٍ، قفیزا برٍ، کلوا سکرٍ، لترا دھنٍ .

اور اگر اسم تام کی تمامیت تنوین یا نونِ تثنیہ کے ذریعہ نہ ہو، بلکہ نونِ جمع یا اضافت کے ذریعہ ہو تو پھر اس کی اضافت تمیز کی طرف جائز نہیں۔

اضافت والی شکل میں تو اس وجہ سے کیوں کہ جب ایک مرتبہ وہ مضاف ہو چکا اب اگر تمیز کی طرف دوبارہ اس کی اضافت کرتے ہیں تو مضاف کا دوبارہ مضاف ہونا لازم آئیگا۔

اور اگر نونِ جمع کے ساتھ اسم تام ہوا ہے تو اس کی اضافت تمیز کی طرف اس وجہ سے درست نہیں کہ ایسے اسم کی اضافت کبھی غیر تمیز کی طرف بھی ہوتی ہے، اب اگر تمیز کی طرف بھی اس کی اضافت جائز قرار دی جائے تو تمیز کا غیر تمیز کے ساتھ التباس لازم آئیگا۔ مثلاً لفظ عشرون، اگر اس کی اضافت لفظ رمضان کی طرف کر کے عشرون رمضان کہا جائے، تو پتہ نہیں چلے گا کہ رمضان تمیز ہے یا غیر تمیز، تمیز کی صورت میں معنی ہوں گے: ''رمضان کے بیس دن'' اور غیر تمیز کی صورت میں معنی ہوں گے: ''رمضان کا بیسواں دن''۔

تو جب بعض صورتوں میں التباس کی وجہ سے اضافت درست نہیں تو جہاں التباس لازم نہیں آتا وہاں بھی اضافت درست نہیں، تا کہ سب صورتوں کا حکم یکساں ہو جائے۔

**فائدہ:** (۱) جو اسم نونِ جمع کے ساتھ تام ہوا ہو بطور شاذ و نادر تمیز کی طرف اس کی اضافت ہو جاتی ہے، جیسے: عندی عشرو درهم.

**فائدہ:** (۲) اوپر عشرون کی مثال دی گئی، حالانکہ وہ نونِ جمع نہیں، بلکہ مشابہ نونِ جمع ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں (نونِ جمع و مشابہ نونِ جمع) احکام میں برابر ہیں۔

**ترکیب:** کان میں ضمیر کا مرجع الاسم ہے، اور بتنوین تاماً کے متعلق ہو کر کان کی خبر ہے۔

---

**وعن غير مقدار مثل خاتمٌ حديداً والخفض اكثرُ.**

**ترجمہ:** اور مفرد غیر مقدار سے (ابہام کو دور کرتی ہے) جیسے: خاتمٌ حديداً، اور (مفرد غیر مقدار کی تمیز پر) جر زیادہ مستعمل) ہے۔

**تشریح:** اس کا عطف عن مفرد مقدار پر ہے، مطلب یہ ہے کہ تمیز کی پہلی قسم جو ذاتِ مذکورہ سے ابہام کو دور کرتی ہے، تو کبھی مفرد مقدار سے ابہام کو دور کرتی ہے، جس کا بیان گذر چکا، اور کبھی مفرد غیر مقدار سے ابہام کو دور کرتی ہے۔ اور غیر مقدار کا مطلب یہ ہے کہ وہ عدد، وزن، کیل، ذراع اور مقیاس نہ ہو، جیسے: خاتمٌ حديداً، اس مثال میں خاتمٌ مفرد غیر مقدار ہے۔ لیکن جنس کے اعتبار سے اس میں ابہام تھا یہ معلوم نہیں تھا کہ وہ

انگوٹھی کس چیز کی ہے؟ حدیداً نے وہ ابہام دور کر دیا کہ وہ لوہے کی انگوٹھی ہے۔

اور مفرد غیر مقدار کی تمیز کو مضاف الیہ بنا کر جر دینا زیادہ مستعمل ہے، جیسے: خاتمُ حَدِیْدٍ، کیونکہ تمیز سے مقصود ابہام کو دور کرنا ہے اور وہ جر کی صورت میں بھی حاصل ہو جاتا ہے اور مزید تخفیف بھی، تو پھر نصب دینے کی کیا ضرورت؟

**والثاني عن نسبة في جملةٍ او ماضاهاها.**

**ترجمہ**: اور دوسری قسم (ابہام کو دور کرتی ہے) اس نسبت سے جو جملہ میں ہو یا مشابہ جملہ میں ہو۔

**تشریح**: یہاں سے مصنفؒ تمیز کی دوسری قسم کو بیان فرما رہے ہیں کہ ذاتِ مقدرہ سے ابہام کو دور کرنے کی صورت یہ ہے کہ اس نسبت سے ابہام کو دور کرے جو جملہ میں یا مشابہ جملہ میں پائی جاتی ہے، یعنی وہ نسبت جو جملہ یا شبہ جملہ میں پائی جاتی ہے وہ ممیز ہو، جیسے: طاب زیدٌ نفساً (زید اچھا ہے ذات کے اعتبار سے) اس مثال میں اچھا ہونے کی جو نسبت زید کی طرف تھی اس میں ابہام تھا کہ زید کس اعتبار سے اچھا ہے؟ نفساً نے اس ابہام کو دور کر دیا کہ زید ذات کے اعتبار سے اچھا ہے۔ اس کی تقدیری عبارت اس طرح ہے: طاب شيئٌ منسوبٌ إلى زيدٍ نفساً۔ اس میں شيئٌ منسوبٌ مقدر ہے۔

اور مشابہ جملہ پانچ ہیں: اسم فاعل، اسم مفعول، صفت مشبہ، اسم تفضیل اور مصدر۔

(۱) اسم فاعل کی مثال، جیسے: الحوض ممتلئٌ ماءً، ممتلئٌ میں ضمیر الحوض کی طرف راجع ہے اس میں ابہام تھا یہ معلوم نہیں ہو رہا تھا کہ حوض کس چیز سے بھرا ہے؟ ماءً نے اس ابہام کو دور کر دیا یعنی حوض پانی سے بھرا ہے۔

(۲) اسم مفعول کی مثال، جیسے: الأرض مفجَّرةٌ عيوناً (زمین چشموں کے اعتبار سے جاری ہے) اس میں مفجَّرة میں ضمیر ہے، جو الأرض کی طرف راجع ہے اس میں ابہام ہے یہ معلوم نہیں ہو رہا ہے کہ زمین کس چیز سے بہہ رہی ہے؟ عیوناً نے اس ابہام کو دور کر دیا، یعنی زمین چشموں کے اعتبار سے بہہ رہی ہے۔

(۳) صفت مشبہ کی مثال، جیسے: زیدٌ حسنٌ وجھاً، حسنٌ میں ضمیر ہے جو زیدٌ کی طرف راجع ہے، اس میں ابہام ہے معلوم نہیں کہ زید کس اعتبار سے اچھا ہے؟ وجھاً نے اس ابہام کو دور کردیا، یعنی زید چہرہ کے اعتبار سے اچھا ہے۔

(۴) اسم تفضیل کی مثال: جیسے: زیدٌ افضل اباً، افضل میں ضمیر ہے، جو زیدٌ کی طرف راجع ہے، اس میں ابہام ہے یہ معلوم نہیں ہورہا ہے کہ زید کس اعتبار سے اچھا ہے؟ اباً نے اس ابہام کو دور کردیا، یعنی زید باپ ہونے کے اعتبار سے اچھا ہے۔

(۵) مصدر کی مثال: جیسے: عجبني طيبه اباً، اس میں طیب کی اضافت ''ہ'' ضمیر کی طرف ہے اس میں ابہام ہے، یہ معلوم نہیں ہورہا ہے کہ وہ کس اعتبار سے اچھا ہے، اباً نے وہ ابہام دور کردیا کہ وہ باپ کے اعتبار سے اچھا ہے۔①

**فائدہ**: ماضاھا ھا میں ما موصولہ ہے، اور ضاھا ماضی مطلق کا صیغہ ہے من المضاھاۃ (مشابہ ہونا) یہ اصل میں ضاھَیَ تھا، تعلیل کے بعد ضاھا ہوگیا اور ھا ضمیر جملہ کی طرف راجع ہے۔

**مثل طاب زيدٌ نفساً وزيدٌ طيّبٌ اباً وابوّةً وداراً وعلماً .**

**ترجمہ**: جیسے: طاب زيدٌ نفساً اور زيدٌ طيّبٌ اباً الخ.

**تشریح**: یہاں سے مصنفؒ جملہ وشبہ جملہ میں پائی جانے والی نسبت سے ابہام کو دور کرنے کی مثالیں دے رہے ہیں، طاب زیدٌ جملہ ہے، اس میں زیدٌ کی طرف اچھا ہونے کی نسبت ہے، اس میں ابہام تھا، نفساً نے وہ ابہام دور کردیا اور زیدٌ طیبٌ شبہ جملہ ہے، وضاحت ظاہر ہے۔

① اسی طرح جس میں بھی فعل کے معنی پائے جائیں وہ مشابہ جملہ ہوگا، اور اگر اس میں نسبت کے اندر ابہام ہو تو تمیز کے ذریعہ اس کو دور کیا جائے گا، جیسے: حسبک زیدٌ رجلاً، حسبک یکفیک کے معنی میں ہے، اس میں حسبُ کی نسبت جو کاف کی جانب ہورہی ہے اس میں ابہام ہے، یہ معلوم نہیں کہ مخاطب کے لئے زید کس اعتبار سے کافی ہے؟ رجلاً نے ابہام دور کردیا کہ زید مرد ہونے کے اعتبار سے کافی ہے، یعنی اس کے ہوتے ہوئے مدد کے لئے کسی اور کی ضرورت نہیں۔

مصنفؒ نے یہاں تمیز کی مختلف مثالیں دی ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ تمیز کی اولاً دو قسمیں ہیں: (۱) عین، یعنی جو اپنے قیام میں کسی کا محتاج نہ ہو، یعنی جوہر (۲) عرض، یعنی قائم بالغیر (جو اپنے قیام میں غیر کا محتاج ہو)

پھر ان میں سے ہر ایک کی دو دو قسمیں ہیں: (۱) اضافی: جس کے مفہوم میں غیر کی طرف نسبت کی ضرورت ہو (۲) غیر اضافی: جس کے مفہوم میں غیر کی طرف نسبت کی ضرورت نہ ہو۔ اس طرح یہ کل چار قسمیں ہوئیں:

(۱) عین اضافی، جیسے: أبٌ کہ یہ قائم بنفسہ ہے اور کوئی شخص باپ جب کہلاتا ہے جب کہ اس کا کوئی لڑکا یا لڑکی ہو۔

(۲) عین غیر اضافی، جیسے: نفسٌ کہ یہ قائم بنفسہ ہے اور اس کے مفہوم میں غیر کا لحاظ نہیں کرنا پڑتا۔

(۳) عرض اضافی، جیسے: أبوۃٌ (باپ ہونا) یہ وصف ہے جو کسی شخص کے ساتھ قائم ہوتا ہے، اور اس کے مفہوم میں غیر کے لحاظ کی ضرورت ہے، جیسے: أبٌ میں بیان کیا گیا۔

(۴) عرض غیر اضافی، جیسے: عِلْمٌ کہ یہ عرض ہے، کیونکہ یہ ایک صفت ہے جو کسی شخص کے ساتھ قائم ہوتی ہے، لیکن اس کے مفہوم میں غیر کا لحاظ نہیں کرنا پڑتا۔

تمیز کی یہ چار قسمیں رفع ابہام کے اعتبار سے ہیں، پھر منصب عنہ یعنی اسم تام کے اعتبار سے تمیز کی تین قسمیں ہیں: (۱) تمیز اس تام کے ساتھ خاص ہو (۲) تمیز اسم تام کے متعلق کے ساتھ خاص ہو (۳) تمیز اسم تام اور اس کے متعلق دونوں کے لئے ہو۔ ان تین قسموں میں سے کوئی نہ کوئی قسم اوپر کی چار قسموں میں سے کسی ایک کے ساتھ پائی جائیگی۔

(۱) مثلاً: طاب زیدٌ نفساً، اس میں نفس عین غیر اضافی ہے اور اسم تام کے ساتھ خاص ہے، مطلب یہ ہے کہ زید اپنی ذات کے اعتبار سے اچھا ہے۔

(۲) زیدٌ طیّبٌ أباً (زید باپ کے اعتبار سے اچھا ہے) اس میں تمیز أبٌ عین اضافی ہے، اور اسم تام اور اس کا متعلق دونوں کا مصداق بن سکتی ہیں، یعنی یہ بھی مطلب ہوسکتا ہے

کہ زید خود اچھا باپ ہے اور یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ زید کا باپ اچھا ہے۔

(۳) زیدٌ طیّبٌ أبوّةً (زید باپ ہونے کے اعتبار سے اچھا ہے) اس میں تمیز أبوۃً غیر اضافی ہے، اور اسم تام کے متعلق کے ساتھ خاص ہے۔

(۴) زیدٌ طیبٌ داراً (زید گھر کے اعتبار سے اچھا ہے) اس میں تمیز یعنی دار عین غیر اضافی ہے، اور اسم تام کے متعلق کے ساتھ خاص ہے، مطلب یہ ہوگا کہ زید کی اچھائی اس کے گھر کی وجہ سے ہے۔

(۵) زیدٌ طیبٌ علماً (زید علم کے اعتبار سے اچھا ہے) اس میں تمیز یعنی علم عرض اضافی ہے اور اسم تام کے متعلق کے ساتھ خاص ہے، مطلب یہ ہوگا کہ زید کی اچھائی اس کے علم کی وجہ سے ہے۔

**فائدہ:** ان پانچوں تمیزوں کا تعلق جملہ اور شبہ جملہ دونوں سے ہے، گویا یہ کل دس مثالیں ہوئیں، ترتیب اس طرح ہے: طاب زیدٌ نفساً واباً وابوّةً، وداراً وعلماً، زیدٌ طیبٌ نفساً واباً وابوّةً وداراً وعلماً.

---

**اوفي إضافة مثل يعجبني طيبه اباً وأبوةً وداراً وعلماً .**

---

**ترجمہ:** یا وہ نسبت اضافت میں پائی جاتی ہو، جیسے: يعجبني طيبه أباً اور أبوةً الخ۔

**تشریح:** في إضافة کا عطف في جملةٍ پر ہے، مطلب یہ ہے کہ تمیز اس نسبت سے ابہام کو دور کرے جو جملہ یا شبہ جملہ میں پائی جاتی ہے یا اس نسبت سے ابہام کو دور کرے جو اضافت میں پائی جاتی ہے، جیسے: يعجبني طيبه نفساً (مجھ کو اس کا اچھا ہونا پسند آیا ذات کے اعتبار سے) اس میں طیب کی جو اضافت "ہ" ضمیر کی طرف ہے اس میں ابہام تھا کہ کس اعتبار سے اچھا ہونا پسند آیا؟ نفساً نے وہ ابہام دور کر دیا، اسی طرح باقی مثالیں۔

**فائدہ:** یہاں بھی ماقبل کی طرح پانچ مثالیں ہیں، لیکن مصنفؒ نے مثال میں نفساً کو ذکر نہیں کیا، باقی چار مثالیں ذکر کی ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ نفس کا تمیز واقع ہونا بکثرت اور مشہور ہے۔

**واللّٰہ درّہٗ فارساً .**

**ترجمہ:** اور للّٰہ درّہٗ فارساً۔

**تشریح:** بعض نحاۃ یہ بات کہتے ہیں کہ تمیز کے لئے اسم جامد ہونا ضروری ہے، اور جہاں تمیز اسم مشتق ہو تو وہ درحقیقت تمیز نہیں، بلکہ حال ہوتا ہے، مصنفؒ نے اس عبارت کے ذریعہ ان لوگوں کا رد کیا ہے کہ دیکھو اہل عرب نے اپنے اس کلام میں اسم مشتق (اسم فاعل) کو تمیز بنایا ہے، معلوم ہوا کہ اسم مشتق کو بھی تمیز بنایا جاسکتا ہے، نیز تمیز کا مقصد ابہام کو دور کرنا ہے، یہ مقصد جس سے بھی حاصل ہوجائے اس کو تمیز بنایا جاسکتا ہے، خواہ وہ اسم جامد ہو یا مشتق۔

**فائدہ:** دَرٌّ کے معنی دودھ کے ہیں، چونکہ اہل عرب کی ضروریات دودھ سے پوری ہوتی تھیں، اس لئے وہ ان کے لئے خیر کثیر ہے، اس لئے اب دَرٌّ بول کر خیر کثیر ہی مراد ہوتا ہے۔ اور فارساً اسم فاعل ہے اگر اس کو فراسۃٌ بفتح الفاء سے مشتق مانیں تو فراسۃٌ کے معنی ہیں، گھوڑے کی سواری میں ماہر ہونا"۔ پورے جملہ کے معنی ہوں گے: "اللہ ہی کے لئے اس کی بھلائی گھوڑے کی سواری میں ماہر ہونے کے اعتبار سے"۔ اور اگر فِراسۃٌ بکسر الفاء سے مشتق مانیں تو اس کے معنی ہیں "تاڑنا، جلدی سے کسی بات کو سمجھ لینا"، پورے جملے کے معنی ہوں گے: "اللہ کے لئے ہے اس کی بھلائی سمجھنے کے اعتبار سے"۔ یعنی ظاہر کو دیکھ کر اس کی حقیقت تک پہنچ جاتا ہے۔

**ثم إن كان اسماً يصحُّ جعلُه لما انتُصب عنه جاز أن يكون له ولمتعلقه وإلّا فهو لمتعلقه فيطابق فيهما ما قصد إلّا إذا كان جنساً إلّا ان يقصد الأنواع .**

**ترجمہ:** پھر اگر تمیز ایسا اسم (ذات) ہو جس کو اس اسم کے لئے کرنا صحیح ہو جس کی وجہ سے تمیز پر نصب آتا ہے (اسم تام) تو جائز ہے کہ وہ تمیز اس منصب عنہ اور اس کے متعلق دونوں کے لئے ہو، ورنہ تو پس وہ تمیز اس کے متعلق کے لئے ہوگی، پس تمیز ان دونوں

صورتوں میں اس کے مطابق ہوگی جس کا قصد کیا گیا مگر جب کہ جنس ہو، مگر یہ کہ انواع کا ارادہ کیا جائے۔

**تشریح:** جو تمیز نسبت سے ابہام کو دور کرتی ہے اگر وہ اسم ذات ہو وصف نہ ہو، اور اس کو منصب عنہ (اسم تام) کے لئے بنانا صحیح ہو، یعنی منصب عنہ کو مبتدا اور تمیز کو خبر بنا کر تمیز کا منصب عنہ پر حمل کرنا درست ہو، تو اس صورت میں تمیز منصب عنہ کے لئے بھی ہو سکتی ہے اور اس کے متعلق کے لئے بھی ہو سکتی ہے، بشرطیکہ تمیز منصب عنہ کے لئے خاص نہ ہو، جیسے: طاب زیدٌ اباً، اس مثال میں تمیز کا حمل منصب عنہ پر درست ہے، کیونکہ زیدٌ ابٌ کہنا درست ہے، لہٰذا تمیز منصب عنہ کے لئے بھی ہو سکتی ہے، مطلب ہوگا: زید کا باپ اچھا ہے، اور یہ بات کہ تمیز منصب عنہ کے لئے ہے یا اس کے متعلق کے لئے، قرائن سے معلوم ہوگی اس کے لئے کوئی قاعدہ مقرر نہیں۔

اور اگر تمیز کو منصب عنہ پر محمول کرنا صحیح نہ ہو، جیسے: طاب زیدٌ ابوۃً کہ اس میں زیدٌ ابوۃٌ کہنا درست نہیں، تو اس صورت میں تمیز صرف منصب عنہ کے متعلق کے لئے ہوگی، منصب عنہ کے لئے نہیں ہوگی، اسی طرح طاب زیدٌ داراً اور طاب زیدٌ عالماً ہیں، تفصیل گزر چکی ہے۔

**فیطابق فیهما ماقصد:** مندرجہ بالا دونوں صورتوں میں (یعنی (۱) وہ صورت جس میں تمیز کبھی منصب عنہ کے لئے ہو اور کبھی اس کے متعلق کے لئے (۲) جس میں تمیز منصب عنہ کے متعلق کے لئے ہو) تمیز کو مقصود کے مطابق لایا جائے گا، خواہ اس مطابقت میں منصب عنہ کے لفظ کی رعایت ہو، یا ایسے معنی کی رعایت ہو جس کا تعلق منصب عنہ کی ذات سے ہو۔

اول کی مثال، جیسے: طاب زیدٌ أباً، طاب الزیدان أبوین، طاب الزیدون اٰباءً. ان مثالوں میں منصب عنہ زیدٌ ہے، اس کے واحد ہونے کی صورت میں تمیز کو واحد اور تثنیہ و جمع ہونے کی صورت میں تمیز کو بھی تثنیہ و جمع لایا گیا ہے۔

ثانی کی مثال، جیسے: طاب زیدٌ اباً، جب کہ زید کے لئے صرف اس کے باپ کے اعتبار سے اچھائی ثابت کرنا مقصود ہو، اور طاب زیدٌ ابوین، جب کہ باپ اور دادا دونوں کے اعتبار سے اچھائی ثابت کرنا مقصود ہو، اور طاب زیدٌ اباءً، جب کہ باپ، دادا اور اس کے اوپر تک کے لئے اچھائی ثابت کرنا مقصود ہو، ان سب مثالوں میں تمیز لانے میں منصب عنہ کے لفظ کی رعایت نہیں کی گئی، کیونکہ لفظ کی رعایت ہوتی تو تمیز واحد ہوتی، بلکہ ایک ایسے معنی کی رعایت کی گئی ہے جس کا منصب عنہ (زید) سے تعلق ہے۔

**إلّا إذا كان جنساً:** اس سے پہلے مصنفؒ نے دو صورتیں بیان کی تھیں، جن میں تمیز کو مقصود کے مطابق لانے کا حکم بیان کیا گیا ہے، اب یہ بتانا چاہتے ہیں کہ تمیز اگر جنس ہو تو پھر اس کو مقصود کے مطابق لانے کی ضرورت نہیں، اس کے مفرد ہونے کی صورت میں بھی تثنیہ وجمع پر دلالت ہوجائے گی، کیونکہ جنس کا اطلاق قلیل وکثیر سب پر ہوتا ہے، جیسے: طاب زيدٌ علماً، طاب الزيدان علماً، طاب الزيدون علماً.

**إلّا أن يقصد الأنواع:** یہ ماقبل کے استثناء ہے، مطلب یہ ہے کہ تمیز کے جنس ہونے کی صورت میں اگر انواع کا ارادہ کرلیا جائے یعنی بعض نوع کو بعض سے ممتاز کرنا مقصود ہو تو پھر تمیز کو مقصود کے مطابق لایا جائے گا، جیسے: طاب زيدٌ علماً، طاب الزيدان علمين، طاب الزيدون علوماً. مطلب یہ ہے کہ زید نام کا ایک شخص یا دو شخص یا چند اشخاص اپنے اپنے علم کے اعتبار سے اچھے ہیں، مثلاً ایک علم فقہ میں اچھا ہے، ایک علم حدیث میں اور ایک علم نحو میں۔ اس صورت میں اگر تمیز کو مفرد لایا جائے گا تو امتیاز حاصل نہیں ہوسکتا۔

---

**وإن كانت صفة كانت له وطِبْقَهُ واحتملت الحالُ.**

**ترجمہ:** اور اگر تمیز صفت ہو تو وہ اس (منصب عنہ) کے لئے ہوگی اس کے مطابق ہونے کے ساتھ ساتھ، اور وہ حال کا بھی احتمال رکھتی ہے۔

**تشریح:** اس سے پہلے مصنفؒ نے تمیز کے اسم ہونے کی صورت کو بیان کیا، اب

فرمار ہے ہیں کہ اگر تمیز اسم نہ ہو، بلکہ صفت ہو خواہ صفت مشتقہ ہو (یعنی اسم فاعل، اسم مفعول، صفت مشبہ اور اسم تفضیل) یا مشتق کی تاویل میں ہو، (جیسے: کفیٰ زیدٌ رجلاً میں رجلاً، کاملاً فی الرجولیة کے معنی میں ہے) تو تمیز منصب عنہ کے ساتھ خاص ہوگی اس کے متعلق کے لئے نہ ہوگی① نیز تمیز منصب عنہ کے (افراد، تثنیہ، جمع، تذکیر اور تانیث میں) مطابق ہوگی②۔ جیسے: طاب زیدٌ والداً، اس کا مطلب یہ ہے کہ زید خود والد اچھا ہے، زید کا والد مراد نہیں، اسی طرح طاب الزیدان والدین، طاب الزیدون والدین۔

اگر تمیز صفت ہو تو ایک احتمال اس میں تمیز کا ہے جس کی تفصیل گذر گئی، اور دوسرا احتمال اس میں حال بننے کا ہے، کیونکہ حال بنانے کی صورت میں بھی معنی صحیح ہیں③ جیسے: طاب زیدٌ فارساً، اس میں فارساً تمیز اور حال دونوں واقع ہوسکتا ہے۔ تمیز کی صورت میں ترجمہ ہوگا: ''اچھا ہے زید گھوڑے پر سوار ہونے کے اعتبار سے''۔ حال کی صورت میں ترجمہ ہوگا: ''اچھا ہے زید گھوڑے پر سوار ہونے کی حالت میں''۔

---

**ولا يتقدم التمييز على عامله، والاصح أن لا يتقدم على الفعل خلافاً للمازني والمبرد.**

---

**ترجمہ**: اور تمیز اپنے عامل پر مقدم نہیں ہوتی، اور اصح مذہب یہ ہے کہ تمیز (اپنے عامل) فعل پر مقدم نہیں ہوتی ہے، امام مازنیؒ اور امام مبردؒ کا اختلاف ہے۔

**تشریح**: مطلب یہ ہے کہ تمیز کا عامل کبھی اسم تام ہوتا ہے اور کبھی فعل وشبہ فعل۔ اگر

---

① کیونکہ یہ صفت کا صیغہ ہے اور صفت کے لئے موصوف ضروری ہے، اور موجود موصوف بننے کا زیادہ مستحق ہے، اور موجود منصب عنہ ہے اس کا متعلق موجود نہیں۔

② مطابق ہونے کی وجہ یہ ہے کہ صفت میں ایک ضمیر ہے جو منصب عنہ کی طرف راجع ہے، اور ضمیر کا اپنے مرجع کے مطابق ہونا ضروری ہے۔

③ تمیز اگر صفت ہو تو اس میں تمیز اور حال دونوں کا احتمال ہے، لیکن عموماً ایسی تمیز کے شروع میں مِنْ زیادہ ہوتا ہے، جیسے: طاب زیدٌ من فارسٍ وغیرہ، جب کہ حال کے شروع میں من نہیں آتا۔

تمیز کا عامل اسم تام ہو تو تمیز اس پر مقدم نہیں ہوسکتی، کیونکہ اسم تام اسم جامد ہونے کی وجہ سے عامل ضعیف ہے، اپنے ضعف کی وجہ سے معمول پر مقدم میں عمل نہیں کر سکے گا۔

اور اگر تمیز کا عامل فعل یا شبہ فعل ہو تو اگر چہ وہ عامل قوی ہے، مگر اصح مذہب یہ ہے کہ تمیز فعل وشبہ فعل پر بھی مقدم نہیں ہوتی، کیونکہ اس صورت میں تمیز معنی کے اعتبار سے فاعل ہوتی ہے، یا فاعل کی تاویل میں ہوتی ہے اور فاعل فعل پر مقدم نہیں ہوتا۔

اس کے برخلاف امام مازنیؒ اور امام مبردؒ فرماتے ہیں کہ اگر تمیز کا عامل فعل ہو اور شبہ فعل ماں سے اسم فاعل اور اسم مفعول ہو تو تمیز اپنے عامل پر مقدم ہوسکتی ہے، کیونکہ وہ عامل قوی ہے، ہاں اگر تمیز کا عامل صفت مشبہ یا اسم تفضیل یا مصدر ہو تو ان پر مقدم نہیں ہوگی، کیونکہ یہ عامل ضعیف ہیں۔

## (۸) مستثنیٰ:

**المستثنیٰ متصل ومنقطع: فالمتصل هو المخرج عن متعدد لفظاً او تقديراً بإلّا واخواتها، والمنقطع المذكور بعدها غير مخرج.**

**ترجمه:** مستثنیٰ متصل ہے اور منقطع ہے، پس مستثنیٰ متصل وہ مستثنیٰ ہے جو متعدد سے نکالا گیا ہو، (وہ متعدد) لفظی ہو یا تقدیری، إلّا اور اس کے اخوات کے ذریعہ۔ اور مستثنیٰ منقطع وہ مستثنیٰ ہے جو اس کے (یعنی إلّا اور اس کے اخوات کے) بعد مذکور ہو، حال یہ کہ اس کو متعدد سے نکالا نہ گیا ہو۔

**تشریح:** منصوبات کی آٹھویں قسم مستثنیٰ ہے①۔ مستثنیٰ کی دو قسمیں ہیں②: (۱) مستثنیٰ متصل

① یہاں یہ سوال ہوتا ہے کہ مستثنیٰ کے لغوی معنی ہیں: ''جس کو نکلا جائے''، اس اعتبار سے مستثنیٰ متصل کو تو مستثنیٰ کہنا صحیح ہے، کیونکہ اس کو متعدد سے نکالا جاتا ہے، لیکن مستثنیٰ منقطع کو مستثنیٰ کہنا صحیح نہیں، کیونکہ اس کو نکالا نہیں جاتا۔ جواب یہ ہے کہ مستثنیٰ سے مراد ہے ما يطلق عليه لفظ المستثنیٰ یعنی اصطلاحی مستثنیٰ مراد ہے جو مستثنیٰ منقطع کو بھی شامل ہے، کیونکہ اصطلاح میں اس کو بھی مستثنیٰ کہا جاتا ہے۔

② سوال یہ ہے کہ تقسیم تعریف کی فرع ہے، جب کہ مصنفؒ نے مستثنیٰ کی تعریف (بقیہ صفحہ آئندہ)

(۲) مستثنیٰ منقطع۔ مستثنیٰ متصل وہ مستثنیٰ ہے جس کو إلّا اور اس کے اخوات کے ذریعہ ایسی شئی سے نکالا جائے جس کے جزئیات متعدد ہوں، جیسے: ماجاء نی القوم إلّا زیداً۔ یا اس کے اجزاء متعدد ہوں، جیسے: اشتریت العبد إلّا نصفه۔ اور وہ متعدد جس کو مستثنیٰ منہ بھی کہتے ہیں لفظوں میں موجود ہو، جیسے دونوں مثالیں، یا مقدر ہو، جیسے: ماجاء نی إلّا زیداً۔

مستثنیٰ منقطع وہ مستثنیٰ ہے جو إلّا اور اس کے اخوات کے بعد مذکور ہو، اور اس کو مستثنیٰ منہ سے نکالا نہ جائے، کیونکہ وہ پہلے سے خارج ہے، نکالا تو اس کو جاتا ہے جو پہلے داخل ہو، اور خواہ وہ ماقبل کی جنس سے ہو، جیسے: جاء نی القوم إلّا زیداً، جب کہ قوم سے مراد زید کے علاوہ دوسرے افراد ہوں، تو زید اگرچہ قوم کی جنس سے تو ہے، مگر مجی (آنا) کے حکم میں پہلے سے وہ داخل ہی نہیں اور خواہ وہ ماقبل کی جنس سے نہ ہو، جیسے: جاء نی القوم إلّا حماراً، کہ حمار قوم کی جنس سے ہی نہیں۔

**فائدہ:** بعض نحویوں نے مستثنیٰ متصل کی تعریف یہ کی ہے کہ جو ماقبل کی جنس سے ہو، اور مستثنیٰ منقطع وہ ہے جو ماقبل کی جنس سے نہ ہو، اس تعریف کے اعتبار سے جاء نی القوم إلّا زیداً بہرصورت مستثنیٰ متصل ہوگا، خواہ قوم سے مراد زید کے علاوہ دوسرے افراد ہوں، یا قوم زید کو بھی شامل ہو، کیونکہ زید قوم کی جنس سے ہے۔

---

**وهو منصوب إذا كان بعد إلّا غير الصفة فى كلام موجبٍ أو مقدماً على المستثنىٰ منه أو منقطعاً فى الاكثر او كان بعد خلا وعدا فى الاكثر او ماخلا وماعدا وليس ولا يكون.**

---

**ترجمہ:** اور وہ منصوب ہوتا ہے جب کہ وہ إلّا غیر صفتی کے بعد کلام موجب میں

---

(بقیہ صفحۂ گذشتہ) تو کی نہیں اور تقسیم شروع کردی۔ جواب یہ ہے کہ تقسیم کے لئے مقسم کا کسی درجہ میں معلوم ہونا کافی ہے، اور اتنا علم مایطلق علیه لفظ المستثنیٰ سے حاصل ہوگیا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ مستثنیٰ کی کوئی ایسی جامع تعریف نہیں تھی جو دونوں قسموں کو شامل ہوتی، اس وجہ سے مصنفؒ نے پہلے اس کی تقسیم کردی، اب ہر ایک قسم کی الگ الگ تعریف بیان فرمائیں گے۔

ہو، یا مستثنیٰ منہ پر مقدم ہو، یا مستثنیٰ منقطع ہوا کثر نحویوں کی رائے میں، یا خلا اور عدا کے بعد واقع ہوا کثر نحویوں کی رائے میں، یا ماخلا، ماعدا، لیس اور لایکون کے بعد ہو۔

**تشریح:** مستثنیٰ کی تقسیم کے بعد اب مصنفؒ اعراب کے اعتبار سے اس کے احکام بیان فرمارہے ہیں، فرماتے ہیں کہ چھ صورتوں میں مستثنیٰ منصوب ہوتا ہے۔

(۱) مستثنیٰ کلام موجب میں إلّا غیر صفتی کے بعد واقع ہو، کلام موجب وہ کلام ہے جس میں نفی، نہی اور استفہام نہ ہو، جیسے: جاء نی القوم إلّا زیداً۔ کلام موجب کی قید اس لئے لگائی کہ اگر مستثنیٰ کلام غیر موجب میں ہو تو اس میں نصب واجب نہیں، بلکہ اس میں تفصیل ہے جو آگے آرہی ہے، اور لفظاً إلّا کی قید اس وجہ سے ہے کہ اگر مستثنیٰ إلّا کے بعد نہ ہو، بلکہ غیر یاسوی وغیرہ کے بعد ہو تو پھر مستثنیٰ مجرور ہوتا ہے، اور إلّا کے بعد غیر صفة کی قید اس وجہ سے ہے، کیونکہ اگر إلّا صفتی ہو تو اس پر مستثنیٰ کا اعراب جاری نہ ہوگا، بلکہ وہ ماقبل کی صفت ہوگا، اور جو موصوف کا اعراب ہوگا، وہی صفت پر آئے گا، جیسے: لو کان فیھما اٰلھة إلّا اللّٰہ لفسدتا۔

(۲) مستثنیٰ، مستثنیٰ منہ پر مقدم ہو، خواہ کلام موجب میں مقدم ہو، جیسے: جاء نی إلّا زیداً القوم. یا کلام غیر موجب میں مقدم ہو، جیسے: ماجاء نی إلّا زیداً القوم.

اس صورت میں نصب اس لئے ضروری ہے کہ مستثنیٰ کا اعراب نصب ہی ہے، اس کے علاوہ مستثنیٰ پر اگر کوئی اعراب آیا ہے تو وہ مستثنیٰ منہ سے بدل ہونے کے احتمال پر آیا ہے، اور یہاں بدل کا احتمال نہیں ہے، کیونکہ بدل مبدل منہ پر مقدم نہیں ہوتا، اس لئے کہ وہ تابع ہے اور تابع اپنے متبوع پر مقدم نہیں ہوتا۔

(۳) یا مستثنیٰ منقطع ہو، جیسے: جاء نی القوم إلّا حماراً۔ یہ اکثر نحویوں کا قول ہے۔[۱]

---

[۱] اکثر سے مراد اہل حجاز ہیں، اس کے برخلاف بنوتمیم کے نزدیک مستثنیٰ منقطع مطلقاً منصوب نہیں ہوتا، بلکہ اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر مستثنیٰ منہ کو حذف کر کے مستثنیٰ کو اس کے قائم مقام بنایا جاسکتا ہو تو اس میں بدل بنا کر مبدل منہ کے مطابق اعراب اور مستثنیٰ بنا کر نصب دونوں کو جائز کہتے ہیں، (بقیہ صفحہ آئندہ)

مستثنیٰ منقطع پر نصب اس لئے ضروری ہے کہ اس میں صرف بدل الغلط کا احتمال ہوسکتا تھا، مگر یہاں وہ بھی نہیں ہوسکتا، کیونکہ بدل الغلط سہواور غلطی کے سبب آتا ہے، جب کہ مستثنیٰ کا وقوع قصد واختیار سے ہوتا ہے، لہٰذا اس کا مستثنیٰ ہونا متعین ہوگیا، اور مستثنیٰ پر نصب آتا ہے۔

(۴) مستثنیٰ خلا اور عدا کے بعد واقع ہو، خلا اور عدا دونوں باب نصر سے فعل ماضی کے صیغے ہیں۔ عدا یعدو عدواً تجاوز کرنا، خلا یخلو خلواً خالی ہونا۔ عدا تو متعدی بنفسہ ہے، لہٰذا اس کا مابعد مفعولیت کی بنا پر منصوب ہوگا، جس کو مجازاً مستثنیٰ کہا جاتا ہے اور خلا لازم ہے، پھر یا تو تجاوز کے معنیٰ کو متضمن ہے، اس صورت میں متعدی بنفسہ ہوگا اور یا من حرفِ جار کے واسطے سے متعدی ہے، پھر کبھی من کو حذف کرکے اس کے مدخول کو فعل سے ملا دیتے ہیں، اس کو ''حذف وایصال'' کہتے ہیں۔ اس وقت اس کی شکل بھی متعدی بنفسہ جیسی ہو جاتی ہے، اور اس کا مابعد بھی مفعولیت کی بنا پر منصوب ہوتا ہے، یہ دونوں فعل استثناء کے معنیٰ دیتے ہیں، یہ بھی اکثر نحاۃ کے نزدیک ہے۔

اس کے برخلاف بعض نحاۃ خلا اور عدا کو حرفِ جار کہتے ہیں اور ان کے بعد واقع ہونے والے اسم پر جر پڑھتے ہیں۔

(۵) مستثنیٰ ماخلا اور ماعدا کے بعد واقع ہو تو بھی منصوب ہوگا، ان دونوں پر ما مصدریہ ہے، اور مصدریہ فعل پر داخل ہوتا ہے، معلوم ہوا کہ یہ دونوں فعل ہیں، ان میں ضمیر فاعل ہے اور بعد والا اسم مفعولیت کی بنا پر منصوب ہوتا ہے جس کو مجازاً مستثنیٰ کہا جاتا ہے، جیسے: ماجاء نی القوم ماخلا زیداً وما عدا زیداً۔

(۶) مستثنیٰ لیس اور لایکون کے بعد واقع ہو تو بھی منصوب ہوگا، لیکن یہ بھی مستثنیٰ

---

(بقیہ صفحہ گذشتہ) جیسے: جاء نی القومُ إلّا حماراً / إلّا حمارٌ۔ اور اگر مستثنیٰ منہ کو حذف کرکے مستثنیٰ کو اس کے قائم مقام نہ بنایا جاسکے تو پھر وہ اہل حجاز کی موافقت کرتے ہیں اور اس کو مستثنیٰ بنا کر صرف نصب پڑھتے ہیں، جیسے: لَاعَاصِمَ الْیَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰہِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ کہ مَنْ رَّحِمَ محلاً منصوب ہے۔

مجازاً ہے، کیونکہ جس کو مستثنیٰ کہا جارہا ہے وہ حقیقت میں ان دونوں افعالِ ناقصہ کی خبر ہے اور افعال ناقصہ کی خبر منصوب ہوتی ہے، جیسے: جاء نی القوم لیس زیداً، سیجیٔ اھلک عندی. لا یکون بشراً. (آپ کی فیملی عنقریب میرے پاس آئے گی ایک شخص کے علاوہ)

**ویجوز فیہ النصب ویختار البدل فی مابعد إلّا فی کلام غیر موجب وذکر المستثنیٰ منہ مثل مافعلوہ إلّا قلیلٌ وإلّا قلیلاً.**

**ترجمہ:** اور جائز ہے اس میں نصب اور مختار ہے بدل إلّا کے مابعد میں کلام غیر موجب میں، حال یہ کہ مستثنیٰ منہ مذکور ہو، جیسے: مافعلوہ إلّا قلیلٌ اور مافعلوہ إلّا قلیلاً.

**تشریح:** یہاں مصنفؒ مستثنیٰ کے اعراب کی دوسری صورت بیان فرمارہے ہیں، وہ یہ ہے کہ اگر مستثنیٰ إلّا کے بعد کلام غیر موجب میں واقع ہو اور مستثنیٰ منہ مذکور ہو تو مستثنیٰ پر بر بناءِ استثناء نصب پڑھنا بھی جائز ہے، لیکن اس کو مستثنیٰ منہ سے بدل قرار دینا زیادہ بہتر ہے۔

اور بدل کے مختار ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس صورت میں اس کا اعراب بالاصالت اور بغیر واسطے کے ہوگا، کیونکہ بدل تکرار عامل کے حکم میں ہوتا ہے، یعنی ایسا سمجھا جاتا ہے کہ مبدل منہ پر جو عامل تھا وہ بدل پر آگیا ہے، اس لئے بدل مختار ہوا، اور نصب مفعول کی مشابہت کی وجہ سے اور إلّا کے واسطے سے ہوتا ہے، اس لئے وہ غیر مختار ہوا، جیسے: مافعلوہ إلّا قلیل، مافعلوہ إلّا قلیلاً۔ رفع فعلوا کی ضمیر فاعل سے بدل کی بنا پر ہے اور مختار ہے، اور نصب استثناء کی بنا پر ہے۔

**فوائد قیود:** (۱) مستثنیٰ کے إلّا کے بعد ہونے کی قید لگائی، لہٰذا اگر مستثنیٰ إلّا کے علاوہ کسی اور اداۃِ استثناء کے بعد واقع ہو، مثلاً: خلا و عدا کے بعد، تو پھر یہ حکم نہ ہوگا، بلکہ اس کا حکم ماقبل میں گذر چکا ہے۔

(۲) کلام غیر موجب کی قید اس لئے ہے کہ اگر مستثنیٰ کلام موجب میں ہو تو اس کا حکم بھی گذر چکا کہ اس پر نصب واجب ہے۔

(۳) مستثنیٰ منہ مذکور ہونے کی قید اس لئے ہے کہ اگر مستثنیٰ منہ مذکور نہ ہو تو اس کا حکم آگے آرہا ہے کہ اس کا اعراب عوامل کے مطابق ہوگا۔

ویعرب علی حسب العوامل إذا کان المستثنیٰ منہ غیر مذکور وھو فی غیر الموجب لیفید مثل: ماضربنی إلّا زیدٌ إلّا أن یستقیم المعنی مثل: قرأت إلّا یوم کذا.

**ترجمہ:** اور مستثنیٰ کو عوامل کے مطابق اعراب دیا جائے گا جب کہ مستثنیٰ منہ مذکور نہ ہو، اور مستثنیٰ کلام غیر موجب میں ہو، تاکہ وہ فائدہ دے، جیسے: ماضربنی إلّا زیدٌ (مجھ کو نہیں مارا مگر زید نے) مگر یہ کہ معنی درست ہو جائیں، جیسے: قرأت إلّا یومِ کذا (میں نے پڑھا مگر فلاں دن)

**تشریح:** مطلب یہ ہے کہ اگر مستثنیٰ کلام غیر موجب میں واقع ہو اور مستثنیٰ منہ مذکور نہ ہو تو مستثنیٰ کا کوئی مخصوص اعراب نہیں ہوتا، بلکہ عامل جس اعراب کا تقاضا کرے گا ویسا ہی اعراب اس پر آئے گا، اس کو "مستثنیٰ مفرغ" کہتے ہیں، اس میں کلام غیر موجب کی قید اس لئے ہے، تاکہ مستثنیٰ صحیح معنی کا فائدہ دے، کیونکہ کلام موجب میں معنی درست نہیں رہتے، جیسے: ماضربنی إلّا زیدٌ، اس کا مطلب یہ ہے کہ "مجھ کو صرف زید نے مارا کسی اور نے نہیں مارا" اور یہ ممکن ہے۔ برخلاف کلام موجب یعنی ضربنی إلّا زیدٌ کے، کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ "مجھ کو زید کے علاوہ سب نے مارا" حالانکہ یہ ممکن نہیں کہ ایک شخص کو مارنے کے لئے سب لوگ جمع ہو جائیں۔

**إلّا أن یستقیم المعنی:** اوپر بیان کیا ہے کہ کلام غیر موجب کی قید اس لئے ہے کہ کلام موجب میں معنی درست نہیں رہتے، لیکن اگر کلام موجب میں بھی معنی درست ہو جائیں تو اس پر بھی عوامل کے مطابق اعراب آئے گا، استقامت معنی (معنی درست ہونا) کی دو صورتیں ہیں:

(۱) حکم ایسا ہو کہ اس کو عمومی طریقہ پر ثابت کرنا صحیح ہو، پھر اس سے استثناء کیا جائے،

جیسے: کل حیوان یحرک فکہ الأسفل عند المضغ إلّا التمساح[1] (یعنی ہر حیوان چبانے کے وقت اپنے نیچے کے جبڑے کو حرکت دیتا ہے، سوائے مگرمچھ کے) یہاں چبانے کے وقت نیچے کے جبڑے کو ہلانے کا حکم ہر حیوان کے لئے ثابت کیا گیا ہے، اس لئے اس سے تمساح کا استثناء درست ہے۔

(۲) کلام میں ایسا قرینہ پایا جائے جو اس بات پر دلالت کرے کہ مستثنیٰ منہ سے ایسے معین افراد مراد ہیں جن میں مستثنیٰ داخل ہے، جیسے: قرأتُ إلّا یوم کذا، یہاں ظاہر ہے کہ متکلم کا مقصد یہ نہیں کہ میں نے دنیا کے تمام دنوں میں قرأت کی، البتہ فلاں دن نہیں کی، کیونکہ دنیا کے تمام ایام میں قرأت کرنا ممکن نہیں، بلکہ متکلم کا مقصود یہ ہے کہ ہفتہ کے یا مہینہ کے یا زیادہ سے زیادہ سال کے تمام دنوں میں پابندی سے قرأت کی صرف ایک دن ناغہ ہو گیا۔[2]

**ومن ثم لم یجز مازال زیدٌ إلّا عالماً .**

**ترجمہ:** اور اسی وجہ سے مازال زیدٌ إلّا عالماً جائز نہیں ہے۔

**تشـــریـــح:** اوپر بیان کیا گیا کہ مستثنیٰ مفرغ والی صورت کلام موجب میں بغیر استقامت معنی کے درست نہیں، اس پر تفریع کر کے فرماتے ہیں کہ مازال الخ ناجائز ہے، کیونکہ یہ کلام موجب ہے، اس طرح کہ زال میں نفی کے معنی پائے جاتے ہیں، اور اس پر ما نافیہ داخل ہے، تو نفی پر نفی کے داخل ہونے سے وہ مثبت ہو گیا، اور معنی درست نہیں رہے، کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ زید کے اندر تمام صفات پائی جاتی ہیں، صرف علم کی صفت نہیں پائی جاتی، اور یہ معنی صحیح نہیں، کیونکہ ان تمام صفات میں صفاتِ متضادہ بھی ہیں، تو یہ

① واضح رہے کہ یہ مثال مستثنیٰ مفرغ کی نہیں، کیونکہ مستثنیٰ منہ "کل حیوان" مذکور ہے، بلکہ یہ مثال صرف حکم کو عمومی طریقے پر ثابت کرنے کی ہے۔

② واضح رہے کہ اگر اسی طرح کی تاویل ضربنی إلّا زیدٌ میں بھی کر لی جائے مثلاً خاندان کے یا قبیلہ کے یا کسی محلہ کے تمام افراد نے مجھ کو مارا سوائے زید کے، تو اس کو بھی استقامت معنی کی صورت میں داخل کر لیا جائے گا، اور مستثنیٰ پر علی حسب العوامل اعراب آئے گا۔

کیسے ہوسکتا ہے کہ مثلاً ایک شخص سوتا بھی ہو اور جاگتا بھی ہو، کھڑا بھی ہو اور بیٹھا بھی ہو، ہنس بھی رہا ہو اور رو بھی رہا ہو، ظاہر ہے کہ یہ محال ہے۔

**وإذا تعذر البدل على اللفظ فعلى الموضع مثل ماجاء نى من أحد إلّا زيدٌ ولا أحد فيها إلّا عمرو ومازيدٌ شيئاً إلّا شيئ لا يعبأبه لأن من لاتزاد بعد الإثبات وما ولا لاتقدران عاملتين بعده لأنهما عملتا للنفي وقد انتقض النفي بإلّا .**

**ترجمہ:** اور جب بدل متعذر ہو لفظ پر (حمل کرتے ہوئے) تو محل پر (حمل کرکے بدل) ہوگا، جیسے: ماجاء نی من احد الخ، اس لئے کہ مِنْ اثبات کے بعد زیادہ نہیں کیا جاتا ہے، اور ما اور لا مقدر نہیں مانے جاتے ہیں، اس حال میں کہ وہ اثبات کے بعد عمل کرنے والے ہوں، اس لئے کہ وہ دونوں نفی کی وجہ سے عمل کرتے ہیں حالانکہ نفی تو إلّا کی وجہ سے ٹوٹ چکی۔

**تشریح:** مستثنیٰ کے اعراب کی دوسری صورت یہ بیان کی گئی تھی کہ اگر مستثنیٰ کلام غیر موجب میں واقع ہو اور مستثنیٰ منہ مذکور ہو تو مستثنیٰ پر نصب بھی جائز ہے، اور مستثنیٰ منہ سے بدل قرار دینا زیادہ بہتر ہے، تفصیل گذر چکی ہے۔ اب اس عبارت میں مصنفؒ یہ فرما رہے ہیں کہ چونکہ اس صورت میں بدل مختار ہے، اس لئے جہاں تک ممکن ہو بدل ہی بنایا جائے، اگر مستثنیٰ منہ کے لفظ پر حمل کرتے ہوئے بدل واقع کرنا صحیح نہ ہو تو محل کے اعتبار سے بدل قرار دیا جائے۔ مندرجہ بالا مثالیں ایسی ہیں جن میں مستثنیٰ کو مستثنیٰ منہ کے محل سے بدل قرار دیا گیا ہے، ہر ایک مثال کو تفصیل کے ساتھ دیکھئے:

(۱) ماجاء نی من احدٍ إلّا زيدٌ: اس میں أحدٌ محلا مرفوع ہے، کیونکہ ماجاء نی کا فاعل ہے اور زیدٌ محل کے اعتبار سے ہی أحدٌ سے بدل ہے، اسی لئے مرفوع ہے، زیدٌ کو أحدٌ سے لفظاً بدل قرار دینا صحیح نہیں، کیونکہ أحد پر مِن استغراقیہ کی وجہ سے جر ہے۔ اور قاعدہ ہے کہ مبدل منہ کا عامل بدل کا بھی عامل ہوتا ہے، تو اس قاعدہ کی رو سے إلّا کے بعد

بھی من آئے گا۔عبارت اس طرح ہوگی: ماجاء نی من احدٍ إلّا زید، جب کہ کلام غیر موجب میں إلّا کا مابعد مثبت ہوتا ہے اور کلام مثبت میں من استغراقیہ نہیں آتا، یہی مطلب ہے اس عبارت کا: لأن من لاتزاد بعد الإثبات۔

(۲) ولا أحدَ فیھا إلّا عمروٌ: اس میں عمروٌ، احدٌ سے محل کے اعتبار سے بدل ہے اور احد محل کے اعتبار سے مبتدا ہے اور مرفوع ہے، اس لئے عمروٌ پر بھی رفع ہوگا، اور عمروٌ کو احدٌ سے باعتبار لفظ کے بدل قرار دینا صحیح نہیں، کیونکہ احدٌ پر لائے نفی جنس کا اسم ہونے کی وجہ سے لفظاً فتح ہے، تو اگر لفظ کے اعتبار سے بدل قرار دیتے تو عمرو پر فتح ہوتا، کیونکہ لائے نفی جنس اس میں بھی عامل ہوتا، اس لئے کہ بدل تکرار عامل کے حکم میں ہوتا ہے، حالانکہ إلّا کے بعد لا عمل نہیں کرتا، کیونکہ لا کا عمل نفی کی وجہ سے ہوتا ہے اور إلّا کے بعد کلام مثبت ہوجاتا ہے۔

(۳) مازیدٌ شیئاً إلّا شیئٌ لا یعبأبہ: اس مثال میں شیئ مستثنیٰ ہے جو شیئاً سے محل کے اعتبار سے بدل ہے، اس لئے کہ شیئاً زیدٌ مبتدا کی محلاً خبر ہے، لہٰذا شیئٌ بھی خبر بننے کی وجہ سے مرفوع ہوگا۔ لفظ کے اعتبار سے بدل قرار دینا صحیح نہیں، کیونکہ شیئاً لفظ کے اعتبار سے ما نافیہ کی خبر ہے، تو اگر شیئٌ لفظ کے اعتبار سے بدل ہوتا تو اس میں بھی ما نافیہ عامل ہوتا اور وہ منصوب ہوتا، کیونکہ مبدل منہ کا عامل بدل کا بھی عامل ہوتا ہے، جب کہ ما نافیہ شیئٌ میں عمل نہیں کرسکتا، کیونکہ ما کا عمل نفی کی وجہ سے ہوتا ہے اور إلّا کے بعد کلام مثبت ہوجاتا ہے، یہی مطلب ہے اس عبارت کا: وما ولا لاتقدران عاملتین بعدہ لأنھما عملتا للنفی وقد انتقض النفی بإلّا۔

**فائدہ:** شیئٌ کے بعد لا یعبأبہ (ناقابل اعتبار) اس کی صفت اس لئے لائے کہ اگر یہ صفت نہ لاتے تو استثناء الشیئ عن نفسہ لازم آتا جیسا کہ ترجمہ سے ظاہر ہے، تو اس صفت کی وجہ سے شیئٌ خاص ہوگیا اور شیئاً عام ہے، تو استثناء الخاص من العام ہوگیا نہ کہ استثناء الشیئ عن نفسہ۔

بخلاف لیس زیدٌ شیئاً اِلّا شیئًا لانها عملت للفعلية فلا اثر فيها لنقض معنى النفي لبقاء الامر العاملة هي لأجله.

**ترجمہ**: برخلاف لیس زیدٌ شیئًا اِلّا شیئًا کے، اس لئے کہ لیس فعل ہونے کی وجہ سے عمل کرتا ہے پس فعلیت میں کوئی اثر نہیں نفی کی معنی کے ٹوٹنے کا، اس امر کے باقی رہنے کی بنا پر جس کی وجہ سے وہ "لیس" عمل کرتا ہے۔

**تشریح**: اوپر تفصیل گذری ہے کہ اگر ما اور لا عامل ہوتوں وہاں مستثنٰی کو مستثنٰی منہ سے لفظ کے اعتبار سے بدل قرار نہیں دیا جاسکتا، بلکہ محل کے اعتبار سے بدل بنایا جائے گا، کیونکہ ما اور لا نفی کی وجہ سے عمل کرتے ہیں اور اِلّا کی وجہ سے نفی ٹوٹ گئی، لہٰذا اِلّا کے مابعد میں وہ عمل نہیں کرسکتے۔

اب بیان فرمارہے ہیں کہ لیس کا معاملہ ما اور لا سے مختلف ہے، اگرچہ اس کے اندر بھی نفی کے معنی ہیں، مگر یہ نفی کی وجہ سے عمل نہیں کرتا، بلکہ فعل ہونے کی وجہ سے عمل کرتا ہے، لہٰذا اِلّا کے مابعد مستثنٰی میں بھی یہ عمل کرے گا، تو اگر مستثنٰی منہ سے جو لیس کی خبر ہے مستثنٰی کو لفظ کے اعتبار سے بدل قرار دیا جائے تو بلاشبہ درست ہے، چنانچہ شیئاً ثانی کو جو مستثنٰی شیئاً اول سے جو مستثنٰی منہ ہے، لفظ کے اعتبار سے بدل قرار دیا گیا ہے، اسی وجہ سے مستثنٰی منہ کی طرح مستثنٰی بھی منصوب ہے، کیونکہ اِلّا کی وجہ سے اگرچہ نفی ٹوٹ گئی، مگر چونکہ لیس نفی کی وجہ سے عمل نہیں کرتا، بلکہ فعلیت کی وجہ سے عمل کرتا ہے، لہٰذا نفی کے ٹوٹنے کا فعلیت میں کوئی اثر نہیں، یہی مطلب ہے اس عبارت کا: فلا اثر فيها لنقض معنى النفي . اس لئے کہ فعلیت اِلّا کے مابعد میں بھی باقی ہے، یہی مطلب ہے اس عبارت کا: لبقاء الأمر العاملة هي لأجله۔ اس امر کے (یعنی فعلیت کے) باقی رہنے کی وجہ سے (اِلّا کے مابعد یعنی مستثنٰی میں) جس کی وجہ سے وہ (لیس) عمل کرنے والا ہے۔

**فائدہ**: اس مثال (لیس زیدٌ شیئاً اِلّا شیئاً) میں بھی استثناء الشيء عن نفسه لازم آتا ہے، لہٰذا شیئاً ثانی کے بعد لا یعبابہ معتبر ہے، جس کی وجہ سے شیئاً ثانی

خاص ہوگیا، اور یہ استثناء الخاص من العام ہوگیا، جس کی تفصیل ماقبل میں گذر گئی۔

**ومن ثم جاز لیس زیدٌ إلّا قائماً وامتنع مازیدٌ إلّا قائماً.**

**ترجمہ**: اور اسی وجہ سے لیس زیدٌ إلّا قائماً جائز ہے اور مازیدٌ إلّا قائماً ممتنع ہے۔

**تشریح**: فرماتے ہیں کہ اسی وجہ سے کہ لیس کا عمل فعلیت کی وجہ سے ہے اور ما ولا کا عمل نفی کی وجہ سے ہے، لیس زیدٌ إلّا قائماً ترکیب صحیح ہے، کیونکہ قائماً پر نصب لیس کی خبر ہونے کی وجہ سے ہے، اور لیس فعل ہونے کی وجہ سے إلّا کے مابعد میں بھی عمل کرتا ہے، اور مازیدٌ إلّا قائماً درست نہیں، کیونکہ قائماً نصب ما کی خبر ہونے کی وجہ سے ہے، حالانکہ ما کا عمل إلّا کے بعد نہیں ہوتا، کیونکہ ما نافیہ نفی کی وجہ سے عمل کرتا ہے، اور إلّا کی وجہ سے نفی ٹوٹ گئی۔

**ومخفوض بعد غیر وسوی وسواءٍ[1] وبعد حاشا فی الأکثر.**

**ترجمہ**: اور مستثنیٰ مجرور ہوتا ہے غیر اور سوی اور سواء کے بعد اور حاشا کے بعد اکثر علماء نحو کے قول میں۔

**تشریح**: ادواتِ استثناء گیارہ ہیں، ان میں سے سات کا بیان اوپر آچکا ہے، اب اس عبارت میں مصنفؒ مابقیہ چار کو بیان فرمارہے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ جب مستثنیٰ غیر، سوی اور سواء کے بعد واقع ہو تو مجرور ہوگا، کیونکہ یہ تینوں مضاف ہوں گے، اور مستثنیٰ مضاف الیہ ہوگا۔ اسی طرح مستثنیٰ حاشا کے بعد واقع ہو تو اکثر نحاۃ کے نزدیک مجرور ہوگا، کیونکہ ان کے نزدیک یہ حرفِ جر ہے، جب کہ امام مبردؒ وغیرہ حاشا کو فعل متعدی کہتے ہیں، اس میں ضمیر فاعل ہے اور اس کے بعد والا اسم مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہوگا۔

**فائدہ**: (۱) حاشا کے ذریعہ یہ بتانا مقصود ہوتا ہے کہ مستثنیٰ منہ کی طرف جس حکم کی نسبت کی گئی ہے مستثنیٰ اس سے بری ہے، جیسے: ضرب القوم عمرواً حاشا زیدٍ یا حاشا زیداً. مطلب یہ ہے کہ قوم نے عمرو کو مارا اور اللہ پاک نے زید کو قوم کے مارنے سے دور رکھا۔

[1] سوی فیہ لغتان بکسر السین وضمها، وسواء ممدود بفتح السین.

**فائدہ:** (۲) حاشا کے بارے میں چونکہ اختلاف ہے نیز مستثنیٰ کو اس کے جر دینے کی وجہ دوسری ہے، اور غیر وغیرہ کے جر دینے کی وجہ دوسری ہے، اس لئے مصنفؒ نے تین کو ایک ساتھ بیان کیا، اور حاشا کو بعد حاشا کہہ کر الگ بیان کیا۔ واللہ اعلم

**واعراب غیر فیه کاعراب المستثنیٰ بالّا علی التفصیل .**

**ترجمہ:** اور لفظ غیر کا اعراب استثناء میں مستثنیٰ باِلّا کے اعراب کی طرح ہے گذشتہ تفصیل کے مطابق۔

**تشریح:** لفظ غیر اکثر تو صفت کے لئے آتا ہے، لیکن کبھی استثناء کے لئے بھی آتا ہے، جب صفت کے لئے آئے گا تو اس کا اعراب اپنے موصوف جیسا ہوگا، اور اگر استثناء کے لئے ہوگا تو اس کا وہ اعراب ہوگا جو مستثنیٰ باِلّا کا اعراب ہوتا ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ:

(۱) لفظ غیر جب کلام موجب میں واقع ہو یا مستثنیٰ منہ پر مقدم ہو، یا مستثنیٰ منقطع ہو تو لفظ غیر منصوب ہوگا جس طرح مستثنیٰ باِلّا ان صورتوں میں منصوب ہوتا ہے۔

(۲) اور اگر لفظ غیر کلام غیر موجب میں ہو اور مستثنیٰ منہ مذکور ہو تو مستثنیٰ باِلّا کی طرح لفظ غیر پر نصب اور مستثنیٰ منہ سے بدل دونوں درست ہیں۔

(۳) اور اگر لفظ غیر کلام غیر موجب میں ہو اور مستثنیٰ منہ مذکور نہ ہو تو جیسا عامل ہوگا ویسا ہی غیر پر اعراب آئے گا۔

**وغیر صفة حملت علی إلّا فی الاستثناء کما حملت إلّا علیها فی الصفة إذا کانت تابعة لجمع منکور غیر محصور لتعذر الاستثناء مثل: ''لو کان فیهما الهة إلّا اللّٰه لفسدتا'' وضعف فی غیره .**

**ترجمہ:** اور لفظ غیر صفت ہے حمل کر لیا گیا اس کو اِلّا پر استثناء میں، جیسا کہ حمل کیا گیا اِلّا کو غیر پر صفت میں، جب کہ وہ (اِلّا) ایسی جمع کے بعد آئے جو نکرہ ہو، غیر محصور ہو استثناء کے متعذر ہونے کی وجہ سے، جیسے: ''لو کان فیهما الهة إلّا اللّٰه لفسدتا''

(اگر زمین و آسمان میں اللہ کے علاوہ چند معبود ہوتے تو وہ دونوں ٹوٹ پھوٹ جاتے) اور اس کے علاوہ میں ضعیف ہے۔

**تشریح**: مطلب یہ ہے کہ کلمۂ غیر اصل میں تو صفت واقع ہوتا ہے، جیسے: ماجاء نی رجلٌ غیرُ زیدٍ، لیکن کبھی غیر کو اِلّا پر محمول کر کے استثناء کے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے، جیسے: ماجاء نی القوم غیر زیدٍ. اس مثال میں غیر صفت کے لئے نہیں ہے، کیونکہ غیر میں ابہام بہت ہوتا ہے، وہ معرفہ کی طرف مضاف ہونے کے باوجود معرفہ نہیں بنتا، بلکہ نکرہ ہی رہتا ہے، حالانکہ القوم معرفہ ہے، تو اگر غیر کو صفت کے لئے بنائیں تو موصوف اور صفت میں تعریف و تنکیر کے اعتبار سے مطابقت نہیں رہے گی، تو جب لفظ غیر صفت کے لئے نہیں ہوا تو استثناء کے لئے ہوگا، جیسا کہ اِلّا میں اصل تو یہ ہے کہ استثناء کے لئے ہو، لیکن جب استثناء کے لئے نہ ہو سکے تو غیر کے معنی میں یعنی صفت کے لئے استعمال کیا جائے گا، مگر اِلّا صفت کے لئے اس وقت ہوگا جب کہ تین شرطیں پائی جائیں:

(۱) جمع (متعدد) کے بعد ہو (۲) وہ جمع نکرہ ہو (۳) غیر محصور ہو۔

(۱) جمع (متعدد) کے بعد واقع ہونے کی قید اس وجہ سے لگائی، کیونکہ اِلّا استثنائی میں مستثنیٰ منہ متعدد ہوتا ہے، تو جب اِلّا صفتی میں بھی موصوف متعدد ہوگا تو دونوں کے استعمال میں مناسبت ہو جائے گی۔ اور جمع عام ہے خواہ لفظاً ہو، جیسے: رجالٌ، یا تقدیراً ہو، جیسے: قومٌ نیز تثنیہ بھی جمع (متعدد) میں داخل ہے۔

(۲) دوسری شرط یہ ہے کہ وہ جمع (متعدد) نکرہ ہو، یعنی معرف باللام نہ ہو،① کیونکہ اگر الف لام استغراقی ہوگا تو اِلّا کا مابعد ماقبل میں داخل ہوگا، اس صورت میں اِلّا کا مابعد مستثنیٰ متصل ہوگا، اور اگر الف لام عہد خارجی کا ہوگا تو اس کی دو شکلیں ہیں: (۱) یا تو اس جمع سے

① معرفہ کی دوسری قسمیں مثلاً اسم اشارہ، اضافت وغیرہ کے بعد اگر اِلّا واقع ہو تو وہ اِلّا بھی غیر کے معنی میں نہ ہوگا، بلکہ استثناء کے لئے ہوگا، جیسے: ماجاء نی هؤلاءِ اِلّا زیداً، جاء نی اخوۃ عمرٍو اِلّا زیداً، اور معرف باللام کا ذکر صرف کثرت استعمال اور شہرت کی بنا پر ہے۔

ایسے افراد مراد لئے جائیں گے جو اِلّا کے مابعد کو بھی شامل ہیں۔(۲) اور یا ایسے افراد مراد لئے جائیں گے جو اِلّا کے مابعد کو شامل نہیں۔ پہلی صورت میں اِلّا کا مابعد مستثنیٰ متصل ہوگا، اور دوسری صورت میں مستثنیٰ منقطع ہوگا، اور اِلّا کو غیر کے معنی میں لینے کی شرط یہ ہے کہ مستثنیٰ کی ان دونوں قسموں میں سے کوئی قسم نہ بن سکے اور اگر الف لام عہدِ ذہنی ہو تو وہ نکرہ کے ہی حکم میں ہے۔

(۳) تیسری شرط یہ ہے کہ وہ جمع غیر محصور ہو یعنی اپنے تمام افراد کو یا بعض افراد کو گھیرے ہوئے نہ ہو، یہ قید اس لئے لگائی کہ اگر وہ جمع محصور ہوگی تو اِلّا کا مابعد ماقبل میں داخل ہوگا، لہٰذا مستثنیٰ متصل ہوگا تو اِلّا استثناء کے لئے ہوگا غیر کے معنی میں نہ ہوگا، جیسے: کل رجل إلّا زيداً جاء نی، یہ تمام افراد کو گھیرنے کی مثال ہے۔ له عليّ عشرةٌ إلّا درهماً، یہ بعض افراد کو گھیرنے کی مثال ہے، ان دونوں مثالوں میں اِلّا استثناء کے لئے ہے۔

ان تینوں شرطوں (اِلّا کا ماقبل جمع (متعدد) ہو، نکرہ ہو، غیر محصور ہو) کے پائے جانے کے بعد اِلّا، غیر کے معنی میں ہوگا، کیونکہ ان شرائط کے پائے جانے کے بعد اِلّا کا مابعد نہ مستثنیٰ متصل ہو سکتا ہے نہ مستثنیٰ منقطع، اس لئے مجبوراً اِلّا کو لفظ غیر کی طرح صفت کے معنی میں لیا جائے گا، جیسے (لو كان فيهما الهةٌ إلّا الله لفسدتا) اس مثال میں اِلّا بمعنی غیر ہے، کیونکہ اس میں مذکورہ تینوں شرطیں پائی جارہی ہیں، اِلّا کا ماقبل الهة جمع (متعدد) بھی ہے، نکرہ بھی ہے اور غیر محصور بھی ہے۔ اور اِلّا کے مابعد یعنی لفظ اللہ کا ماقبل الهة میں نہ دخول یقینی ہے اور نہ عدم دخول۔ (یعنی لفظ اللہ، الهة میں داخل ہو بھی سکتا ہے اور نہیں بھی ہو سکتا) اس لئے یہاں استثناء کی دونوں قسموں میں سے کوئی بھی قسم قرار نہیں دی جا سکتی، اب جب استثناء متعذر ہے تو اِلّا کو غیر کے معنی میں صفت کے لئے لیا جائے گا۔

وضعف الخ یعنی غیر کے معنی میں اِلّا کو اس وقت استعمال کیا جائے گا جب کہ مذکورہ تین شرطیں پائی جائیں، اگر یہ شرائط نہ پائی جائیں تو پھر اِلّا کو غیر کے معنی میں استعمال کرنا ضعیف ہے، اس لئے کہ اگر یہ شرائط نہ پائی جائیں تو اِلّا کا استثناء کے لئے استعمال درست ہے، تو غیر کے معنی میں لینے کی ضرورت نہیں۔

مصنفؒ نے ضَعُفَ استعمال فرمایالم یجز نہیں کہا، اس کی وجہ یہ ہے کہ سیبویہ وغیرہ کے نزدیک اگر مذکورہ تینوں شرطیں نہ پائی جائیں تب بھی إلّا کو غیر کے معنی میں استعمال کیا جاسکتا ہے۔

واعراب سویٰ وسواء النصب علی الظرف علی الأصح .

**ترجمہ**: اور سویٰ اور سواء کا اعراب نصب ہے، ظرفیت کی بنا پر اصح مذہب کے مطابق۔

**تشریح**: مصنفؒ نے اس سے پہلے غیر کا اعراب بیان کیا تھا، اب سویٰ اور سواء کا اعراب بیان فرمارہے ہیں، فرماتے ہیں کہ سویٰ اور سواء کا اعراب ظرفیت کی بناپر نصب ہے، یہ سیبویہ کا مذہب ہے، ان کے نزدیک یہ ہمیشہ ظرف واقع ہوں گے، اور یہی زیادہ صحیح مذہب ہے، جیسے: جاء نی القوم سویٰ زیدٍ وسواء زیدٍ. اس کے برخلاف کوفیین کا مذہب یہ ہے کہ یہ ہمیشہ ظرف واقع نہیں ہوتے، ان پر رفع، نصب، جر تینوں اعراب آسکتے ہیں، اور امام اخفشؒ کا مذہب یہ ہے کہ یہ ہمیشہ ظرف تو واقع نہیں ہوتے، لیکن اعراب ان پر نصب ہی آئے گا۔ واللہ اعلم

## (۹) افعالِ ناقصہ کی خبر:

خبر کان وأخواتها: هو المسند بعد دخولها مثل کان زیدٌ قائماً.

**ترجمہ**: کان اور اس کے اخوات کی خبر: وہ مسند ہوتی ہے ان (کان اور اس کے خوات) کے داخل ہونے کے بعد، جیسے: کان زیدٌ قائماً۔

**تشریح**: یہاں سے مصنفؒ منصوبات کی نویں قسم (افعال ناقصہ کی خبر) کو بیان رمارہے ہیں، فرماتے ہیں کہ کان اور اس کے اخوات کی خبر وہ ہے جو ان کے داخل ہونے کے بعد مسند ہوتی ہے، اخوات سے مراد امثال ہے، ان کے داخل ہونے کے بعد مسند ہونے کا مطلب یہ ہے کہ پہلے وہ خبر عامل معنوی کا مسند تھی، اب وہ ان کا مسند ہے۔

وأمره کامر خبر المبتدأ .

**ترجمہ**: اوراس کا حکم مبتدا کی خبر کے حکم کی طرح ہے۔

**تشریح**: مطلب یہ ہے کہ کان اوراس کے اخوات کی خبر کا معاملہ اقسام، احکام اور شرائط میں مبتدا کی خبر جیسا ہے۔ اقسام کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح مبتدا کی خبر مفرد اور جمع ،معرفہ اور نکرہ ہوتی ہے اسی طرح کان اوراس کے اخوات کی خبر کی بھی یہی قسمیں ہیں۔ اور احکام کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح مبتدا کی خبر واحد اور متعدد، مثبت و منفی نیز مذکور ومحذوف ہوتی ہے، اسی طرح کان اوراس کے اخوات کی خبر میں بھی یہ احکام جاری ہوتے ہیں۔ اور شرائط کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح مبتدا کی خبر اگر جملہ ہوتو اس میں ایک عائد ورابط کا ہونا ضروری ہے، یہی حال کان اوراس کے اخوات کی خبر کا بھی ہے کہ وہ اگر جملہ ہوتو اس میں بھی ایک عائد کا ہونا ضروری ہے۔

**ويتقدم معرفةً .**

**ترجمہ**: اور مقدم ہو جاتی ہے وہ معرفہ ہونے کی صورت میں۔

**تشریح**: مطلب یہ ہے کہ کان اوراس کے اخوات کی خبر مبتدا کی خبر کی طرح ہے، لیکن دونوں میں کچھ فرق بھی ہے وہ یہ کہ کان اوراس کے اخوات کی خبر اگر معرفہ ہو یا نکرۂ مخصصہ ہوتو دونوں صورتوں میں ان کی خبر کا ان کے اسم پر مقدم کرنا درست ہے، کیونکہ ان کے اسم وخبر میں اعراب کے اعتبار سے فرق ہے، اگر خبر مقدم بھی ہو جائے تو التباس لازم نہیں آئے گا۔ معرفہ کی مثال، جیسے: کانَ المنطلق زیدٌ نکرہ مخصصہ کی مثال، جیسے: کان خیراً من جاهلٍ رجلٌ عالمٌ ، برخلاف مبتدا اور خبر کے کہ ان دونوں کا اعراب رفع ہے تو خبر کے معرفہ ہونے کی شکل میں اگر اس کو مقدم کردیا جائے تو دونوں میں التباس لازم آئے گا، لہٰذا اس صورت میں مبتدا کا ہی مقدم کرنا ضروری ہے۔

**وقد يحذف عامله في نحوَ الناس مجزيُّون باعمالهم إن خيراً فخير وإن شراً فشرٌ، ويجوز في مثلها اربعة اوجهٍ .**

**ترجمہ**: اور کبھی حذف کردیا جاتا ہے ان (کان کی خبر) کے عامل کو الناس

مجزیون الخ جیسے میں، اوراس جیسی ترکیب میں چار وجہیں جائز ہیں۔

**تشریح**: مطلب یہ ہے کہ کبھی کبھی کان کی خبر کے عامل کو (یعنی خود کان کو) قرینہ کے وقت حذف کرنا جائز ہے، اور یہ حکم صرف کان کا ہے، اس کو کثرتِ استعمال کی وجہ سے حذف کردیا جاتا ہے، کان کے دوسرے اخوات کا استعمال اتنا نہیں ہے اس لئے ان کو حذف نہیں کیا جاتا، جیسے: الناس مجزیون بأعمالهم إن خیراً فخیرٌ وان شراً فشرٌ، اس مثال میں خیراً اور شراً کان محذوف کی خبر ہے۔

الناس الخ جیسے سے مراد ہر وہ ترکیب ہے جس میں ان شرطیہ کے بعد ایک اسم منصوب ہو اور اس کے بعد فا ہو، پھر فا کے بعد ایک اور اسم منصوب ہو تو اس جیسی ترکیب میں چار صورتیں جائز ہیں:

(۱) دونوں اسموں کا نصب، جیسے: إن خیراً فخیراً، تقدیری عبارت یہ ہوگی: إن کان عملهم خیراً فیکون جزائهم خیراً.

(۲) دونوں اسموں کا رفع، جیسے: إنْ خیرٌ فخیرٌ، ای إن کان فی عملهم خیرٌ فجزائهم خیرٌ.

(۳) پہلے اسم کا نصب دوسرے کا رفع، جیسے: إن خیراً فخیرٌ، أی إن کان عملهم خیراً فجزائهم خیرٌ.

(۴) پہلے کا رفع دوسرے کا نصب، جیسے: إن خیرٌ فخیراً، أی إن کان فی عملهم خیرٌ فیکون جزائهم خیراً.

ان مثالوں میں کان کے حذف کا قرینہ إن حرفِ شرط کا اسم پر داخل ہونا اور خیراً کا نصب ہے۔

**فائدہ**: ان چاروں صورتوں کے قوی وضعیف ہونے کا مدار قلت حذف اور کثرتِ حذف پر ہے، جس صورت میں سب سے کم حذف ہے وہ سب سے قوی ہے اور جس میں سب سے زیادہ حذف ہے وہ سب سے زیادہ ضعیف ہے، باقی بین بین ہیں۔

چنانچہ مذکورہ صورتوں میں سے تیسری صورت میں سب سے کم حذف ہے، اس لئے وہ سب سے قوی ہے، اس میں شرط کی جانب میں کــان فعل اور اس کا اسم محذوف ہے اور جزا کی جانب میں مبتدا محذوف ہے، صرف تین چیزوں کا حذف ہے۔

اور چوتھی صورت میں سب سے زیادہ حذف ہے، چنانچہ شرط سے کــان، جار مجرور اور جزا سے کان اور اس کا اسم یہ پانچ چیزیں محذوف ہیں، لہٰذا یہ صورت سب سے زیادہ ضعیف ہے۔

باقی دونوں صورتوں (اول وثانی) میں محذوف کی تعداد چار ہے، لہٰذا یہ دونوں صورتیں نہ بہت زیادہ قوی ہیں اور نہ بہت زیادہ ضعیف ہیں۔ واللہ اعلم

---

ویجب الحذف فی مثل أمّا انت منطلقاً إنطلقتُ ای لأن کنتَ منطلقاً.

---

**ترجمه:** اور واجب ہے حذف (کان کا حذف) أما أنـت منطلقاً انطلقت جیسے میں، یعنی لأن کنت منطلقاً انطلقتُ.

**تشریح:** أمـا انت منطلقاً انطلقت جیسی مثال میں کان کا حذف واجب ہے، اس جیسی مثال سے مراد ہر وہ ترکیب ہے جس میں کان کو حذف کر کے اس کا عوض لائیں، تو ایسی ترکیب میں کان کا حذف واجب ہے، کیونکہ عوض کے ساتھ کان کو اگر ذکر کیا جائے تو عوض اور معوض کا اجتماع لازم آتا ہے اور یہ درست نہیں۔

أما أنت منطلقاً کی اصل لأن کنتَ منطلقاً ہے، أن کی وجہ سے فعل اسم کی تاویل میں ہو جاتا ہے، اور اسم تاویلی سے لام جارہ کا حذف کرنا قیاس کے مطابق ہے اور بکثرت اس کا وقوع ہوتا رہتا ہے، اور کــان کو اختصار کے لئے حذف کر دیا گیا اور اس کے عوض مـا مصدریہ لے آئے، کیونکہ ما مصدریہ بھی کان کی طرح زمانہ پر دلالت کرتا ہے۔ کنت میں ضمیر متصل کی جگہ ضمیر منفصل یعنی أنت لے آئے، کیونکہ ضمیر متصل فعل کے ساتھ متصل ہوتی ہے جب فعل نہیں رہا تو ضمیر کو منفصل بنا دیا، أنَ مـا أنـت ہو گیا، اس کے بعد نون کا میم میں ادغام کر دیا أما انت منطلقاً انطلقت ہو گیا۔

## (۱۰) حروفِ مشبہ بالفعل کا اسم:

**اسم إنَّ واخواتها هو المسند اليه بعد دخولها مثل إنَّ زيداً قائمٌ .**

**ترجمہ:** إنَّ اور اس کے اخوات کا اسم، وہ مسند الیہ ہوتا ہے ان کے داخل ہونے کے بعد، جیسے: إنَّ زيداً قائمٌ۔

**تشریح:** دسواں منصوب إنَّ اور اس کے اخوات (أنَّ، كأنَّ، لكنَّ، ليتَ، لعلَّ) کا اسم ہے، یہ (اسم) ان کا مسند الیہ ان کے داخل ہونے کے بعد ہوتا ہے، یعنی مسند الیہ تو پہلے سے ہی تھا، لیکن ان کا مسند الیہ ان کے داخل ہونے کے بعد ہی بنتا ہے، جیسے: إنَّ زيداً قائمٌ۔

## (۱۱) لائے نفی جنس کا اسم:

**المنصوب بلا التي لنفي الجنس هو المسند إليه بعد دخولها يليها نكرةً مضافًا أومشبهاً به مثل لا غلام رجلٍ ظريفٌ فيها ولا عشرين درهماً لك .**

**ترجمہ:** وہ اسم جو لائے نفی جنس کی وجہ سے منصوب ہوتا ہے وہ مسند الیہ ہوتا ہے اس کے داخل ہونے کے بعد، اس حال میں کہ وہ مسند الیہ متصل ہو اس (لا) سے نکرہ ہو، مضاف ہو یا مشابہ مضاف ہو، جیسے: لا غلام رجل ظريف فيها ، اور لا عشرين درهماً لك.

**تشریح:** یہاں سے مصنفؒ گیارہویں منصوب کو بیان فرمارہے ہیں، مصنفؒ نے اسم لا التی الخ نہیں کہا، اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر اسم لا التی الخ کہتے تو یہ سمجھا جاتا کہ لائے نفی جنس کا اسم ہر حال میں منصوب ہوتا ہے، حالانکہ ایسا نہیں، بلکہ یہ تو اکثر حالات میں بھی منصوب نہیں ہوتا۔

جنس کی نفی سے مراد اس کی صفت کی نفی ہے نہ کہ ذات جنس کی، مثلاً لا رجل في الدار میں جنس رجل کی نفی مراد نہیں، بلکہ اس کی صفت یعنی استقرار في الدار کی نفی مراد

ہے، لاءِ نفی جنس کا اسم لاء کے داخل ہونے کے بعد مسند الیہ ہوتا ہے، یعنی مسند الیہ تو وہ پہلے سے ہے، لیکن اس کا مسند الیہ اس کے داخل ہونے کے بعد بنتا ہے۔

لاءِ نفی جنس کا اسم تین شرطوں کے ساتھ منصوب ہوگا:

(۱) وہ اسم، لاء کے متصل ہو درمیان میں کوئی فاصلہ نہ ہو۔

(۲) وہ اسم نکرہ ہو، معرفہ نہ ہو۔

(۳) وہ اسم مضاف یا مشابہ مضاف ہو۔

جیسے: **لاغلام رجل ظریف فیہا**، اس مثال میں لاءِ نفی جنس کا اسم لا کے متصل ہے، نکرہ ہے اور مضاف بھی ہے۔ تفصیل مرفوعات میں گذر گئی۔

**لاعشرین درھماً لک** ۔اس مثال میں **عشرین درھماً** مشابہ مضاف ہے، لا کے متصل ہے اور نکرہ ہے۔

---

**فإن کان مفرداً فھو مبنیٌّ علی ماینصب بہ .**

**ترجمہ:** پس اگر وہ مفرد ہو تو وہ مبنی ہوگا اس حالت پر جس کے ساتھ اس کو نصب دیا جاتا ہے۔

**تشریح:** اوپر مصنفؒ نے تین قیود (مسند الیہ لا سے متصل ہو، نکرہ ہو اور مضاف یا شبہ مضاف) کے پائے جانے کے وقت لاءِ نفی جنس کے اسم کا یہ حکم بیان کیا تھا کہ وہ منصوب ہوگا، اب اگر یہ قیود نہ پائی جائیں تو کیا حکم ہے؟ اس عبارت میں اسی کو بیان کیا جارہا ہے۔ فرماتے ہیں کہ اگر لاءِ نفی جنس کا اسم مفرد ہو یعنی مضاف اور مشابہ مضاف نہ ہو، چاہے تثنیہ وجمع ہو، باقی قیود پائی جائیں یعنی متصل بھی ہو اور نکرہ بھی ہو تو اس صورت میں لاء کا اسم علامت نصب پر مبنی[1] ہوگا، یعنی لاء کے داخل ہونے سے پہلے اسم پر نصبی حالت میں حرکت

---

[1] لاءِ نفی جنس کا اسم اگر نکرہ مفردہ ہو تو اس کے مبنی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ مِنْ کے معنی کو متضمن ہے، اور مِنْ معرف ہے جو کہ مبنی الاصل ہے، اور مبنی الاصل کو متضمن ہونے کی وجہ سے وہ اسم بھی مبنی ہے، اور مِنْ کے معنی کو متضمن ہونے کی وجہ یہ ہے کہ لارجل فی الدار اصل میں لامن رجلٍ فی الدار ہے، (بقیہ صفحہ آئندہ)

آتی ہے، لاء کے داخل ہونے کے بعد اسی حرکت پر لاء کا اسم مبنی ہو جائے گا۔ اگر مفرد ہے تو فتحہ پر مبنی ہوگا، جیسے: لا رجل فی الدار اور جمع مؤنث سالم ہو تو کسرہ پر مبنی ہوگا، جیسے: لا مسلماتِ فی الدار (کسرہ کے ساتھ بغیر تنوین کے) اور تثنیہ میں یاء ماقبل مفتوح ہوگا، جیسے: لامسلمین فی الدار، اور اگر جمع مؤنث سالم ہو تو یا ماقبل کسرہ پر مبنی ہوگا، جیسے: لامسلمین فی الدار.

**وإن كان معرفةً أومفعولاً بينه وبين لا وجب الرفع والتكرير .**

**ترجمہ:** اور اگر وہ معرفہ ہو یا اس کے اور لاء کے درمیان فصل کیا ہوا ہو تو رفع اور تکرار واجب ہے۔

**تشریح:** اوپر یہ بات گذر چکی ہے کہ تین شرطوں کے ساتھ لاء نفی جنس کا اسم منصوب ہوتا ہے، لیکن اگر یہ شرطیں نہ پائی جائیں تو پھر اس کا حکم نصب کے علاوہ کچھ اور ہوگا۔

اس کے بعد فان کان مفرداً الخ سے یہ بیان کیا کہ اگر آخری شرط (یعنی مضاف وشبہ مضاف) نہ پائی جائے، البتہ نکرہ ہو اور متصل بھی ہو تو لاء کا اسم علامت نصب پر مبنی ہوگا۔

اب یہاں سے مصنفؒ پہلی دو شرطوں (لاء کا اسم نکرہ ہو، متصل ہو) کے نہ ہونے کی شکل میں لاء کے اسم کا حکم بیان فرمارہے ہیں کہ اگر دوسری شرط نہ پائی جائے یعنی لاء کا اسم نکرہ نہ ہو، بلکہ معرفہ ہو یا پہلی شرط نہ پائی جائے یعنی لاء کا اسم لاء کے متصل نہ ہو، بلکہ

(بقیہ صفحہ گذشتہ) کیونکہ یہ ھل من رجلٍ فی الدار کے جواب میں ہے، خواہ یہ سوال حقیقۃً کیا گیا ہو یا فرض کر لیا جائے، بہرحال سوال میں مِنْ ہونے کی وجہ سے جواب میں بھی اس کا لحاظ کیا جائے گا، پھر تخفیفاً مِنْ کو حذف کر دیا گیا۔

اور علامت نصب پر مبنی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس صورت میں حرکت بنائیہ اور حرکت اعرابیہ میں موافقت ہو جاتی ہے، کیونکہ لاء نفی جنس کا اسم اگر مبنی نہ ہوتا تو اس پر نصب آتا، یعنی دو زبر بشکل تنوین آتے، اب لاء کے داخل ہونے کے بعد ایک زبر آئے گا، مگر ہے زبر ہی ایسے ہی تثنیہ وجمع کی صورت میں لاء کے دخول سے پہلے جس حالت پر وہ معرب تھے اسی حالت پر لاء کے دخول کے بعد مبنی ہو جائیں گے، تو مبنی ومعرب دونوں حالتوں میں موافقت ہوگئی۔

دونوں میں فصل ہو جائے یا دونوں ہی شرطیں منتفی ہو جائیں، نہ لاء کا اسم نکرہ رہے اور نہ لاء کے متصل ہو، تو ان صورتوں میں لاء کے اسم پر ابتدا کی بنا پر رفع واجب ہوگا، اور لاء کا تکرار مع اسم کے واجب ہوگا۔ اس تفصیل میں تیسری شرط یعنی مضاف ومشابہ مضاف کے ہونے یا نہ ہونے کا کوئی دخل نہیں۔ مندرجہ بالا تفصیل کی روشنی میں لائے نفی جنس کے اسم کی چھ صورتیں ہیں:

(۱) لاء کا اسم معرفہ ہو، مفصول ہو، مضاف یا مشابہ مضاف ہو، جیسے: لافی الدار غلامُ زیدٍ ولا عمرو.

(۲) لاء کا اسم معرفہ ہو، مفصول ہو، مضاف یا مشابہ مضاف نہ ہو، جیسے: لافی الدار زید ولا عمروٌ .

(۳) لاء کا اسم معرفہ ہو، مفصول نہ ہو، مضاف یا مشابہ مضاف ہو، جیسے: لاغلام زید فی الدار ولا عمرو.

(۴) لاء کا اسم معرفہ ہو، مفصول نہ ہو، مضاف یا مشابہ مضاف نہ ہو، جیسے: لازید فی الدار ولاعمرو.

(۵) لاء کا اسم معرفہ نہ ہو، مفصول ہو، مضاف یا مشابہ مضاف ہو، جیسے: لا فی الدار رجل ولا امرأةٌ .

(۶) لاء کا اسم معرفہ نہ ہو، مفصول ہو، مضاف یا مشابہ مضاف نہ ہو، جیسے: لا فی الدار رجل ولا امرأةٌ .

ان مذکورہ چھ صورتوں میں لا کے اسم پر مبتدا ہونے کی بنا پر رفع آئے گا، معرفہ کی صورت میں رفع اس لئے ضروری ہے کہ لاء جنس کی نفی کے لئے آتا ہے اور جنس کا نکرہ ہونا ضروری ہے، معرفہ میں اس کا اثر ظاہر نہ ہو سکے گا۔

لاء اور اس کے اسم کے درمیان فصل کی صورت میں رفع اس لئے ضروری ہے کہ لاء عامل ضعیف ہے، وہ معمول مفصول میں عمل نہیں کر سکے گا۔

اور لاء کا اسم معرفہ ہو تو تکرار لاء مع اسم اس لئے واجب ہے کہ لاء جنس کی نفی کے لئے ہے

،اور جنس میں تعدد ہوتا ہے،اور تعدد نکرہ میں تو ہوتا ہے معرفہ میں نہیں ہوتا،تو معرفہ کی صورت میں لاء کو مکرر لایا جاتا ہے،تا کہ تکرار اس تعدد کے قائم مقام ہوجائے جونکرہ میں ہوتا ہے۔

اور فصل کی صورت میں تکرار لاء مع اسم اس لئے واجب ہے، تا کہ جواب سوال کے مطابق ہوجائے،مثلاً سوال ہے:أفی الدار رجل أم امرأة، اس کا جواب دیا جائے گا:لا فی الدار رجل ولا امرأة ،چونکہ سوال میں اسم مکرر ہے تو جواب میں بھی مکرر ہوجائے گا، اور جواب چونکہ نفی کے ساتھ ہے،اس لئے اسم کے ساتھ ساتھ لاء بھی مکرر ہوگا۔

**ومثل قضيّة ولا أبا حسن لها متاوّل .**

**ترجمہ**: اور قضيّة ولا أبا حسن لها جیسی مثال میں تاویل کرلی گئی ہے۔

**تشریح**: یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے،سوال یہ ہے کہ ابھی آپ نے یہ قاعدہ بیان کیا ہے کہ لاء نفی جنس کا اسم اگر معرفہ ہوتو رفع اور لاء کا تکرار مع اسم کے واجب ہوگا، حالانکہ مندرجہ بالا مثال میں ابا حسن حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی کنیت ہونے کی وجہ سے معرفہ ہے اور لاء کا اسم ہے،لہٰذا یہاں بھی لاء کے اسم پر رفع اور لاء مع اسم کے مکرر ہونا چاہئے،حالانکہ ایسا نہیں۔

مصنفؒ اس عبارت سے اس سوال کا جواب دے رہے ہیں کہ اس جیسی مثال میں تاویل کر کے اس کونکرہ بنالیا گیا اور جب لاء کا اسم نکرہ ہوتو اس پر نہ رفع آتا ہے،اور نہ لاء مع اسم کے مکرر ہوتا ہے۔اور تاویل کے دو طریقے ہیں:

(۱)ایک تو یہ کہ ابا حسن سے پہلے لفظ مثل محذوف ہے،عبارت اس طرح ہے: ولا مثل أبي حسنٍ، اور لفظ مثل میں بہت زیادہ ابہام ہوتا ہے جو معرفہ کی طرف مضاف ہونے کے باوجود معرفہ نہیں ہوتا، بلکہ نکرہ ہی رہتا ہے۔مطلب یہ ہے کہ یہ ایک مقدمہ ہے اور اس کے لئے ابوالحسن (حضرت علیؓ) جیسا کوئی نہیں،حضرت علی کرم اللہ وجہہ صحیح اور عمدہ فیصلہ کرنے میں مشہور تھے۔

(۲)دوسرا طریقہ یہ ہے کہ یہاں حضرت علی کی کنیت مراد نہیں ، بلکہ آپ کا وصف

مشہور یعنی فیصل (فیصلہ کرنے والا) مراد ہے۔ عبارت اس طرح ہوگی: قضیّةٌ ولا فیصل لها (یہ ایک مقدمہ ہے اور اس کے لئے کوئی فیصلہ کرنے والا موجود نہیں) قضیّةٌ سے پہلے هٰذہٖ مبتدا محذوف ہے۔

**وفی مثل لاحول ولا قوة إلا بالله خمسةُ اوجهٍ: فتحهما، وفتح الأول. ونصب الثاني، ورفعه، ورفعهما، ورفع الأول على ضعف وفتح الثاني.**

**ترجمہ:** اور لاحول ولا قوة إلا بالله جیسی مثال میں پانچ وجہیں (درست) ہیں: (۱) دونوں کا فتح (۲) پہلے اسم کا فتح اور دوسرے کا نصب (۳) (پہلے اسم کا فتح) اور دوسرے کا رفع (۴) دونوں اسموں کا رفع (۵) پہلے اسم کا رفع ضعف کے ساتھ اور دوسرے اسم کا فتح۔

**تشریح:** لاحول ولا قوّةَ الخ جیسی ترکیب سے مراد ہر وہ ترکیب ہے جس میں لاء بر سبیل عطف مکرر ہو، اور ہر ایک لاء کے بعد نکرہ بغیر فصل کے واقع ہو، تو ہر ایسی ترکیب میں باعتبار لفظ کے پانچ صورتیں جائز ہیں، جو مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) دونوں اسموں پر فتح، جیسے: لاحول ولا قوةَ إلا بالله، اس میں لا، لاء نفی جنس ہے اور لاء نفی جنس کا اسم اگر نکرہ مفردہ ہو تو وہ فتح پر مبنی ہوتا ہے۔

(۲) پہلے اسم کا فتح اور دوسرے کا نصب، جیسے: لاحولَ ولا قوّةً إلا بالله، پہلے اسم کا فتح تو لاء نفی جنس کی بنا پر اور ثانی کا نصب اس وجہ سے کہ لا زائدہ ہے اور اس کا اول پر لفظاً عطف ہے، اور اول اگرچہ لفظ کے اعتبار سے مبنی ہے مگر اس پر فتح کی حرکت عامل یعنی لاء کی وجہ سے آئی ہے، لہٰذا یہ حرکت معرب کی حرکت کے مشابہ ہوگی اس لئے دوسرا اسم بھی معرب منصوب ہوگا۔

(۳) پہلے اسم پر فتح اور دوسرے اسم پر رفع، جیسے: لاحولَ ولا قوةٌ إلا بالله، پہلے اسم کا فتح اس وجہ سے کہ وہ لاء کا اسم ہے، اور ثانی پر رفع اس وجہ سے کہ لاء زائدہ ہے اور اس

کا پہلے اسم پر محل کے اعتبار سے عطف ہے، اور پہلا اسم محلاً مرفوع ہے، کیونکہ وہ مبتدا ہے۔

(۴) دونوں اسموں پر رفع، جیسے: لاحولٌ ولا قوةٌ إلّا باللّٰه، اس میں دونوں جگہ لا ملغیٰ (بیکار) ہے، اور دونوں اسموں پر رفع مبتدا ہونے کی وجہ سے ہے، اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اصل میں یہ عرب کے قول أبغیر اللّٰه حولٌ وقوةٌ (کیا اللہ کے علاوہ کی بھی کوئی طاقت ہے؟) کہ جواب میں ہے۔ سوال میں دونوں اسم مرفوع ہیں، اس لئے جواب میں بھی یہ مرفوع ہوں گے، تاکہ دونوں میں مطابقت ہو جائے۔

(۵) اول کا رفع اور ثانی کا فتح، جیسے: لاحولٌ ولا قوةَ اِلّا باللّٰه، ثانی اسم کا فتح لاء نفی جنس کا اسم ہونے کی وجہ سے ہے، اور اول کا رفع لاء کے بمعنی لیس ہونے کی بنا پر ہے، لیکن یہ ضعیف ہے، کیونکہ لا، لیس کے معنی میں بہت کم آتا ہے۔

---

**وإذا دخلت الهمزة لم يتغيّر العمل ومعناها الاستفهام والعرض والتمنّي.**

---

**ترجمه:** اور جب ہمزہ (لاء نافیہ پر) داخل ہو جائے تو عمل نہیں بدلے گا، اور اس کے معنی استفہام، عرض اور تمنی کے ہوں گے۔

**تشریح:** یہاں سے مصنفؒ یہ بات بیان فرما رہے ہیں کہ اگر لاء نفی جنس پر ہمزہ داخل ہو جائے تو اس کی وجہ سے لاء کے عمل پر کوئی اثر نہیں پڑتا، ہمزہ کے دخول سے پہلے اگر لا کا اسم مبنی ہے تو وہ ہمزہ کے داخل ہونے کے بعد بھی مبنی ہوگا، اور اگر معرب ہے تو ہمزہ کے بعد بھی معرب ہوگا، البتہ معنی بدل جائیں گے۔ اور ہمزہ کے داخل ہونے کے بعد یا تو استفہام کے معنی ہوں گے، جیسے: ألا ماءَ فأشْرَبَهُ (کیا پانی نہیں کہ میں اس کو پیوں) اور کبھی عرض کے معنی ہوتے ہیں، جیسے: ألا نزولَ لکَ بنا فنحسنَ إلیکَ (آپ کا ہمارے پاس اترنا کیوں نہیں ہوا کہ ہم آپ کے ساتھ احسان کرتے) اور کبھی تمنی کے معنی ہوں گے، جیسے: ألا اتیانَ منکَ فتبشّرَنا (کیا ہمارے پاس آپ کا آنا نہیں ہوگا یعنی کاش کہ آنا ہو کہ آپ ہمیں خوش خبری سنائیں)

**ونعت المبنيّ الاولُ مفرداً يليه مبنيٌّ ومعربٌ رفعاً ونصباً مثلُ لارجلَ ظريفَ وظريفٌ وظريفاً وإلّا فالإعرابُ .**

**ترجمہ:** اور لاءِ نفی جنس کے ) اسم مبنی کی پہلی صفت حال یہ کہ وہ ( صفت ) مفرد ہو، ملی ہوئی ہو اس اسم مبنی سے مبنی اور معرب ہوتی ہے، اور نصبی حالت میں، جیسے: لارجلَ ظریفَ الخ ورنہ تو پس معرب ہوگی۔

**تشریح:** مطلب یہ ہے کہ لاءِ نفی جنس کا اسم مبنی ہو تو اس کی پہلی صفت جو مفرد ہو، یعنی مضاف اور مشابہ مضاف نہ ہو، نیز وہ اسم لاء کے متصل ہو، دونوں کے درمیان فصل نہ ہو۔ حاصل یہ کہ اس قاعدہ میں ایک قید تو لاء کے اسم کے بارے میں ہے کہ وہ فتحہ پر مبنی ہو، باقی قیود صفت کے بارے میں ہیں کہ (۱) وہ لاء کے اسم کی پہلی صفت ہو (۲) مفرد ہو، مضاف وشبہ مضاف نہ ہو (۳) متصل ہو منفصل نہ ہو۔ ان تینوں قیود کے پائے جانے کے بعد اس پہلی صفت میں تین احتمال ہیں: (۱) وہ صفت فتح پر مبنی ہو[①]۔ (۲) معرب مرفوع ہو[②]۔ (۳) معرب منصوب ہو[③]۔ پہلی صورت کی مثال، جیسے: **لارجلَ ظريفَ فى الدار، لاماءَ باردَ فى الحوض** ۔ دوسری صورت کی مثال، جیسے: **لا رجلَ ظريفٌ فى الدار، لا ماءَ باردٌ فى الحوض** ۔ تیسری صورت کی مثال، جیسے: **لارجلَ ظريفاً فى الدارِ، لا ماءَ بارداً فى الحوض .**

① فتح پر مبنی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس کا موصوف یعنی لاء کا اسم فتح پر مبنی ہے، لہٰذا صفت کو بھی فتح پر مبنی کہا جائے گا، کیونکہ موصوف صفت میں اتصال ہوتا ہے، لہٰذا دونوں کا ایک ہی حکم ہوگا۔

② معرب مرفوع ہونے کی وجہ یہ ہے کہ توابع میں اصل یہ ہے کہ وہ اپنے متبوعات کے معرب ہونے میں تابع ہوں نہ کہ مبنی ہونے میں، اب معرب ہونے کے بعد وہ صفت یا تو موصوف کے محل کے تابع ہوگی یا لفظ کے تابع ہوگی۔ اگر محل کے تابع قرار دیا جائے تو اس صورت میں صفت مرفوع ہوگی، کیونکہ لاء کا اسم محل کے اعتبار سے مبتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع ہوتا ہے۔

③ اس کی وجہ یہ ہے کہ معرب ہونے کے بعد اگر صفت کو لفظ کے تابع قرار دیا جائے تو صفت منصوب ہوگی، کیونکہ موصوف پر فتح ہے جو نصب کے موافق ہے۔

اور لاء کے اسم کی صفت میں مذکورہ قیود نہ پائی جائیں تو پھر اس کی صفت معرب ہوگی، پھر اس کی دو صورتیں ہیں: (۱) محل پر حمل کر کے مرفوع پڑھا جائے، کیونکہ وہ مبتدأ ہے۔ (۲) لفظ پر حمل کر کے منصوب پڑھا جائے، کیونکہ لفظاً وہ منصوب ہے، مذکورہ قیدیں نہ پائے جانے کی چار صورتیں ہیں:

(۱) مبنی کی صفت نہ ہو، بلکہ معرب کی صفت ہو، جیسے: لاغلامَ رجلٍ ظریفٌ فی الدار، لاغلامَ رجلٍ ظریفاً فی الدار.

(۲) لاء کے اسم مبنی کی پہلی صفت نہ ہو، بلکہ دوسری یا تیسری ہو، جیسے: لارجلَ ظریفَ کریمٌ فی الدار، لارجلَ ظریفَ کریماً فی الدارِ.

(۳) لاء کا اسم مبنی ہو اس کی پہلی صفت ہو لیکن مفرد نہ ہو، بلکہ مضاف یا مشابہ مضاف ہو، جیسے: لارجلَ حسنُ الوجه فی المسجد، لارجلَ حسنَ الوجه فی المسجد.

(۴) وہ صفت متصل نہ ہو، جیسے: لاغلامَ فیها ظریفٌ، لاغلامَ فیها ظریفاً.

والعطف علی اللفظ وعلی المحل جائزٌ فی مثل لاأبَ وإبناً وإبنٌ.

**ترجمہ:** اور لفظ پر عطف کرنا اور محل پر عطف کرنا جائز ہے لا أبَ وابنٌ[1] جیسے میں۔

**تشریح:** مطلب یہ ہے کہ اگر لاء نفی جنس کا اسم نکرہ مفردہ ہو تو اس پر دوسرے اسم کا عطف کرنا جائز ہے، بشرطیکہ وہ دوسرا اسم نکرہ ہو اور لا مکرر نہ ہو، اور اس وقت معطوف میں دو وجہیں جائز ہیں:

(۱) لاء نفی جنس کے اسم پر لفظ کے اعتبار سے عطف کر کے معطوف کو منصوب پڑھا جائے، کیونکہ معطوف علیہ مبنی بر فتح ہے، تو اس کی حرکت حرکتِ اعرابی کے مشابہ ہے، اس لئے معطوف منصوب ہوگا، جیسے: لاابَ وابناً.

---

① یہ فرزدق شاعر کے شعر کا پہلا مصرع ہے، پورا شعر اس طرح ہے:

لااب وابناً مثلُ مروان وابنه ۞ إذهو بالمجد ارتدی وتازراً

یعنی مروان اور اس کے بیٹے عبدالملک کی طرح کوئی باپ بیٹا نہیں ہے، کیونکہ اس نے بزرگی کی چادر اور لنگی پہن رکھی ہے۔

(۲) لاء نفی جنس کے اسم پر محل کے اعتبار سے عطف کر کے معطوف کو مرفوع پڑھا جائے، کیونکہ لاء نفی جنس کا اسم مبتدا بننے کی وجہ سے محلاً مرفوع ہے، اس لئے معطوف بھی مرفوع ہوگا، جیسے: لاأبَ و ابنٌ، لیکن ان دونوں صورتوں میں معطوف معرب ہوگا مبنی نہیں ہوگا، اس لئے کہ مبنی ہونے کے لئے تابع اور متبوع میں اتصال ضروری ہے، اور اتصال صفت میں تو ہوسکتا ہے عطف میں نہیں ہوسکتا، کیونکہ معطوف علیہ اور معطوف کے درمیان واؤ عاطفہ کے ذریعہ فصل واقع ہوگیا، اس لئے معطوف بہر صورت معرب ہوگا۔

**فائدہ:** اس قاعدہ میں دو شرطیں لگائی گئی ہیں: (۱) معطوف نکرہ ہو، اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر معطوف معرفہ ہو تو اس صورت میں معطوف پر صرف رفع آئے گا، کیونکہ لا کا عمل معرفہ میں نہیں ہوتا، بلکہ لا ملغیٰ (بے کار) ہو جاتا ہے، تو جب لا کا عمل باطل ہوگیا تو اس (معطوف معرفہ) پر ابتدا کی بنا پر رفع آئے گا۔

(۲) دوسری شرط یہ ہے کہ لا مکرر نہ ہو، کیونکہ اگر لا مکرر ہوگا تو اس کا حکم لاحول ولا قوۃ إلا باللہ کی طرح ہوگا، یعنی اس میں پانچ صورتیں جائز ہوں گی۔

**ومثل لا أبا له ولا غلامي له جائز تشبيهاً له بالمضاف لمشاركته له في اصل معناه .**

**ترجمہ:** اور لا أبا لہ اور لا غلامي لہ جیسی ترکیب جائز ہے اس کو مضاف کے ساتھ تشبیہ دیتے ہوئے اس کے شریک ہونے کی وجہ سے اس (مضاف) کیساتھ اس کے اصل معنی میں۔

**تشریح:** یہ ایک اعتراض کا جواب ہے، اعتراض یہ ہے کہ ماقبل میں یہ بات آچکی ہے کہ لاء نفی جنس کا اسم اگر نکرہ مفردہ ہو تو وہ علامت نصب پر مبنی ہوگا، حالانکہ ہم آپ کو ایسی مثال دیتے ہیں جس میں لاء نفی جنس کا اسم نکرہ مفردہ ہے اور علامت نصب پر مبنی نہیں، بلکہ منصوب ہے، جیسے: لا ابا لہ اور لا غلامي لہ، ان دونوں مثالوں میں لاء نفی جنس کا اسم نکرہ مفردہ ہے اور منصوب ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس جیسی ترکیب کو مضاف کے ساتھ تشبیہ دے کر جائز کہا گیا ہے، اور اس پر اضافت کے احکام جاری کر کے اس کو منصوب پڑھا گیا ہے، کیونکہ یہ اسم مضاف کے ساتھ اس کے اصل معنی یعنی اختصاص میں شریک ہے۔

**فائدہ:** (۱) لا اباله اور لا غلامی له جیسے سے ہر ایسی ترکیب مراد ہے جس میں لاء نفی جنس کے اسم کے بعد لام اضافت ہو اور اس اسم پر اضافت کے احکام جاری ہوتے ہیں۔

**فائدہ:** (۲) جس طرح لام اضافت کے مقید ہونے کی صورت میں اختصاص حاصل ہوتا ہے ایسے ہی اگر لام اضافت لفظوں میں موجود ہو تو بھی اختصاص حاصل ہو جاتا ہے۔

---

ومن ثم لم يجز لا أبا فيها .

**ترجمہ:** اور اسی وجہ سے لا أبا فيها (گھر میں کوئی باپ نہیں ہے) جائز نہیں ہے۔

**تشریح:** مطلب یہ ہے کہ لا اباله اور لا غلامی له میں اب کو ابن کے ساتھ اور غلام کو مولیٰ کے ساتھ جو خصوصیت ہے وہ اب کو دار کے ساتھ نہیں ہے، تو چونکہ یہ ترکیب مضاف کے ساتھ اختصاص میں شریک نہیں اس لئے یہ ترکیب جائز نہیں ہے۔

---

وليس بمضافٍ لفساد المعنى خلافاً لسيبويه .

**ترجمہ:** اور (یہ ترکیب) حقیقت میں مضاف نہیں ہے برخلاف امام سیبویہؒ کے۔

**تشریح:** مطلب یہ ہے کہ لا أباله اور لا غلامی له جیسی ترکیبیں مضاف کے ساتھ مشابہ ہیں، حقیقت میں مضاف نہیں، کیونکہ حقیقۃً مضاف بنانے کی صورت میں لفظاً ومعنیً دونوں طرح فساد لازم آتا ہے۔

معنی فساد یہ ہے کہ لا أبا له کو اگر حقیقۃً مضاف بنایا جائے تو لا اباه ہوگا، اس صورت میں اباه، لا کا اسم اور خبر "موجود" محذوف ہوگی۔ معنی ہوں گے کہ اس کا باپ موجد نہیں کہیں گیا ہوا ہے، حالانکہ لا أباله سے یہ مقصد نہیں، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا کوئی باپ ہی نہیں وہ حرامی ہے۔

اسی طرح لاغلامی لہ کو اگر حقیقۃً مضاف بنایا جائے تو لا غلامیہ ہوگا، اس صورت میں اس کی خبر "موجودان" محذوف ہوگی۔ مطلب ہوگا کہ اس کے دو غلام موجود نہیں حالانکہ لاغلامی لہ کا مطلب یہ ہے کہ اس کے دو غلام ہی نہیں۔

اور لفظاً فساد یہ ہے کہ حقیقۃً مضاف ہونے کی وجہ سے یہ دونوں اسم معرفہ ہو جائیں گے۔ اور قاعدہ ہے کہ لاء نفی جنس کا اسم جب معرفہ ہو تو تکرار کا لامع اسم ضروری ہے، اور اسم پر رفع آتا ہے، حالانکہ یہاں نہ تکرار لامع اسم ہے اور نہ اسم مرفوع ہے، معلوم ہوا کہ یہ حقیقۃً مضاف نہیں، بلکہ یہ مضاف کے ساتھ مشابہ ہے۔

لیکن امام سیبویہؒ و خلیلؒ وغیرہ اس سے اختلاف کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ اس جیسی ترکیبیں حقیقۃً مضاف ہیں مشابہ مضاف نہیں، اور لہ کا لام اضافت لام مقدرہ کے عوض میں ہے اور تاکید کے لئے ہے۔

مگر اس صورت میں امام سیبویہؒ پر اعتراض ہوتا ہے کہ حقیقۃً مضاف ماننے کی صورت میں لاء نفی جنس کا اسم معرفہ ہو جائے گا اور اگر لاء نفی جنس کا اسم معرفہ ہو تو وہ مرفوع ہوتا ہے، اور تکرار لامع اسم ضروری ہوتا ہے، حالانکہ یہاں نہ رفع ہے اور نہ تکرار لامع اسم ہے۔

امام سیبویہؒ اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ یہ معنی کے اعتبار سے مضاف ہے لفظ کے اعتبار سے مضاف نہیں، لہٰذا اضافت کے لفظی احکام بھی اس پر جاری نہ ہوں گے اور مرفوع ہونا اور تکرار لامع اسم یہ لفظی احکام ہیں۔

**ویحذف کثیراً فی مثل لاعلیک ای لا باس علیک .**

**ترجمہ**: اور وہ (لا کا اسم) بکثرت حذف کردیا جاتا ہے لا علیک جیسے میں یعنی لا باس علیک .

**تشریح**: مطلب یہ ہے کہ اگر قرینہ موجود ہو تو لاء نفی جنس کے اسم کو بکثرت حذف کردیا جاتا ہے بشرطیکہ خبر موجود ہو، کیونکہ اگر اسم و خبر دونوں کو حذف کردیا جائے تو لا کا کوئی اثر ہی باقی نہ رہے گا، جیسے: لاعلیک (کوئی بات نہیں، کوئی حرج نہیں) میں لا کا اسم

محذوف ہے، اصل میں لا باس علیک تھا، یہاں پر حذف پر قرینہ یہ ہے کہ لا حرف جر داخل ہے حالانکہ کہ لا اسم پر آتا ہے حرف پر نہیں آتا۔

## (۱۲) ماولا مشابہ بلیس کی خبر:

خبر ما و لا المشبهتين بليس هو المسند بعد دخولهما.

**ترجمہ:** اس ما اور لا کی خبر جو لیس کے مشابہ ہوتے ہیں، وہ مسند ہوتی ہے ان دونوں (میں سے کسی ایک) کے داخل ہونے کے بعد۔

**تشریح:** یہاں سے مصنفؒ بارہویں اور آخری منصوب کو بیان فرمارہے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ ما اور لا مشابہ بلیس کی خبر ان دونوں میں سے کسی ایک کے داخل ہونے کے بعد مسند ہوتی ہے، یعنی مسند تو وہ پہلے سے بھی تھی، لیکن ان کا مسند ان کے داخل ہونے کے بعد ہوتی ہے۔

**فائدہ:** ما اور لاء، لیس کے ساتھ دو چیزوں میں مشابہ ہوتے ہیں: (۱) نفی میں (۲) جملہ اسمیہ پر داخل ہونے میں۔

وهي لغة حجازية.

**ترجمہ:** اور یہ لغت حجازی ہے۔

**تشریح:** ھی ضمیر کا مرجع خبریت ہے، مطلب یہ ہے کہ ما و لا کی خبر کا خبر ہونا یہ اہل حجاز کی لغت ہے، وہی لوگ مـــا و لا کو عمل دیتے ہیں اور مسند کو ان کی خبر مانتے ہیں۔ بنو تمیم ما و لا کے اسم و خبر دونوں کو رفع دیتے ہیں، ان کے نزدیک ما و لا عمل نہیں کرتے۔

یہاں پر سوال ہوتا ہے کہ جس طرح سے مـــا و لا کی خبر اہل حجاز کی لغت ہے، اسی طرح ان کی اسمیت بھی اہل حجاز ہی کی لغت ہے۔ پھر مصنفؒ نے خبریت کو کیوں خاص کیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مـــا و لا کا عمل خبر کی وجہ سے ہی ظاہر ہوتا ہے، اسم پہلے بھی (عامل معنوی کی وجہ سے) مرفوع تھا اور اب بھی مرفوع ہے، اور ان کی خبر چونکہ منصوب ہوتی ہے اسی سے پتہ چلتا ہے کہ ما و لا نے عمل کیا ہے۔

وإذ زيدت إن مع ما أو انتقض النفي بإلّا أو تقدم الخبر بطل العمل.

**ترجمہ:** اور جب زیادہ ہو جائے إن، ما کے ساتھ یا ٹوٹ جائے نفی إلّا کے ذریعہ یا خبر (اسم پر) مقدم ہو جائے تو ما و لا کا عمل باطل ہو جائے گا۔

**تشریح:** مصنفؒ یہاں سے فرمارہے ہیں کہ تین صورتوں میں ما کا عمل باطل ہو جاتا ہے: (۱) إن، ما کے بعد زیادہ کر دیا جائے (اس لئے کہ إن ما کے بعد ہی زیادہ ہوتا ہے) تو اس صورت میں ما کا عمل باطل ہو جائے گا، جیسے: مَا إنْ زیدٌ قائمٌ، کیونکہ إن کے ما کے بعد زیادہ ہونے سے ما عامل اور اس کے معمول کے درمیان فصل ہو جائے گا، اور ما عامل ضعیف ہے، معمول مفصول میں عمل نہیں کرسکتا (۲) ما کی نفی إلّا کے ذریعہ ٹوٹ جائے تو اس صورت میں بھی ما کا عمل باطل ہو جائے گا، اس لئے کہ ما نفی کی وجہ سے عمل کرتا ہے، اور نفی إلّا کے ذریعہ ٹوٹ گئی، جیسے: ما محمدٌ إلّا رسولٌ (۳) ما کی خبر کو اسم پر مقدم کر دیا جائے تو ما کا عمل باطل ہو جائے گا، جیسے: ما قائمٌ زیدٌ. اس لئے کہ ما، لیس فعل ناقص کی مشابہت کی وجہ سے عمل کرتا ہے، اور لیس میں عمل کی ترتیب یہ ہے کہ اس میں مرفوع پہلے ہوتا ہے اور منصوب بعد میں ہوتا ہے، تو جب ما میں عمل کی ترتیب بدل گئی تو ما کی مشابہت لیس کے ساتھ کمزور ہو گئی اس لئے عمل باطل ہو جائے گا۔

وإذا عطف عليه بموجب فالرفع.

**ترجمہ:** اور جب عطف کیا جائے اس (ما و لا کی خبر) پر کسی موجب (مثبت بنانے والے حرف) کے ذریعہ تو رفع لازم ہے۔

**تشریح:** مطلب یہ ہے کہ اگر ما و لا کی خبر پر ایسے حرف عطف کے ذریعہ عطف کیا جائے جو کلام مثبت کو منفی بنادے تو ما و لا کی خبر پر رفع واجب ہے، اور ایسے حرف عطف دو ہیں: (۱) بل (۲) لکن۔

رفع اس لئے واجب ہے کہ ما و لا نفی کی وجہ سے عمل کرتے ہیں اور بل اور لکن کے ذریعہ نفی ٹوٹ جاتی ہے، جیسے: مازیدٌ قائماً بل قاعدٌ، لا زیدٌ کاتباً لکن شاعرٌ.

# مجرورات کا بیان

**المجرورات هو مااشتمل على علم المضاف اليه.**

**ترجمہ:** مجرورات وہ (مجرور) وہ اسم ہے جو مضاف الیہ کی نشانی پر مشتمل ہو۔

**تشریح:** جو ترکیبی احتمالات لفظ مرفوعات اور منصوبات کے گذرے وہی احتمالات لفظ مجرورات میں بھی ہیں، نیز جس طرح مرفوعات مرفوع کی اور منصوبات منصوب کی جمع ہے، اسی طرح مجرورات مجرور کی جمع ہے نہ کہ مجرورۃٌ کی۔ ھو ما اشتمل میں ھو ضمیر کا مرجع مجرور ہے جو مجرورات کے ضمن میں پایا جاتا ہے۔ مجرور ایسا اسم ہے جو مضاف الیہ کی نشانی پر مشتمل ہو، اور مضاف الیہ کی نشانی جر ہے، خواہ کسرہ کے ساتھ ہو، یا فتح کے ساتھ ہو، یا یاء کے ساتھ ہو۔

**والمضاف اليه كل اسم نسب اليه شيئٌ بواسطة حرف الجر لفظاً اوتقديراً مراداً .**

**ترجمہ:** اور مضاف الیہ ہر وہ اسم ہے جس کی طرف کسی شئی کی نسبت کی گئی ہو حرفِ جر کے واسطہ سے، وہ حرفِ جر لفظوں میں موجود ہو یا مقدر ہو، حال یہ کہ وہ مراد ہو۔

**تشریح:** تعریف میں کل اسم سے یہ بات معلوم ہوئی کہ مضاف الیہ ہمیشہ اسم ہوتا ہے، البتہ اسم سے مراد عام ہیں، خواہ حقیقۃً اسم ہو یا حکماً، جیسے: غلام زیدٍ میں زید، اور حکماً، جیسے: یوم ینفع الصادقین میں ینفع نفع کی تاویل میں ہوکر حکماً اسم ہے۔

اسی طرح شیئ بھی عام ہے، خواہ اسم ہو، جیسے: غلام زیدٍ میں غلام، یا فعل ہو، جیسے: مررت بزیدٍ میں مررتُ فعل کی نسبت زید کی طرف ہے۔

نیز حرفِ جر خواہ لفظوں میں موجود ہو، جیسے: مررت بزیدٍ[1] یا حرفِ جر ہو، لیکن عمل کے

---

[1] اگر کسی اسم پر حرفِ جر لفظوں میں موجود ہو تو اس کو مضاف الیہ کہنا امام سیبویہؒ کا مذہب ہے، گویا مصنفؒ نے مضاف الیہ کی تعریف سیبویہؒ کے مذہب کے مطابق کی ہے۔

اعتبار سے مراد ہو، یعنی اس کا اثر (جر) لفظوں میں باقی ہو، جیسے: غلامُ زیدٍ کہ اصل میں غلام لزیدٍ تھا، اس میں لام مقدر ہے مگر اس کا اثر (یعنی زید پر جر) باقی ہے۔

مراداً کی قید سے قمت یوم الجمعة جیسی مثال میں یوم الجمعة خارج ہو گیا، اگر چہ اس میں فی حرفِ جر مقدر کے واسطہ سے قیام کی نسبت یوم الجمعة کی طرف ہے، اس لئے کہ اس کی اصل فی یوم الجمعة ہے، مگر اس کو مضاف الیہ نہ کہیں گے کیونکہ فی حرفِ جر کا اثر یعنی جر لفظوں میں باقی نہیں، یعنی یوم مجرور نہیں۔

فالتقدير شرطه ان يكون المضاف اسماً مجرّداً تنوينه لأجلها.

**ترجمہ:** پس حرفِ جر مقدر ہونا اس کی شرط یہ ہے کہ مضاف ایسا اسم ہو جس کو اضافت کی وجہ سے تنوین سے خالی کر دیا گیا ہو۔

**تشریح:** التقدیر میں الف لام مضاف الیہ کے عوض میں ہے، اصل عبارت یہ ہے: فتقدير حرف الجر. مصنفؒ اس عبارت میں حرفِ جر کے مقدر ہونے کی شرط بیان کر رہے ہیں، اس کی شرط یہ ہے کہ: (۱) مضاف اسم ہو، کیونکہ اگر مضاف فعل یا شبہ فعل ہوگا تو حرفِ جر کا لفظوں میں ہونا ضروری ہے، جیسے: مررتُ بزيدٍ، انا مارٌّ بزيدٍ (۲) مضاف الیہ ایسا اسم ہو کہ اضافت کے سبب اس کو تنوین سے اور قائم مقام تنوین (نونِ تثنیہ و جمع) سے خالی کر لیا گیا ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تنوین اور قائم مقام تنوین کلمہ کے تمام ہونے پر دلالت کرتے ہیں، اور مضاف، مضاف الیہ سے تعریف یا تخصیص، یا تخفیف حاصل کرتا ہے، جس کے لئے اتصال ضروری ہے، لہٰذا مضاف سے اس کے تام ہونے کی علامت کو حذف کرنا ضروری ہے، تاکہ مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان اتصال حاصل ہو جائے اور مقصود (تعریف و تخصیص یا تخفیف) حاصل ہو جائے۔

وهي معنوية او لفظية.

**ترجمہ:** (اور معنوی[1] اور لفظی ہوتی ہے۔

① شارح نے ھی ضمیر کا مرجع (الا ضافة بتقدير حرف الجر) قرار دیا ہے، (بقیہ صفحہ آئندہ)

**تشریح:** اضافت کی دو قسمیں ہیں: (۱) اضافتِ معنوی (۲) اضافتِ لفظی۔ اضافت معنوی کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس اضافت کی وجہ سے مضاف میں معنوی فائدہ (یعنی تعریف یا تخصیص) حاصل ہوتا ہے۔ اگر مضاف الیہ معرفہ ہو تو مضاف بھی معرفہ ہو جائے گا اور اگر مضاف الیہ نکرہ ہو تو مضاف خاص ہو جائے گا۔ اور اضافتِ لفظی کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس اضافت سے مضاف میں لفظی فائدہ حاصل ہوتا ہے، یعنی مضاف سے تنوین اور قائم مقام تنوین ساقط ہو جاتی ہے۔

**فالمعنوية أن يكون المضاف غير صفةٍ مضافة إلى معمولها .**

**ترجمہ:** پس اضافتِ معنوی یہ ہے کہ مضاف ایسے صفت کے صیغہ کے علاوہ ہو جو اپنے معمول کی طرف مضاف ہو۔

**تشریح:** اضافتِ معنوی کی تعریف یہ ہے کہ مضاف ایسا صفت کا صیغہ نہ ہو جو اپنے معمول (فاعل ومفعول) کی طرف مضاف ہو، اس کی دو صورتیں نکلتی ہیں: (۱) مضاف صفت کا صیغہ ہی نہ ہو، جیسے: غلام زيدٍ (۲) مضاف صفت کا صیغہ تو ہو، لیکن مضاف الیہ اس کا معمول نہ ہو، جیسے: كريم البلد (شہر کا سخی) مصارع القرية (بستی کا پہلوان) ان دونوں مثالوں میں مضاف صفت کا صیغہ ہے، مگر مضاف الیہ اس کا معمول (فاعل یا مفعول) نہیں۔

**وهي إما بمعنى اللام فيما عدا جنس المضاف وظرفه وإما بمعنى مِن في جنس المضاف او بمعنى في في ظرفه وهو قليلٌ مثل غلام زيدٍ وخاتم فضّةٍ وضرب اليوم .**

**ترجمہ:** اور وہ یا تو بمعنی لام ہوگی، مضاف کی جنس اور اس کے ظرف کے ماسوا میں،

(بقیہ صفحہ گذشتہ) یعنی یہ دونوں قسمیں اس اضافت کی ہیں جس میں حرف جر مقدر ہوتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اضافت معنوی اور لفظی دونوں میں حرف جر مقدر ہوتا ہے، جب کہ عند الجمہور اضافت لفظیہ میں حرف جر مقدر نہیں ہوتا ہے۔

اور یا بمعنی من ہوگی مضاف کی جنس میں اور یا بمعنی فی ہوگی اس کے ظرف میں، اور یہ کم ہے، جیسے: غلام زید اور خاتم فضۃ اور ضرب الیوم ۔

**تشریح:** اس عبارت میں مصنفؒ اضافتِ معنوی کی قسمیں بیان فرمارہے ہیں، جو تلاش اور تتبع سے معلوم ہوئی ہیں۔ فرماتے ہیں کہ اضافتِ معنویہ کی تین قسمیں ہیں:

(۱) **اضافت بمعنی لام:** یہ اس وقت ہوگی جب کہ مضاف الیہ نہ تو مضاف کی جنس سے ہو اور نہ مضاف کے لئے ظرف ہو، جیسے: غلام زیدٍ .

(۲) **اضافت بمعنی من:** یہ اس وقت ہوگی جب کہ مضاف الیہ مضاف کی جنس سے ہو یعنی مضاف الیہ مضاف اور غیر مضاف دونوں پر صادق آتا ہو، جیسے: خاتم فضۃٍ ، اس مثال میں فضۃ مضاف الیہ ہے جو خاتم اور غیر خاتم دونوں پر صادق ہے، یعنی چاندی سے انگوٹھی بھی بنائی جاتی ہے اور دوسرے زیورات بھی۔

(۳) **اضافت بمعنی فی:** اس کا مطلب یہ ہے کہ مضاف الیہ مضاف کے واسطے ظرف واقع ہو، جیسے: ضرب الیوم ، اس میں الیوم ضرب کے لئے ظرف ہے۔

**ھو قلیلٌ** مطلب یہ ہے کہ اضافت بمعنی فی اہل عرب کے نزدیک قلیل الاستعمال ہے، اسی وجہ سے اکثر نحویوں نے اس کو اضافت بمعنی لام میں داخل کردیا ہے۔

**وتفید تعریفاً مع المعرفۃ وتخصیصاً مع النکرۃ .**

**ترجمہ:** اور وہ (اضافت معنویہ) فائدہ دیتی ہے تعریف کا معرفہ کے ساتھ اور تخصیص کا نکرہ کے ساتھ۔

**تشریح:** مطلب یہ ہے کہ اضافتِ معنوی کا فائدہ یہ ہے کہ اگر مضاف الیہ معرفہ ہو تو مضاف بھی معرفہ ہوجاتا ہے[1] جیسے: غلام زیدٍ، زید معرفہ ہے اس لئے غلام بھی

[1] اس کی وجہ یہ ہے کہ مضاف اور مضاف الیہ میں لفظوں کے اعتبار سے قوی اتصال ہے، کیونکہ بعض مرتبہ مضاف الیہ کو مضاف میں ملادیتے ہیں، اور مضاف پر تنوین داخل کردیتے ہیں، جیسے: حینئذٍ، غرض دونوں میں قوی اتصال ہے اور مضاف الیہ چونکہ معلوم ہوتا ہے، لہٰذا اس کی معلومیت مضاف کی طرف سرایت کرے گی، تاکہ معنی کے اعتبار سے بھی قوی اتصال ہوجائے۔

معرفہ بن گیا، اور اگر مضاف الیہ نکرہ ہو تو مضاف کے اندر تخصیص پیدا ہو جاتی ہے، جیسے: غلام رجل، اس میں غلام کی اضافت جب تک رجل کی طرف نہیں کی گئی تھی اس وقت تک غلام عام تھا، مرد عورت دونوں کے غلام ہونے کا احتمال تھا، جب رجل کی طرف اضافت کر دی گئی تو غلام امراۃ خارج ہو گیا، کیونکہ تخصیص کے معنی تقلیل شرکاء کے ہیں، تو ظاہر ہے کہ غلام امراۃ خارج ہونے سے غلام میں شرکاء کم ہو گئے۔

وشرطها تجريد المضاف من التعريف.

**ترجمہ**: اور اس (اضافت معنویہ) کی شرط مضاف کا تعریف سے خالی کرنا ہے۔

**تشریح**: یہاں تجرید سے مراد تجرد ہے، مطلب یہ ہے کہ اضافتِ معنویہ کے لئے شرط یہ ہے کہ مضاف تعریف سے خالی ہو، کیونکہ اگر مضاف تعریف سے خالی نہ ہو، بلکہ معرفہ ہی ہو، تو اس کے مضاف الیہ کی دو صورتیں ہیں، یا تو وہ معرفہ ہوگا یا نکرہ۔ اگر مضاف الیہ معرفہ ہو تو تحصیل حاصل لازم آئے گا، کیونکہ مضاف کے معرفہ ہونے کی وجہ سے تعریف تو پہلے سے ہی حاصل ہے، اب مضاف الیہ کو معرفہ لا کر پھر تعریف حاصل کی جا رہی ہے اور یہی تحصیل حاصل ہے۔

اور اگر مضاف الیہ نکرہ ہو تو اعلیٰ (تعریف) کے ہوتے ہوئے ادنیٰ (تخصیص) کو حاصل کرنا لازم آئے گا، جو بری بات ہے۔

وما أجازه الكوفيون من الثلاثة الأثواب وشبهه من العدد ضعيف.

**ترجمہ**: اور وہ (ترکیب) جس کو کوفیین نے جائز قرار دیا ہے یعنی الثلاثة الاثواب اور اس کے مشابہ دوسرے عدد، ضعیف ہے۔

**تشریح**: اس سے پہلے یہ بات بیان کی گئی ہے کہ مضاف کا تعریف سے خالی ہونا ضروری ہے، اس بارے میں کوفیین کا مسلک یہ ہے کہ عدد اگر مضاف ہو تو اس کا حرف تعریف سے خالی ہونا ضروری نہیں، مثلاً: الثلاثة الاثواب، الخمسة الدراهم، الاربعة الكتب، المائة الدينار کہنا درست ہے۔ مصنفؒ اس عبارت میں ان کا رد

فرمارہے ہیں کہ کوفیین کا مسلک ضعیف ہے، کیونکہ یہ قیاس کے بھی مخالف ہے، جیسا کہ معلوم ہو گیا کہ اس میں تحصیل حاصل لازم آتا ہے، اور استعمال فصحاء کے بھی خلاف ہے، کیونکہ فصحاء عدد کی اضافت کے وقت اس کو بھی تعریف سے خالی کر کے ثلاثة الاثواب، اربعة الكتب وغیرہ استعمال کرتے ہیں۔

**واللفظية أن يكون المضاف صفة مضافة إلى معمولها مثل ضارب زيدٍ وحسن الوجه .**

**ترجمه:** اور اضافتِ لفظیہ یہ ہے کہ مضاف ایسا صفت کا صیغہ ہو جو اپنے معمول (فاعل یا مفعول) کی طرف مضاف ہو، جیسے: ضاربُ زید اور حسن الوجه .

**تشریح:** اضافت کی دوسری قسم اضافتِ لفظیہ ہے، اضافتِ لفظیہ یہ ہے کہ صفت کا صیغہ اپنے معمول کی طرف مضاف ہو، معمول سے مراد فاعل ومفعول بہ ہیں، جیسے: ضاربُ زید، اس میں صیغہ صفت مفعول بہ کی طرف مضاف ہے، اور حسن الوجه، اس میں صیغہ صفت فاعل کی طرف مضاف ہے، لہٰذا اگر مضاف صفت کا صیغہ نہ ہو تو اضافتِ لفظیہ نہ ہوگی، جیسے: غلام زیدٍ، یا صفت کا صیغہ تو ہو لیکن اپنے معمول کی طرف مضاف نہ ہو تو بھی اضافتِ لفظیہ نہ ہوگی، جیسے: کریم البلد (شہر کا سخی) مصارع مصرٍ (شہر کا پہلوان) ان مثالوں میں مضاف صیغہ صفت تو ہے، لیکن مضاف الیہ اس کا فاعل یا مفعول بہ نہیں، بلکہ ظرف ہے۔

**ولا تفيد إلّا تخفيفاً في اللفظ .**

**ترجمه:** اور وہ (اضافتِ لفظیہ) فائدہ نہیں دیتی ہے مگر لفظوں میں تخفیف کا۔

**تشریح:** مطلب یہ ہے کہ اضافتِ لفظی تعریف اور تخصیص کا فائدہ نہیں دیتی، بلکہ صرف لفظوں میں تخفیف کا فائدہ دیتی ہے، یعنی مضاف سے تنوین اور قائم مقام تنوین (نونِ تثنیہ وجمع) ساقط ہو جاتی ہے، جس سے وہ کلمہ خفیف اور ہلکا ہو جاتا ہے۔[1]

① اس کی وجہ یہ ہے کہ اس اضافت میں مضاف کے ساتھ مضاف الیہ اگرچہ لفظوں میں (بقیہ صفحہ آئندہ)

ومِنْ ثَمَّ جاز مررتُ برجلٍ حسن الوجه ،وامتنع مررتُ بزيدٍ حسن الوجه .

**ترجمه**: اوراسی وجہ سے جائز ہے مررتُ برجل حسن الوجه ،اور ممتنع ہے مررت بزيدٍ حسن الوجه .

**تشریح**: اس سے پہلے یہ بیان کیا ہے کہ اضافتِ لفظیہ میں تعریف وتخصیص نہیں حاصل ہوتی ،صرف تخفیف حاصل ہوتی ہے۔اس پر متفرع کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اسی وجہ سے مررتُ برجل حسن الوجه جائز ہے،اس لئے کہ اضافتِ لفظی ہونے کی وجہ سے صرف تخفیف حاصل ہوئی ہے ،تعریف وتخصیص نہیں ، لہٰذا حسن مضاف ہونے کے باوجود نکرہ ہی ہے، اس لئے یہ نکرہ کی صفت بن سکتا ہے،معرفہ کی صفت نہیں بن سکتا ،اور چونکہ موصوف وصفت میں مطابقت ضروری ہے،اس لئے مررتُ بزيد حسن الوجه

(بقیہ صفحۂ گذشتہ) متصل ہے،لیکن حقیقت میں وہ منفصل ہے،کیونکہ مثلاً :ضاربُ زيدٍ اصل میں ضاربٌ زيداً ہے،تو زيداً مفعول بہ ہے جو فعل وشبہ فعل سے الگ ہوتا ہے،اور جب ان میں انفصال ہے تو وہ حقیقۃً مضاف اور مضاف الیہ بھی نہیں ہوں گے، کیونکہ مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان اتصال ضروری ہے،اور جب یہ حقیقی اضافت نہیں تو اضافت کا حقیقی فائدہ (تعریف وتخصیص) بھی اس سے حاصل نہیں ہوگا، بلکہ صرف لفظی فائدہ حاصل ہوگا،اوراس لفظی فائدہ (تخفیف) کی تین صورتیں ہیں:

(۱) تخفیف مضاف کے لفظ میں ہو کہ مضاف سے تنوین کو یا نونِ تثنیہ وجمع کو حذف کردیا جائے، جیسے:ضاربُ زيدٍ، ضاربا زيدٍ، ضاربو ازيدٍ .

(۲) یا تخفیف مضاف الیہ کے لفظ میں ہو،اس طریقہ سے کہ مضاف الیہ میں جو ضمیر پائی جائے اس کو حذف کر کے صفت کا صیغہ (مضاف) میں حذف کردیا جائے، جیسے:القائم الغلام کہ اصل میں القائم غلامه تھا،غلامه سے ضمیر کو حذف کر کے القائم میں پوشیدہ کردیا گیا۔

(۳) یا تخفیف مضاف اور مضاف الیہ دونوں میں ہو، جیسے:زيد قائم الغلام اس کی اصل زيد قائم غلامه ہے،قائم مضاف سے بھی تنوین کو حذف کردیا گیا،اور مضاف الیہ غلامه سے بھی تنوین کو حذف کردیا گیا،اور مضاف الیہ غلامه سے بھی ضمیر کو حذف کر کے قائم میں پوشیدہ کردیا گیا۔

درست نہیں۔ اگر اضافتِ لفظیہ تعریف و تخصیص کا فائدہ دیتی تو پہلی ترکیب (مررتُ برجل حسن الوجه) ناجائز اور دوسری جائز ہوتی، کیونکہ اس صورت میں حسن الوجہ معرفہ بن جاتا۔

وجاز الضاربا زيدٍ والضاربوا زيدٍ .

**ترجمہ:** اور الضاربا زيدٍ و الضاربو زيدٍ جائز ہے۔

**تشریح:** مطلب یہ ہے کہ یہ دونوں ترکیبیں درست ہیں، کیونکہ ان میں تخفیف حاصل ہے، پہلی مثال میں تثنیہ کا نون اور دوسری مثال میں جمع کا نون حذف ہے، اور یہی تخفیف ہے۔

وامتنع الضاربُ زيدٍ خلافاً للفراء .

**ترجمہ:** اور الضاربُ زيدٍ ممتنع ہے امام فراءؒ نے اختلاف کیا ہے۔

**تشریح:** مطلب یہ ہے کہ الضارب زيدٍ میں چونکہ تنوین اضافت کی وجہ سے نہیں، بلکہ الف لام کی وجہ سے ساقط ہوئی ہے، لہٰذا اس اضافتِ لفظیہ کا فائدہ (تخفیف) حاصل نہیں ہوا، اس لئے یہ ترکیب درست نہیں۔ اسی طرح ہر وہ ترکیب جس میں صیغۂ صفت معرف باللام علم کی جانب مضاف ہے، لیکن امام فراءؒ فرماتے ہیں کہ اس طرح کی ترکیب جائز ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ الضاربُ زيدٍ پہلے ضاربُ زيدٍ تھا، اضافت کی وجہ سے تنوین ساقط ہوگئی، لہٰذا تخفیف حاصل ہوگئی، اس کے بعد اس پر الف لام داخل کردیا گیا الضاربُ زيدٍ ہوگیا، مگر فراء کا یہ صرف وہم ہے جو ظاہر کے خلاف ہے۔ ظاہر وہی ہے جو جمہور کہتے ہیں کہ الف لام اضافت سے پہلے داخل ہوا ہے، اور اسی کی وجہ سے تنوین ساقط ہوئی ہے، نہ کہ اضافت کی وجہ سے، لہٰذا تخفیف حاصل نہ ہونے کی وجہ سے یہ ترکیب درست نہیں۔[1]

وضعفَ ع الواهب المائة الهجان وعبدها .

[1] کافیہ کے حاشیہ نمبر ۳ رمیں فراء کی دلیل کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ الف لام اضافت سے پہلے داخل کیا گیا ہے، کیونکہ الف لام ذاتِ اسم کی تحقیق کے لئے ہے اور اضافت اسم کے عوارض میں سے ایک عارض (یعنی تخفیف) کی تحقیق کے لئے ہے اور محقق الذات بلاشبہ محقق الصفات پر مقدم ہوتا ہے۔ حاصل یہ کہ تنوین کا سقوط الف لام کی وجہ سے ہے نہ کہ اضافت کی وجہ سے۔ واللہ اعلم

**ترجمہ**: اور ضعیف ہے الواهب المائة الهجان وعبدها .

**تشریح**: یہاں سے مصنفؒ امام فراءؒ کی دوسری دلیل کا جواب دے رہے ہیں۔ فراءؒ کی دوسری دلیل یہ ہے کہ الواهب المائة الهجان وعبدها میں عبدها کا عطف المائة پر ہے، جس کی طرف الواهب (صیغۂ صفت) اضافتِ لفظی کے ساتھ مضاف ہے۔ اور قاعدہ ہے کہ معطوف علیہ کا جو عامل ہوتا ہے وہی معطوف کا بھی ہوتا ہے، اس لئے الواهب کی اضافت عبدها کی طرف بھی ہوگئی تو گویا عبارت اس اس طرح ہوئی: الواهب عبدها اور یہ عبارت اور الضارب زيدٍ دونوں یکساں ہیں، لہٰذا جب الواهب عبدها جائز ہے تو الضارب زيدٍ بھی جائز ہوگی۔

تو مصنفؒ نے فراءؒ کی اس دلیل کا جواب دیا ہے کہ الضارب زيدٍ کے جواز پر اس مصرع سے استدلال ضعیف ہے، کیونکہ اولاً تو اس بات پر کوئی دلیل نہیں کہ عبدها مجرور ہے، ہوسکتا ہے کہ المائة کے محل پر عطف کرتے ہوئے یہ منصوب ہو، کیونکہ المائة محل کے اعتبار سے الواهب کا مفعول بہ ہے، یا واوٗ بمعنی مع ہو اور یہ مفعول معہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہو، اور اگر الواهب کی اس کی طرف اضافت کر کے مجرور بھی مان لیا جائے تو بھی اس سے استدلال کرنا صحیح نہیں، کیونکہ معطوف میں بہت سے ایسے امور جائز ہوتے ہیں جو معطوف علیہ میں جائز نہیں ہوتے، جیسے: رب شاةٍ وسخلتها جائز ہے، اور سخلتها کا عطف شاةٍ پر ہے، جب کہ رب سخلتها ناجائز ہے، کیونکہ رب کا مدخول نکرہ ہوتا ہے۔

**مصرع کا مطلب**: الواهب سے پہلے هو مبتدا محذوف ہے اور الهجان (بکسر الهاء) سفید اونٹنی، واحد اور جمع دونوں کے لئے آتا ہے اور ترکیب میں یا تو المائة کی صفت ہے یا اس سے بدل ہے، یا الثلاثة الاثواب کے قبیل سے ہے، عبد کی اضافت هو ضمیر کی طرف ہے، ها ضمیر کا مرجع الهجان ہے اور یہ اضافتِ مجازی ہے، اور معنی ہیں: اونٹنیوں کا غلام یعنی خدمت کرنے والا۔ پورے مصرع کے معنی ہوئے: وہ (میرا ممدوح) سو اونٹنیوں کو مع ان کے خدمت گاروں کے ہبہ کرنے والا ہے۔

**وإنما جاز الضارب الرجل حملاً علی المختار في الحسن الوجه.**

**ترجمہ:** اور بلاشبہ جائز ہے الضارب الرجل ، الحسن الوجه کی مختار صورت پر محمول کرتے ہوئے۔

**تشریح:** مصنفؒ الضارب زیدٍ، الضارب الرجل جیسا ہے، کیونکہ دونوں میں مضاف صیغۂ صفت معرف باللام ہے اور مضاف الیہ معرفہ ہے، اور الضارب الرجل ترکیب درست ہے، لہٰذا الضاربُ زیدٍ بھی درست ہونی چاہئے۔

جواب یہ ہے کہ قیاس کے اعتبار سے تو یہ ترکیب (الضارب الرجل) بھی ناجائز ہونی چاہئے ، کیونکہ اضافت کی وجہ سے اس میں تخفیف حاصل نہیں ہوئی ، بلکہ الف لام کی وجہ سے ہوئی ہے، لیکن اس ترکیب کو الحسن الوجه کی مختار صورت پر محمول کر کے جائز قرار دیا گیا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ الحسن الوجه میں تین صورتیں ہیں: (۱) الحسن مضاف اور الوجه مضاف الیہ، یعنی السحن الوجه (۲) الحسن صیغۂ صفت اور الوجه اس کا فاعل ہو، یعنی الحسنُ الوجهُ (۳) الحسن صیغۂ صفت اور الوجه مفعول کے مشابہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہو، یعنی الحسنُ الوجهَ۔ ان تینوں صورتوں میں مختار پہلی صورت ہے اور چونکہ الضارب الرجل، الحسن الوجه کی طرح ہے اس لئے الضارب الوجل درست ہے، الضارب الوجل ،الحسن الوجه کی طرح اس طور پر ہے کہ الضارب اور الحسنُ دونوں صفت کے صیغے ہیں اور معرف باللام ہیں، نیز مضاف الیہ الرجل اور الوجه دونوں اسم جنس ہیں اور معرف باللام ہیں، اور الضارب زیدٍ میں یہ بات نہیں ہے اس میں زیدٌ نہ اسم جنس ہے اور نہ معرف باللام ہے، اس لئے الضارب زیدٍ میں یہ بات نہیں ہے اس میں زید نہ اسم جنس ہے اور نہ معرف باللام ہے، اس لئے الضارب زیدٍ کو الضارب الرجل پر قیاس نہیں کیا جا سکتا، لہٰذا الضارب زیدٍ درست نہیں۔

**فائدہ:** الحسن الوجه میں باقی دو صورتیں غیر مختار ہیں: (۱) الحسنُ الوجهُ تو

اس لئے غیر مختار ہے کہ اس میں الوجہُ فاعل ہے تو جب یہ ماقبل کی صفت ہوگی تو موصوف کی طرف لوٹنے والی اس میں کوئی ضمیر نہ ہوگی، جب کہ قاعدہ ہے کہ اگر صفت کا صیغہ کسی اسم کی صفت بنے تو اس میں ایک ضمیر ہو جو موصوف کی طرف لوٹے (۲) الحسن الوجہَ اس لئے غیر مختار ہے کہ اس میں الوجہ کو مفعول کے مشابہ قرار دے کر منصوب کہا گیا ہے، کیونکہ الحسن تو لازم ہے وہ مفعول کا تقاضا نہیں کرتا، اس لئے مجبوراً یہ حیلہ اختیار کرنا پڑا کہ الوجہ مفعول کے مشابہ ہے۔

والضاربک وشبهه في من قال إنه مضاف حملاً علیٰ ضاربک.

**ترجمہ:** اور الضاربک اور اس کے مشابہ اس شخص کے قول میں جس نے کہا کہ وہ مضاف ہے ضاربک پر حمل کرتے ہوئے (جائز) ہے۔

**تشریح:** یہ فراءؒ کی چوتھی اور آخری دلیل کا جواب ہے۔ دلیل کا حاصل یہ ہے کہ الضارب زیدٍ، الضاربک کی طرح ہے، کیونکہ دونوں اس بات میں شریک ہیں کہ مضاف معرف باللام ہے اور مضاف الیہ معرفہ ہے، اور الضاربک درست ہے، لہٰذا الضاربُ زیدٍ بھی درست ہونا چاہئے۔ جواب یہ ہے کہ الضارب زیدٍ کو الضاربک پر قیاس کرنا صحیح نہیں، کیونکہ الضاربک اور اس جیسی ترکیبوں (مثلاً الضاربی، الضاربہ وغیرہ) میں نحاۃ کے نزدیک تو اضافت ہی نہیں، بلکہ الف لام الذی کے معنی میں ہے، اور ضاربُ فعل ماضی معروف ضَرَبَ کے معنی میں ہے اور ضمیر مفعول بہ ہے، اور یہ بات الضاربُ زیدٍ میں نہیں۔

البتہ سیبویہؒ کا مسلک یہ ہے کہ ان میں اضافت ہے اور قیاس کے اعتبار سے تو یہ بھی ناجائز ہونے چاہئیں، لیکن ان کو ضاربک (بغیر الف لام) پر حمل کر کے جائز قرار دیا گیا ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ نحویوں نے کہا ہے کہ اسم فاعل واسم مفعول جب الف لام سے خالی ہوں، اور ان کو ان کے مفعول کے ساتھ جو ضمیر متصل ہو، ملایا جائے تو اضافت کی صورت اختیار کی جاتی ہے، خواہ اس میں تخفیف حاصل نہ ہو، جیسے: ضاربک کہ اس میں

اضافت کی وجہ سے تنوین ساقط نہیں ہوئی، بلکہ صرف ضمیر کے ساتھ اتصال کی وجہ سے ساقط ہوئی ہے، لہٰذا اس میں تخفیف حاصل نہیں ہوئی، پھر الضاربک کو ضاربک پر حمل کر کے جائز قرار دے دیا۔ کیونکہ دونوں اس بات میں شریک ہیں کہ تنوین اضافت کی وجہ سے ساقط نہیں ہوئی، بلکہ ایک میں الف لام کی وجہ سے ساقط ہوئی ہے اور دوسرے میں ضمیر کے ساتھ اتصال کی وجہ سے۔ نیز دونوں ضمیر متصل کی طرف مضاف ہیں اور الضارب زیدٍ میں یہ بات نہیں، کیونکہ اس میں صیغۂ صفت اسم ظاہر کی جانب مضاف ہے نہ کہ ضمیر کی جانب، لہٰذا الضارب زیدٍ کو الضاربکَ پر قیاس نہیں کر سکتے۔

ولا یضاف موصوف إلی صفةٍ ولا صفةٌ إلی موصوفها .

**ترجمہ**: اور نہیں اضافت کی جاتی ہے موصوف کی کسی صفت کی جانب، اور نہ صفت کی اس کے موصوف کی جانب۔

**تشریح**: یہاں سے مصنفؒ ایک قاعدہ بیان فرما رہے ہیں کہ ترکیب توصیفی سے جو معنی حاصل ہوتے ہیں، ان کو باقی رکھتے ہوئے موصوف کو صفت کی جانب مضاف نہیں کر سکتے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ترکیب توصیفی میں موصوف اور صفت کے درمیان اتحاد ہوتا ہے، اور ترکیب اضافی میں مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان تغایر ہوتا ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ موصوف اور صفت کا اعراب ایک ہوتا ہے اور مضاف ومضاف الیہ کا اعراب الگ الگ ہوتا ہے، ہاں البتہ ترکیب توصیفی سے جو معنی حاصل ہوتے ہیں اگر اس کا لحاظ نہ رکھا جائے تو پھر اضافت ہو سکتی ہے۔

اسی طرح صفت کی اضافت موصوف کی طرف بھی نہیں ہو سکتی، اس کی وجوہات بھی وہی ہیں جو اوپر گزری، نیز یہ وجہ بھی ہے کہ اس صورت میں صفت کا اپنے موصوف پر مقدم ہونا لازم آئے گا اور یہ درست نہیں ہے۔

ومثلُ مسجد الجامع وجانب الغربی وصلاة الاولیٰ وبقلة الحمقاء متأول .

**ترجمہ:** اور مسجد الجامع، جانب الغربی، صلاۃ الاولیٰ، اور بقلة الحمقاء جیسی مثالوں میں تاویل کی گئی ہے۔

**تشریح:** یہ عبارت ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ آپ نے اوپر قاعدہ بیان کیا کہ موصوف کی اضافت صفت کی جانب نہیں ہوسکتی، حالانکہ مسجد الجامع وغیرہ میں موصوف کی اضافت صفت کی طرف ہورہی ہے[1]۔ معلوم ہوا کہ آپ کا قاعدہ غلط ہے، تو مصنفؒ نے جواب دیا کہ ان تمام مثالوں میں تاویل کرلی گئی ہے، تاویل یہ ہے کہ پہلی مثال میں لفظ الوقت مقدر ہے، تقدیری عبارت یہ ہے: مسجد الوقت الجامع اور دوسری مثال میں المکان مقدر ہے، تقدیری عبارت ہے، جانب المکان الغربی، اور تیسری مثال میں الساعة مقدر ہے، تقدیری عبارت ہے: صلاۃ الساعة الاولیٰ، اور چوتھی مثال میں الحبة مقدر ہے، تقدیری عبارت ہے: بقلة الحبة الحمقاء[2] اس طرح مذکورہ اعتراض ختم ہوجاتا ہے، کیونکہ الجامع مسجد کی صفت نہیں جو کہ مضاف ہے، بلکہ الوقت کی صفت ہے جو مضاف نہیں ہے، پس جو مضاف ہے یعنی مسجد وہ موصوف نہیں، موصوف تو الوقت ہے اور جو مضاف الیہ ہے یعنی الوقت وہ صفت نہیں، صفت تو الجامع ہے، اسی طرح باقی مثالیں سمجھئے، لہٰذا ہمارا قاعدہ مسلم ہے۔

**ومثل جردُ قطيفةٍ وأخلاقُ ثيابٍ متأولٌ .**

**ترجمہ:** اور جرد قطيفة اور اخلاق ثیاب جیسی (ترکیبیں) تاویل کی ہوئی ہیں۔

**تشریح:** یہ بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ آپ نے قاعدہ بیان کیا کہ صفت کی اضافت موصوف کی طرف نہیں ہوتی، حالانکہ جَرْدُ قَطِيفَةٍ اور اخلاق

---

① کوفیوں کے نزدیک موصوف کی اضافت صفت کی جانب اور صفت کی موصوف کی جانب درست ہے، اور یہی قول زیادہ صحیح ہے، اس لئے کہ قرآن وحدیث میں اس کی بے شمار مثالیں ہیں۔

② الحبة کو الحمقاء کے ساتھ موصوف کیا جاتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے اندر احمقوں جیسی صفت پائی جاتی ہے، کیونکہ یہ ہر خراب جگہ اُگ جاتا ہے۔

ثیاب میں جرذٌ، قطیفۃٍ کی اور اخلاق، ثیابٌ کی صفت ہے، کیونکہ اہل عرب قطیفۃٌ جرذٌ (پرانی چادر) اور ثیابٌ اخلاقٌ (پرانے کپڑے) بولتے ہیں، پس جب جردُ قطیفۃٍ اور اخلاقُ ثیابٍ کہتے ہیں تو معلوم ہوا کہ ان میں صفت کی اضافت موصوف کی طرف ہورہی ہے۔ تو مصنفؒ نے اس کا جواب دیا کہ ان دونوں میں اور ان جیسی دیگر مثالوں میں تاویل کرلی گئی، تاویل یہ کی گئی کہ قطیفۃٌ جرذٌ میں قطیفۃ موصوف کو حذف کردیا گیا، اب صرف جرذٌ رہ گیا، جس میں ابہام پیدا ہوگیا کہ وہ پرانی کیا چیز ہے؟ جس طرح خاتم میں احتمال ہے کہ وہ چاندی کی ہے یا کسی اور دھات کی، پس خاتم میں تخصیص پیدا کرنے کے لئے اس کی اضافت فضۃ کی طرف کرکے خاتمُ فضۃٍ کہا۔ اسی طرح جرذٌ میں تخصیص پیدا کرنے کے لئے اس کی اضافت قطیفۃ کی طرف کرکے جردُ قطیفۃٍ کہا۔ اسی طرح ثیابٌ اخلاقٌ سے ثیابٌ موصوف کو حذف کردیا گیا، اب اخلاقٌ میں ابہام پیدا ہوگیا کہ وہ پرانے کیا ہیں؟ کپڑے بھی ہوسکتے ہیں اور دوسری چیز بھی، تو ان دونوں مثالوں میں جرذٌ اور اخلاقٌ کی اضافت اس حیثیت سے نہیں کہ وہ صفت ہیں، بلکہ اس حیثیت سے ہے کہ وہ جنس مبہم ہیں تخصیص کے لئے اضافت کردی گئی۔

**ولایضاف اسمٌ مماثلٌ للمضاف إلیہ فی العموم والخصوص کلیثٍ وأسدٍ وحَبْسٍ ومنعٍ لعدم الفائدۃ .**

**ترجمہ:** اور نہیں مضاف ہوتا ہے ایسا اسم جو مضاف الیہ کے مشابہ ہو عموم وخصوص میں، جیسے: لیث، أسد، حبس اور منع[1] فائدہ نہ ہونے کی وجہ سے۔

**تشریح:** مطلب یہ ہے کہ جب ایک اسم دوسرے اسم کے ساتھ عموم وخصوص میں برابر ہو تو ان میں سے کسی ایک اسم کی اضافت دوسرے کی طرف نہیں ہوسکتی، جیسے: لیث اور اسد، کہ لیثُ أسدٍ نہیں کہہ سکتے، کیونکہ یہ دونوں مترادف ہیں، دونوں کے معنی شیر کے ہیں۔

① دو مثالیں اس لئے دی ہیں کہ پہلی مثال اعیان اور ذوات کے قبیل سے ہے اور دوسری مثال معانی اور احداث کے قبیل سے ہے، حدث کا مطلب قائم بالغیر ہے۔

ایسے ہی حبس اور منع ہیں کہ حبسُ منعٍ نہیں کہہ سکتے، کیونکہ دونوں کے معنی منع کرنے اور روکنے کے ہیں۔ ایسے ہی انسان اور ناطق کہ انسانُ ناطقٍ نہیں کہہ سکتے، کیونکہ اگر چہ یہ مترادف تو نہیں، البتہ عموم وخصوص میں برابر ہیں، اور اس اضافت کے درست نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس اضافت سے کوئی فائدہ نہیں، کیونکہ جب دونوں اسم عموم وخصوص میں برابر ہیں، تو اضافت کے بعد مضاف کو مضاف الیہ سے نہ تعریف کا فائدہ حاصل ہوگا اور نہ تخصیص کا، بلکہ بغیر اضافت کے جو معنی ہوتے ہیں اضافت کے بعد بھی وہی معنی باقی رہتے ہیں۔ مثلاً رأیت لیثَ أسدٍ کے معنی وہی ہیں جو رأیت لیثاً کے ہیں، اسی طرح جس حبس ومنع اور انسان وناطق وغیرہ ہیں۔

بخلاف کل الدراهم وعین الشيئ فإنه یختصّ به .

**ترجمه**: برخلاف کل الدراهم اور عین الشيئ کے، پس بے شک خاص ہوجاتا ہے وہ (مضاف) اس (مضاف الیہ) کے ذریعہ۔

**تشریح**: مطلب یہ ہے کہ اگر عام کی اضافت خاص کی جانب کی جائے تو درست ہے، کیونکہ اس کی اضافت کی وجہ سے مضاف میں تخصیص پیدا ہوجائے گی، جیسے: کل الدراهم، کہ اس میں اضافت سے پہلے کل عام تھا، دراہم ودنانیر اور دیگر اشیاء کو شامل تھا، جب دراہم کی طرف اضافت کردی گئی تو کل، دراهم کے ساتھ خاص ہوگیا۔ اسی طرح لفظ عین اضافت سے پہلے موجود اور معدوم دونوں کو شامل تھا، جب الشيئ کی طرف اس کی اضافت کی گئی تو لفظ عین، موجود کے ساتھ خاص ہوگیا۔

وقولهم سعیدُ کُرزٍ ونحوه متأوّلٌ .

**ترجمه**: اور ان کا قول سعیدُ کرزٍ اور اس جیسا تاویل شدہ ہے۔

**تشریح**: یہ عبارت ایک سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ آپ نے فرمایا ہے کہ اگر دو اسم عموم وخصوص میں برابر ہوں تو ایک کی دوسرے کی طرف اضافت صحیح نہیں، حالانکہ سعید اور کرز عموم وخصوص میں ایک دوسرے کے مماثل ہیں، کیونکہ دونوں ایک

ہی ذات کے نام ہیں، اس کے باوجود ایک اسم کی دوسرے کی جانب اضافت کر کے سعیدُ کرزٍ بولتے ہیں، لہٰذا یہ اضافت بھی ناجائز ہونی چاہئے۔ تو مصنفؒ نے اس کا جواب دیا کہ اس میں تاویل کرلی گئی، تاویل یہ کی گئی کہ اس میں مضاف سے مراد مسمّٰی اور مدلول ہے اور مضاف الیہ سے مراد اسم اور لفظ ہے تو دونوں مماثل نہیں ہوئے، لہٰذا سعید کرزٍ کا مطلب ہوا: مدلول هٰذا اللفظ ومسمى هٰذا الاسم.

وإذا أضيفَ الاسمُ الصحيحُ أو الملحقُ به إلى ياء المتكلم كُسِرَ اٰخرهُ والياءُ مفتوحةٌ أو ساكنةٌ.

**ترجمہ:** اور جب اضافت کی جائے اسم صحیح کی یا اس اسم کی جو صحیح کے ساتھ ملحق ہو یاء متکلم کی جانب تو اس کا آخر مکسور ہوگا اور یاء مفتوح ہوگی یا ساکن ہوگی۔

**تشریح:** مطلب یہ ہے کہ جب اسم صحیح کی یا قائم مقام صحیح[1] کی اضافت یاء متکلم کی طرف کی جائے تو اس اسم کے آخر کو یاء کی مناسبت سے کسرہ دیا جائے گا اور یاء متکلم میں

① نحویوں کی اصطلاح میں صحیح وہ اسم ہے جس کے آخر میں حرف علت نہ ہو، جیسے: غلامٌ، کتابٌ، ثیابٌ، ثوبٌ وغیرہ۔ اور ملحق بالصحیح وہ اسم ہے جس کے آخر میں واؤ یا یاء ہو اور ان کا ماقبل ساکن ہو، جیسے: دلوٌ، ظبیٌ، اس کو قائم مقام صحیح بھی کہتے ہیں، ملحق بالصحیح یا قائم مقام صحیح کہنے کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح اسم صحیح پر حرکت آتی ہے، اسی طرح ملحق بالصحیح پر بھی حرکت آتی ہے، اور واؤ و یاء پر اگرچہ حرکت ثقیل ہوتی ہے، لیکن جب ان کا ماقبل ساکن ہو تو سکون کی وجہ سے خفت اور آسانی حاصل ہو جاتی ہے، کیونکہ اس کی صورت ایسی ہو جائے گی، جیسے متکلم کلام کرنے کے بعد خاموش ہو جائے اور آرام وسکون حاصل ہو جاتی ہے، کیونکہ اس کی صورت ایسی ہو جائے گی، جیسے متکلم کلام کرنے کے بعد خاموش ہو جائے اور آرام وسکون پالینے کے بعد کلام کرے، ظاہر ہے کہ اس صورت میں اگر کلام کی ابتداء واؤ یا یاء کے ساتھ کی جائے اور ان پر حرکت لائی جائے تو کوئی دشواری نہیں ہوگی، مثلاً سکوت کے بعد وصولٌ، یسبرٌ وغیرہ کہا جائے یعنی واؤ یا یاء پر حرکت لائی جائے تو کچھ دشوار نہیں، اسی طرح سکون کے بعد واؤ اور یاء پر حرکت دشوار نہیں، جیسے: دلوٌ، ظبیٌ.

دو صورتیں ہیں: (۱) یا تو فتحہ دیا جائے گا، جیسے: غلامِیَ ، دلوِیَ (۲) یا ساکن[1] رکھا جائے گا، جیسے: غلامیْ، دلویْ .

فإن کان اٰخرُہ اَلِفًا تثبتُ .

**ترجمہ**: پس اگر اس کا آخر حرف الف ہو تو وہ ثابت رکھا جائے گا۔

**تشریح**: یعنی جو اسم یاء متکلم کی طرف مضاف ہو اگر اس کے آخر میں الف ہو تو وہ باقی رہتا ہے، کیونکہ نہ تو اس الف سے پہلے ضمہ ہے کہ واؤ سے بدلا جائے اور نہ کسرہ ہے کہ یاء سے بدلا جائے، جیسے: عَصَایَ ، رَحَایَ .

وهُزَیلٌ تُقْلِبُهَا لغیر التثنیة یاءً .

**ترجمہ**: اور قبیلہ ہذیل اس (الف) کو بدل دیتا ہے اس حال میں کہ وہ (الف) تثنیہ کے علاوہ کا ہو یاء سے۔

**تشریح**: مطلب یہ ہے کہ جو اسم یاء متکلم کی طرف مضاف ہو اور اس کے آخر میں الف ہو تو اگر وہ الف تثنیہ کا نہیں ہے تو قبیلہ ہذیل کے نزدیک وہ الف یاء سے بدل جائے گا، اور پھر اس یاء کا یاء متکلم میں ادغام ہو جائے گا، جیسے: عَصَایَ سے عَصَیَّ، رَحَایَ سے رَحَیَّ، اس کی وجہ ان کے نزدیک یہ ہے کہ یاء متکلم سے پہلے اگر فتح ہوتا ہے تو اس کو کسرہ سے بدل دیا جاتا ہے، اسی طرح اگر اس سے پہلے الف ہوگا تو اس کو یاء سے بدل دیا جائے گا، گویا جب حرکت میں یاء کی مناسبت کا لحاظ کیا جاتا ہے تو حرف میں بھی یاء کی مناسبت کا لحاظ کیا جائے گا۔

البتہ اگر اس مضاف کے آخر میں تثنیہ کا الف ہو تو اس کو یاء سے نہیں بدلیں گے، ورنہ رفعی حالت کا نصبی وجری حالت کے ساتھ التباس لازم آئے گا، جیسے: غلامایَ کہ اس میں

[1] فتح تو اس لئے کیونکہ یاء متکلم ایک حرف والا کلمہ ہے اور ایک حرف والا کلمہ کلام عرب میں اکثر حرکت پر مبنی ہوتا ہے، تاکہ ابتداء بالساکن لازم نہ آئے، حقیقۃ، جیسے: کزید کے کاف کو اگر حرکت نہ دی جائے، یا حکمًا، جیسے: غلامی، کیونکہ یاء مستقل کلمہ ہے، اور حرکت پر جو کلمہ مبنی ہو اس میں فتح اصل ہے، کیونکہ فتح اخف الحرکات ہے اور یاء ساکن اس لئے ہوگی، تاکہ تخفیف حاصل ہو۔

اگر الف کو یاء سے بدل کر یاء کا یاء میں ادغام کریں، تو غــلامــیَّ ہوگا اور نصبی وجری حالت میں بھی غــلامــیَّ ہوگا، کیونکہ جب غــلامَیْنِ کی اضافت یاءِ متکلم کی طرف کریں گے تو اضافت کی وجہ سے نونِ تثنیہ گر جائے گا، اور پہلی یاء کا یاءِ متکلم میں ادغام ہو جائے گا۔

وإن كان ياءً أُدغِمَتْ وإن كان واوًا قُلِبَتْ ياءً وَادغِمَتْ وفُتِحَتْ الياء للساكنين .

**ترجمہ:** اور اگر یاء ہو تو اس کا (یاءِ متکلم میں) ادغام کر دیا جائے گا اور اگر واؤ ہو تو اس کو یاء سے بدل دیا جائے گا اور ادغام کر دیا جائے گا اور یاء کو (اجتماع) ساکنین کی وجہ سے فتح دے دیا جائے گا۔

**تشریح:** یعنی جو اسم یاءِ متکلم کی طرف مضاف ہے اگر اس کے آخر میں یاء ہو تو یاء کا یاءِ متکلم میں ادغام کر دیا جائے گا، جیسے: قاضیَّ (نصبی وجری حالت میں) مسلمیَّ (تثنیہ)

اور اگر اس کے آخر میں واؤ ہو تو واؤ کو یاء سے بدل کر یاء کا یاءِ متکلم میں ادغام کر دیا جائے گا، کیونکہ قاعدہ ہے کہ جب واؤ اور یاء ایک کلمہ میں جمع ہوں اور ان میں سے پہلا ساکن ہو تو واؤ کو یاء سے بدل کر یاء کا یاء میں ادغام کر دیا جاتا ہے، اور اس کے ماقبل ضمہ ہو تو اس کو کسرہ سے بدل دیا جائے گا، جیسے: مسـلِمـیَّ (رفعی حالت میں) اور اگر ماقبل فتح ہو تو اس کو باقی رکھا جائے گا، جیسے: مصطفَونَ سے مصطفَیَّ .

جو اسم صحیح یا قائم مقام صحیح یاءِ متکلم کی طرف مضاف ہو اس کے آخر میں الف ہو یا یاء ہو یا واؤ، تینوں صورتوں میں یاءِ متکلم پر فتح پڑھا جائے گا، کیونکہ یاءِ متکلم سے پہلا حرف (الف، یا یاء، یا واؤ) تو پہلے سے ساکن ہے اور یاءِ متکلم بھی ساکن ہو جائے تو اجتماع ساکنین لازم آئے گا، اور فتح اس لئے دیا گیا کیونکہ وہ اخف الحرکات ہے، جیسا کہ مثالیں گذر چکیں۔

وأمّا الأسماءُ السّتّةُ فاخي وابي واجاز المبردُ أخِيَّ وأبِيَّ .

**ترجمہ:** اور بہر حال اسماء ستہ پس أخي اور أبي ہے اور جائز قرار دیا ہے مبرّدؒ نے أخيَّ اور أبِيَّ۔

**تشریح:** اسماء ستہ مکبر جب یاءِ متکلم کے علاوہ کی طرف مضاف ہوں تو ان کا حل اس سے پہلے اسم متمکن کی اقسام میں نمبر پانچ پر بیان کر دیا گیا، اور جب یاءِ متکلم کی طرف مضاف ہوں تو ان کی تفصیل یہاں سے بیان فرما رہے ہیں۔ ان میں سے جب اَخٌ اور اَبٌ کی اضافت یاءِ متکلم کی طرف کی جائے تو ان کے آخر میں جو واؤ محذوف ہے اس کو لوٹائے بغیر أخي اور أبيْ کہا جائے گا، ان کی اصل أخوٌ اور أبوٌ تھی، جس طرح یَدٌ کی اصل یدیٌ اور دم کی اصل دَمْوٌ ہے، لیکن اضافت کے وقت حرفِ محذوف کو لوٹائے بغیر یدی اور دمی کہا جاتا ہے۔

اس کے برخلاف امام مبردؒ کے نزدیک جائز ہے کہ أخ اور أب کی یاءِ متکلم کی طرف اضافت کے وقت واؤ محذوف کو واپس لائیں اور واؤ و یاء کے اجتماع کی وجہ سے واؤ کو یاء سے بدل کر یاء کا یاءِ متکلم میں ادغام کر دیں اور یاء کی مناسبت سے ماقبل کے ضمہ کو کسرہ سے بدل دیں، اور اجتماع ساکنین کی وجہ سے یہاں بھی فتح آئے گا، اس طرح کہیں گے: أخِيَّ، أبِيَّ۔

وتقول حمی وھنی.

**ترجمہ:** اور کہے گی وہ حَمِیْ اور ھَنِیْ۔

**تشریح:** حَمٌ اور ھَنٌ میں بھی لام کلمہ واؤ محذوف ہے اور اس کو یاءِ متکلم کی طرف اضافت کے وقت اخٌ اور ابٌ کی طرح واپس نہیں لایا جاتا، حمی اور ھنی کہا جاتا ہے۔

**فائدہ:** مصنفؒ نے ان کو اخٌ اور ابٌ سے الگ کر کے بیان کیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں مبردؒ کا اختلاف منقول نہیں ہے، نیز تقول (واحد مؤنث غائب کا صیغہ) استعمال کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ حم شوہر کے بھائی (دیور و جیٹھ) کو کہتے ہیں، اور ظاہر ہے کہ دیور و جیٹھ عورت کا ہی ہوتا ہے اس لئے واحد مونث غائب کا صیغہ استعمال کیا۔

ویُقالُ فِیْ الاکثر وفِمِیْ.

**ترجمہ:** اور کہا جاتا ہے فِیْ اکثر استعمال میں اور فِمِیْ (اقل استعمال میں)

**تشریح:** فَمٌ اصل میں فوہٌ تھا، ہاء کو حذف کر کے واؤ کے بدل میں میم لے آئے۔ فرماتے ہیں کہ اس کی جب یاءِ متکلم کی طرف اضافت کی جائے گی تو وہ واؤ جس کے عوض میں

میم ہے واپس آجائے گی، اور پھر واؤ ویاء کے جمع ہونے کی وجہ سے واؤ کو یاء کر کے یاء کا یاء متکلم میں ادغام کردیں گے، اور یاء سے پہلے فاء پر کسرہ دے دیں گے، اور یاء کو اجتماع ساکنین کی وجہ سے فتح دے دیں گے، فِیَّ ہوجائے گا، اور اس کا اکثر استعمال اسی طرح ہے۔

جب کہ بسا اوقات میم باقی رہتی ہے اور واؤ کا اعادہ نہیں ہوتا، چنانچہ اضافت کی صورت میں فَمِیْ کہتے ہیں، لیکن اس طرح قلیل الاستعمال ہے۔

وإذا قُطِعَتْ قِيلَ اَخٌ وابٌ وحمٌ وهنٌ وفمٌ وفتحُ الفاء افصحُ منهما.

**ترجمہ:** اور جب (یہ اسماء) منقطع کیے جائیں تو کہا جائے گا: أخٌ، أبٌ، حمٌ، هنٌ، فمٌ اور فاء کا فتح ان دونوں سے زیادہ فصیح ہے۔

**تشریح:** مطلب یہ ہے کہ اسماء ستہ کی ذو کے علاوہ (یعنی پانچ اسماء کی) جب اضافت ختم کردی جائے تو ان کا اعراب بالحرکات ہوگا، اور اس طرح کہا جائے گا: أخٌ، ابٌ الخ، اور فمٌ کی فاء پر فتح، کسرہ اور ضمہ تینوں پڑھ سکتے ہیں، یعنی فِمٌ فُمٌ لیکن فتح پڑھنا زیادہ فصیح ہے۔

وجاء حمٌ مثل يدٍ وخَبْأٍ ودلوٍ وعصاً مطلقاً.

**ترجمہ:** اور آیا ہے حمٌ، یدٌ، خبأٌ، دلوٌ اور عصا کی طرح مطلقاً۔

**تشریح:** مطلب یہ ہے کہ حمٌ میں چند لغات ہیں: (۱) ایک یہ کہ اس کو یدٌ کی طرح بغیر حرفِ محذوف (یاء) کے پڑھا جائے، اضافت نہ ہونے کی صورت میں بھی، جیسے: هٰذا حَمٌ، اور اضافت کی صورت میں بھی جیسے: هٰذا حمُكَ (۲) دوسرے یہ کہ خَبَأ کی طرح مہموز اللام استعمال ہو یعنی واؤ محذوف کا اعادہ ہو، پھر وہ واؤ ہمزہ سے بدل جائے، اور یہ استعمال بھی اضافت وغیر اضافت دونوں صورتوں میں ہو، جیسے: هٰذا حَمْأٌ وهٰذا حَمْأُكِ (۳) تیسرے یہ کہ اضافت وغیر اضافت دونوں صورتوں میں دَلْوٌ کی طرح ناقص واوی پڑھا جائے، یعنی حَموٌ (۴) چوتھے یہ کہ اضافت وغیر اضافت دونوں صورتوں میں اسم مقصور عصا کی طرح پڑھا جائے، یعنی حماً۔ مطلقاً کا یہی مطلب ہے کہ یہ استعمال اضافت وغیر اضافت دونوں صورتوں میں ہے۔

**وجاءَ هَنٌ مثلُ يدٍ مطلقاً .**

**ترجمہ:** اور ہَنٌ یَدٌ کی طرح آیا ہے مطلقاً۔

**تشریح:** مطلب یہ ہے کہ اضافت وغیر اضافت دونوں صورتوں میں ھَنٌ کو یدٌ کی طرح بھی پڑھا جاتا ہے، یعنی حرفِ محذوف واؤ کو واپس نہیں لایا جاتا، جیسے: هٰذا هَنٌ وهٰذا هَنُكِ .

**وذُو لايضافُ إلى مضمرٍ ولا يقطعُ .**

**ترجمہ:** اور ذو ضمیر کی طرف مضاف نہیں ہوتا ہے اور نہ اس کو اضافت سے قطع کیا جاتا ہے۔

**تشریح:** اسماءِ ستہ مکبرہ میں سے پانچ کی تفصیل بیان ہو چکی ہے، اب ذو کا حال بیان کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ ذو کی اضافت ضمیر کی جانب نہیں ہوتی، اس کی وجہ یہ ہے کہ ذو کی وضع اس لئے ہوئی ہے کہ وہ اسم جنس کی طرف مضاف ہو کر اس کو کسی دوسرے اسم کی صفت بنا دے اور ظاہر ہے کہ ضمیر اسم جنس نہیں، اس کی طرف اضافت کرنے سے خلافِ وضع لازم آئے گا، البتہ شاذ کے طریقہ پر ضمیر غائب کی طرف اضافت ہو جاتی ہے، جیسے: **إنما يعرف ذا الفضل من الناس ذَوُوهُ** ۔ (یعنی فضیلت والے کو فضیلت والے ہی پہچانتے ہیں)

اور ذو بغیر اضافت بھی استعمال نہیں ہوتا، اس کی وجہ یہ ہے کہ اوپر بیان کیا گیا کہ ذو کی وضع کا مقصد یہ ہے کہ وہ اسم جنس کی طرف مضاف ہو کر اس کو کسی دوسرے اسم کی صفت بنا دے اور ظاہر ہے کہ یہ مقصد بغیر اضافت حاصل نہیں ہو سکتا۔

☆☆☆

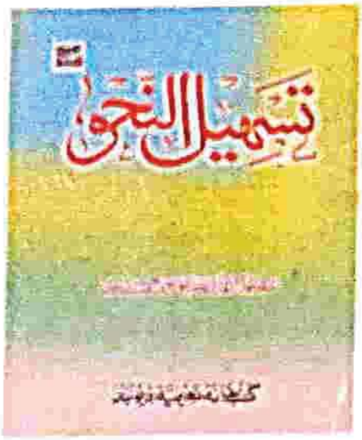


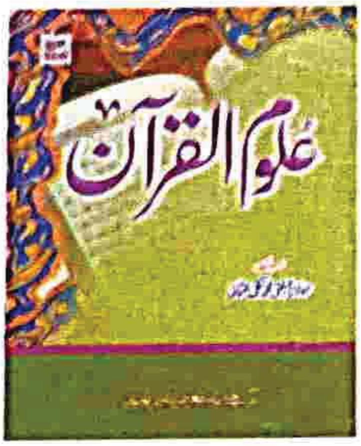


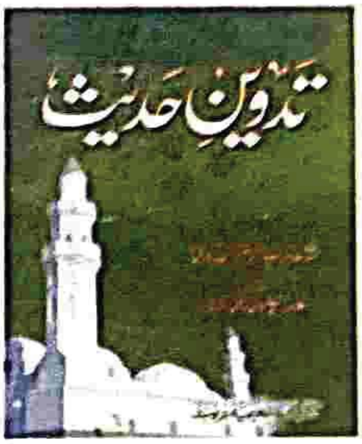


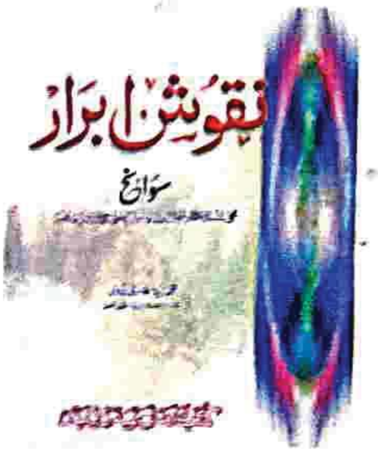


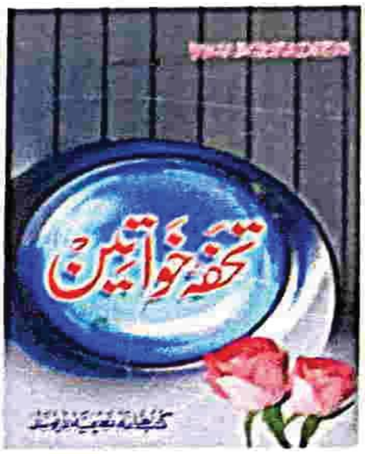


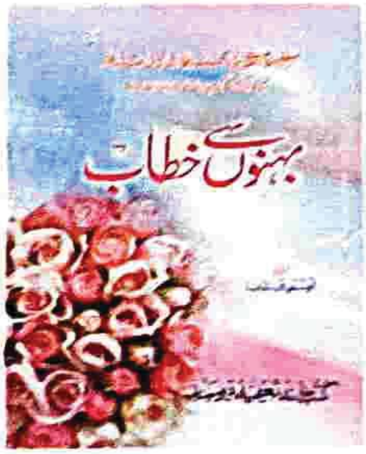

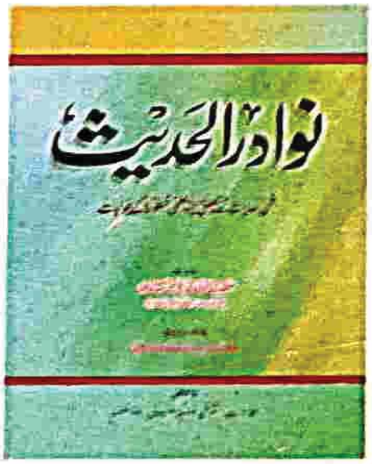


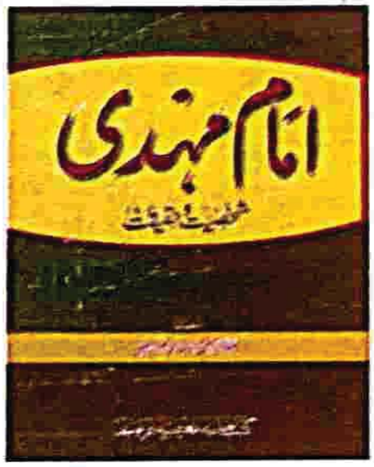


**NAIMIA BOOK DEPOT**

**DEOBAND-247554 (U.P.) INDIA**

**Ph: (01336) 223294(O) 224556(R) 01336-222491(FAX)**

**e-mail - naimiabookdepot@yahoo.com**

**Rs. 200.00**